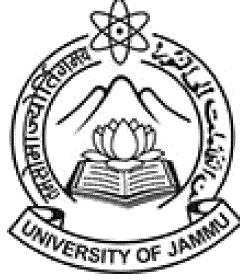


مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں



ایم۔ اے اردو
سمسٹر دوم

یونٹ: I - IV

اسباق: 1-15

مضمون: ادبی تحریکات و رجحانات

کورس نمبر: 204

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ اسٹنٹ پروفیسر

انچارج ٹیچر، اردو

سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک

کورس کوآرڈینیٹر، ایم اے اردو، سی، ڈی، او، ای

صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

© جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، جموں یونیورسٹی، جموں

مضمون نگار:

1۔ ڈاکٹر شہناز قادری

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ایم اے ایم گورنمنٹ پی جی کالج جموں

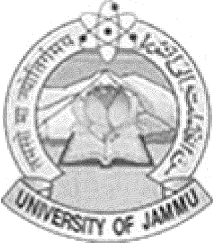
2۔ ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

اڈیٹنگ/ پروف ریڈنگ

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔



استقبالیہ پیغام



عزیز متعلم!

سمسٹر دوم کے کورس ”ادبی تحریکات و رجحانات“ میں آپ کا خیر مقدم ہے۔

یہ کورس اردو ادب میں پیدا ہونے والی اہم ادبی تحریکات اور فکری و فنی رجحانات کے جامع مطالعے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کورس کے ذریعے آپ اردو ادب کی تشکیل و ارتقا میں مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات کے کردار کو تاریخی، فکری اور فنی تناظر میں سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ اس مطالعے میں ادب کے بدلتے ہوئے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری ماحول کے ساتھ ادبی اظہار میں آنے والی تبدیلیوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ کورس کے ابتدائی حصے میں سرسید تحریک اور اس کے معاصرین کے حوالے سے اردو ادب میں اصلاحی، علمی اور فکری رجحانات کا مطالعہ شامل ہے۔ سرسید احمد خان کے ساتھ حالی، آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی کی ادبی و فکری خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے اس عہد کی ادبی تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد ادب لطیف اور رومانی رجحان کے ذریعے اردو ادب میں جمالیاتی احساس، تخیل، جذبات اور رومانوی فکر کے مختلف مظاہر سے واقف کرایا گیا ہے۔ کورس کے اگلے مرحلے میں ترقی پسند تحریک کے تاریخی پس منظر، اغراض و مقاصد، اردو ادب پر اس کے اثرات اور اس کی اہم ادبی خدمات کا مطالعہ شامل ہے۔ اس کے ساتھ حلقہ ارباب ذوق کی ادبی روایت اور فکری و فنی خدمات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کے مطالعے کے ذریعے آپ بیسویں صدی کے اردو ادب میں پیدا ہونے والے مختلف فکری اور فنی رویوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

کورس کے آخری حصے میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نظریات و مقاصد، ان کے فکری پس منظر، باہمی مماثلت اور اختلاف اور اردو ادب پر ان کے اثرات کا تفصیلی مطالعہ شامل ہے۔ جدیدیت کے تحت فرد، داخلی شعور، نفسیاتی تجربے، علامت، تجرید اور نئے فنی اظہار کے رجحانات کو سمجھا جائے گا، جبکہ مابعد جدیدیت کے حوالے سے کثرت معنی، تکثیریت، بین المتونیت، ثقافتی تنوع اور متن کی مختلف قراتوں جیسے اہم

تصورات پر توجہ دی گئی ہے۔ اس کورس میں مختلف تحریکات اور رجحانات کو محض نظری تعریفوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ ان کے تاریخی پس منظر، اہم شخصیات، نمایاں تصانیف، ادبی خدمات اور اردو ادب پر مرتب ہونے والے اثرات کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ اس طرح آپ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ ادبی تحریکات اور رجحانات اپنے عہد کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری حالات سے کس طرح وابستہ ہوتے ہیں اور ادب کی زبان، موضوعات، ہیئت اور اسلوب کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس کورس کا باقاعدہ اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ آپ کو اردو ادب کی مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات کے تاریخی تسلسل، فکری بنیادوں اور فنی خصوصیات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ آپ ہر سبق کو توجہ سے پڑھیں، دی گئی سرگرمیوں کے ذریعے اپنی معلومات جانچیں، مشقی سوالات پر غور کریں اور مزید گہرے مطالعے کے لیے آخر میں دی گئی امدادی کتب سے بھی استفادہ کریں۔

آپ کی علمی ترقی، ادبی فہم اور کامیابی کے لیے نیک خواہشات۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

Syllabus and Courses of Study in the Subject of Urdu under NON-CBCS Scheme (CDOE)

SEMESTER- II COURSE CODE URD-204

Examination to be held in May 2026, 2027 and 2028

Title : Literary Movements and Trends ادبی تحریکات و رجحانات

Duration of Examination: 2:30 hours

Credits:4

Maximum Marks: 100

(a) Semester Exam: 70

(b) Internal Assessment: 30

Objectives:

Students shall be made aware of various literary trends that have influenced Urdu literature particularly Urdu Prose in the process of its development. The influence of European culture and literary trends shall particularly be stressed.

باب-۱ (Unit-I)

- ۱۔ ادبی تحریکات اور رجحانات (تعریف و معنویت)
- ۲۔ تحریک و رجحان میں فرق
- ۳۔ ادب پر تحریکات و رجحانات کے اثرات
- ۴۔ ادب میں تحریکات و رجحانات کی خدمات

باب-۲ (Unit-II)

- ۱۔ علی گڑھ تحریک - اغراض و مقاصد
- ۲۔ اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات
- ۳۔ سرسید اور ان کے معاصرین (آزاد - حالی - نذیر احمد - شبلی)
- ۴۔ ادب لطیف اور رومانی رجحان - ایک تعارف

باب-۳ (Unit-III)

- ۱۔ ترقی پسند تحریک - اغراض و مقاصد

- ۲۔ اُردو ادب پر ترقی پسند تحریک کے اثرات
- ۳۔ اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات
- ۴۔ حلقہ ارباب ذوق۔ ایک تعارف

باب ۴ (Unit-IV)

- ۱۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت۔ نظریات و مقاصد
- ۲۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت و اختلاف
- ۳۔ اُردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات

کورس کا تعارف

فاصلاتی نظام تعلیم اس وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ نظام تعلیم درس و تدریس کی راہیں ہموار کر کے طلباء کو گھر بیٹھے با آسانی تعلیم مہیا کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ نظام تعلیم قریب کے طلباء کے ساتھ ساتھ دور دراز طلباء کو بھی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا یکساں موقع فراہم کرتا ہے۔ اس میں باقاعدہ کلاس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ لرنرز (سیکھنے والے) اپنی مشغولیت اور مصروفیت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ فاصلاتی نظام تعلیم میں سیلف لرننگ میٹرل (SLM) کے توسط سے طلباء کی نصابی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ لہذا ایس۔ ایل۔ ایم کو تیار کرنے میں متعدد بنیادی باتوں کا خیال رکھنا اشد ضروری ہوتا ہے، مثلاً طلباء کو دوران مطالعہ استاد کی موجودگی کا احساس دلانا۔ مرکب جملوں کے بجائے مفرد جملوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا۔ عام فہم اور با محاورہ زبان کا التزام کرنا۔ اکائی میں متعلقہ موضوع کی معلومات کو زیادہ سے زیادہ یکجا کرنا۔ عملی مشق کے مواقع فراہم کرنا ”اغراض و مقاصد“، ”تمہید“، اصل موضوع، آپ نے کیا سیکھا اپنا امتحان خود لیجیے سوالوں کے جوابات، فرہنگ اور کتب برائے مطالعہ کے ذریعے باب کو دلچسپ اور موثر بنانے کی حتی المقدور کوشش کرنا وغیرہ، تاکہ ایس۔ ایل۔ ایم کی ساخت اور اسلوب از خود طلباء کی رہنمائی کر سکے ہیں۔

ادبی تحریکات و رجحانات کا خصوصی مطالعہ کورس ایم۔ اے اردو کے فاصلاتی نظام تعلیم سے منسلک طلباء کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کورس چار ابواب پر مشتمل ہے اس طرح یہ مکمل کورس ۱۵ ذیلی ابواب پر محیط ہے۔

زیر نظر کورس میں تحریکات و رجحانات کے حوالے سے مکمل جانکاری شامل ہے۔ اس کورس کی ہر اکائی میں اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں تاکہ طلباء میں تجسس اور تحرک کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا ذوق و شوق نمود پزیر ہو سکے۔ تمہید میں یونٹ یعنی باب کا مختصر اور مربوط تعارف پیش کیا گیا ہے جس سے طلباء کو اسے پڑھنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کیا جاسکے۔ طلباء کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے باب کے اصل موضوع کو بھی حسب ضرورت ذیلی عناوین میں منقسم کیا گیا ہے۔ مفہوم کی آسان ترسیل کے لیے یونٹ کو سلیس اور عام فہم زبان میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل موضوع کے مطالعے کے بعد ”آپ نے کیا سیکھا؟“ کے تحت طلباء کو پورا سبق اچھی طرح ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ مزید اصل موضوع کے اختتام پر

ماحصل کے تحت پورے مطالعہ کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ طلباء سہولت یونٹ کا نچوڑ سمجھ سکیں۔ اپنا امتحان خود لیجیے اور ”سوالوں کے جوابات“ کے عنوان قائم کر کے طلباء کو سرگرم اور متحرک رکھنے کی عملی کوشش کی گئی ہے، جس سے طلباء اپنی صلاحیت کا از خود جائزہ لے سکیں۔ طلباء کی سہولت کے لیے ہر یونٹ میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل کی گئی ہے اور تمام یونٹ کے آخر میں معاون کتابوں کی فہرست درج کی گئی ہے، تاکہ طلباء معاون کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔ زیر نظر کتاب ”ادبی تحریکات“ کا مطالعہ پڑھنی ہے۔ اس میں چار ابواب اور ذیلی ابواب کے تحت پندرہ ابواب شامل نصاب ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا باب تحریکات و رجحانات پڑھنی ہے جس میں انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو ادب میں کئی نامور اور طویل المدت ادبی تحریکات نے جنم لیا، جن میں اصلاح زبان کی تحریک علی گڑھ یا سرسید تحریک، رومانوی تحریک ترقی پسند تحریک اور جدیدیت جیسے رجحانات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے زیر سایہ اور بھی کئی تحریکات نے جنم لیا مگر قابل ذکر یہی ہیں، انھوں نے اردو ادب، اردو تاریخ اور زبان و تخلیقات تنقید و دیگر اصناف ادب کی خاطر Booster کا کردار ادا کیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ یہ ایسے ادوار میں ابھریں جب ان کی شدید ضرورت تھی۔

یوں تو تحریک ہر عمل کے لیے ضروری اور لازمی ہے مگر ادب اور سماج کے نقطہ نظر سے تحریک کو خصوصی اہمیت و افادیت حاصل ہے۔ کیوں کہ اس سے ادب میں جان پڑ جاتی ہے اور ادب کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔ ادب اور سماج میں موجود برائیوں اور خامیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان کی ترقی و بقا کی خاطر کی جانے والی نظریاتی اور فکریاتی کوششیں با مراد ہو جاتی ہیں۔

تحریک کیا ہے اور کیوں وجود میں آتی ہے؟ اسے چند لفظوں میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ تحریک کسی ڈھانچے میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح روح کے بغیر ہر وجود لاش ہے، اسی طرح ادب اور سماج بھی اس کے بغیر مردہ نظر آتا ہے۔ اس مٹی میں خاصیت نمودار افادی کمالات تحریک کے پانیوں کے چھڑکاؤ اور بہاؤ سے ہی ہوتا ہے۔ سماجی بیداری اور ادب کو اس کے حقیقی مقاصد و مہمات سے روشناس و لیس کرنے والا عنصر تحریک ہی ہے۔ لہذا اس کی اہمیت و افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔ حرکت، چہل پہل، کوشش، جدوجہد، تکمیل مشن اور حصول مقصد کے لیے لگن، یہ سب کے سب تحریک کے اصطلاحی معانی ہیں جن کی اہمیت اپنے تئیں ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تحریک ایک ایسا وجود ہے یا حقیقت ہے جو دوسرے وجود اور حقائق کے لیے نسخہ کیمیا یا پارس کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے محض مس ہونے اور رگڑ لگنے سے ہی ان میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ با عمل و با فیض بن جاتے ہیں۔ اس لیے تحریکات کی ہر دور، ہر سماج اور ہر ادب میں خصوصی اہمیت رہی ہے اور اس کی ضرورت کا ادراک سب نے کیا ہے۔

دوسرا باب علی گڑھ تحریک اردو میں ادب لطیف اور رومانی رجحان کے حوالے سے طلبہ کو مکمل جانکاری فراہم کریگا۔ سرسید کی تحریک کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو سرسید کی علی گڑھ تحریک نہ صرف یہ کہ ایک تعلیمی تحریک تھی بلکہ اس نے انسان کے مختلف شعبہ ہائے زندگی پر اثر ڈالا۔ صحافت، سیاست، تعلیم و تربیت، ادب اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر علی گڑھ تحریک کا اثر آج بھی قائم ہے۔ ادارہ نیو لیبی کا آغاز بھی سرسید احمد خان نے ہی شروع کیا تھا۔ با مقصد اور نظریاتی صحافت کو اپنا دستور العمل بنایا۔ ٹائپ کی شروعات کی۔ خبرنگاری اور صحافت کے جدید اصولوں کو فروغ دیا۔ اردو ادب پر سرسید تحریک کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید نے اردو زبان و ادب کو عشق و عاشقی اور رومانیت سے نکال کر ملکی، اصلاحی، معاشرتی، اخلاقی، تاریخی، سائنسی وغیرہ موضوعات دیے اور سرسید تحریک کی بدولت ہی اردو زبان میں نئے نئے مضامین لکھے جانے لگے۔ سرسید نے اردو زبان میں عام فہم اور آسمان اصطلاحات کو فروغ دیا، ان سے قبل فارسی آمیز نثر اور مقنع و مسجع نثر کا رواج تھا۔ اردو ادب میں سرسید کی انشا پردازی کا بھی بہت اہم رول رہا ہے۔ سرسید کے مضامین اپنی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر آج بھی ملک و بیرون ملک کی مختلف درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان کے تحریر کردہ نیکی اور امید کی خوشی جیسے مضامین کو آج بھی بہت توجہ سے پڑھا جاتا ہے۔ سرسید نے سائنس، ادب، صحافت، تاریخ، سیاست، مذہب سے متعلق سینکڑوں مضامین لکھے جو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق کی خدمات سے بھلا کیسے انکار ہے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ درجنوں کتابوں کو اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا جس سے اردو ادب کے خزانے میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

رومانیت اردو ادب میں ایک ایسی تحریک یا رجحان کے طور پر ابھری جو عقلیت پسندی اور کلاسیکی ضوابط کے خلاف رد عمل تھی۔ یہ رجحان انفرادیت، تخیل کی بلندی، اور فطرت سے لگاؤ پر زور دیتا ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیات میں چند اہم ترین نقطے اس طرح سے ابھارے جاسکتے ہیں مثلاً ماضی کی یادوں اور قصوں سے وابستگی۔ اور انسان کے جذباتی اظہار میں بے باکی اور حسن و جمال کی تعریف کو زیادہ دخل حاصل ہوتا ہے۔ اس میں انسان کی داخلی کیفیات اور شخصی آزادی کو اہمیت دی جاتی ہے اس نقطہ نظر سے وابستہ اہم شخصیات میں سے ہم علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری (بانگ درا) میں بھی رومانی اثرات کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، اور ناصر کاظمی اس رجحان کے اہم نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔

تیسرا باب میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق کے حوالے سے طلبہ کو مکمل جانکاری فراہم کی گئی ہے۔ ”ترقی پسند تحریک“ اردو ادب کی سب سے بڑی منظم تحریک تھی۔ اردو زبان میں جدید شعروادب کا بیشتر ادبی ذخیرہ اسی تحریک کی پیداوار ہے۔ اس کی پہلی کانفرنس، اپریل

۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کے ”رفاہ عام“ کلب ہال میں نشی پریم چند کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو سمت و رفتار دینے میں نمایاں کردار انجام دیا۔ اس نے پرانے ڈھانچے کو توڑ کر نئے خیالات، تصورات اور حقیقتوں پر ادب کی عمارت تعمیر کی۔ جدید تنقید کو جنم دیا۔ افسانے، ناول، ڈرامے اور شاعری میں کئی ادبی تجربے بھی کیے جو صرف مواد، موضوعات اور فکر کی سطح پر ہی نہیں بلکہ ہیئت، تکنیک اور فن کی سطح پر بھی تھے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو شاعری کئی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی۔ بعض قدیم روایات سے انحراف گیا کیا، کئی نئی روایات ادب میں متعارف ہوئیں اور نئے موضوعات و خیالات کو شاعری میں جگہ ملی۔ ترقی پسند تحریک کے نمائندہ شعرا میں سردار جعفری، مجاز، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، جوش، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی، مخدوم محی الدین، اور جذبی قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے سب سے گہرے اور واضح نقوش اردو افسانے پر نظر آتے ہیں، اور تمام تجربات اسی دور میں ہوئے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل و مصائب کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور اردو کو ہیئت کے تجربوں سے مالا مال کیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ لکھنے والے کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، احمد ندیم قاسمی، اور پندرنا تھ، اشک، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، اور جیلانی بانو وغیرہ ہیں۔ لیکن ترقی پسند تحریک میں ناول اس درجے کے نہیں لکھے گئے جس معیار کی شاعری یا افسانہ نگاری کی گئی۔ ترقی پسند ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت منٹو، بیدی، احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری کے نمایاں نام ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے اردو تنقید میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس تحریک نے پہلی بار شعوری طور پر ادب کو زندگی، سماج، ماحول اور زمانے کے پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس تحریک کے تحت اشتراکی و مارکسی خیالات، سائنسی عقل پسندی اور حقیقت نگاری کے رجحانات کو تنقید میں جگہ ملی، ان نظریات سے اردو نقادوں کا ایک بہت بڑا حلقہ متاثر ہوا۔ ان میں اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، احتشام حسین، علی سردار جعفری، ممتاز حسین، عزیز احمد، اختر انصاری اور عبادت بریلوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے متوازی ”حلقہ ارباب ذوق“ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اس نے اردو شعروادب میں ایک ایسے رجحان کو فروغ دیا جو جدید ادب یا جدید شاعری سے موسوم ہوئی۔ حلقہ ان صالح فکر، غیر اشتراکی نظریات کے حامل شعراء، ادبا اور فنکاروں کی جماعت تھی جو اشتراکی نظریات کے مخالف تھی۔ حلقہ کے شاعروں کی اصل شناخت ان کی نظم نگاری ہے۔ ان حضرات نے قدیم روایت سے انحراف کرتے ہوئے نظم کے مروجہ تصور میں بھی تبدیلی پیدا کی جو ان کے نظریہ شعر سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، بلکہ اس کا فطری نتیجہ بھی۔ اس سے وابستہ جن شاعروں نے اپنی شناخت قائم کی، ان میں یوں تو تصدق حسین خالد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ن م راشد اور میراجی وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن ان میں نمایاں مقام میراجی اور ان م۔ راشد کو حاصل ہے۔

اس طرح سے چوتھے باب میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے حوالے سے طلبہ کو مکمل جانکاری فراہم کی گئی ہے۔ اردو میں جدیدیت کا میلان مغربی فلسفہ وجودیت، علامت نگاری اور کسی حد تک فرائیڈین تصور کی دین ہے۔ اردو میں اس کا آغاز باقاعدہ اور منظم شکل میں ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوتا ہے اور اردو شاعری اور فلشن میں وجودیت، فردیت، علامتیت، منفیت جیسے تصورات کو جگہ ملتی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کی صورت حال اور اس سے پیدا شدہ مسائل سے ادب بھی متاثر ہوا اور زمانے کے سیاسی و سماجی نتائج نے اس رجحان کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا اور اس طرح اردو میں تشکیک، تنہائی، داخلیت جنسی آزادی، جلی آزادی، بے اطمینانی، خوف، دہشت، مایوسی اور اداس، لایعنیت، فرد کی لامعنویت، ارضی و معروضی تصور، انسانی محرومیاں، بے خوابی موت کی حقیقت جیسے اہم رویے سامنے آئے۔ فنی انحرافات کی سطح پر لسانی تشکیلات، علامت نگاری، تجریدیت، تمثیل نگاری لفظ کی نئی معنویت، نئے الفاظ و تراکیب کا استعمال اور مختلف نے سبکی تجربات کو اہمیت ملی۔ جدیدیت کسی متعینہ ضابطہ، یا نظریہ یا مینی فیسٹو کی تابع نہیں تھی لہذا یہ ہر طرح کے اظہار کا وسیلہ قرار پائی اور اس کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی۔ جدیدیت کے زیر اثر شاعری کرنے والوں میں ناصر کاظمی، بانی، شیب، جلالی خلیل الرحمن العظمیٰ منیب الرحمن، شہر یار، منیر نیازی، عمیق حنفی سلیم شہزادہ مظہر امام، زیب غوری، شمس الرحمن فاروقی، ساقی فاروقی، ندافاضلی، عادل منصوری، بلراج کول، باقر مہدی، رشید امجد، کمار پاشی عشرت ظفر، اسعد بدایونی، ظفر اقبال، زبیر رضوی محمود ایاز، پروین شاکر، احمد فراز، غلام مرتضیٰ راہی، ممتاز راشد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں تو فلشن تخلیق کرنے والوں میں قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، احمد ہمیش، سریندر پرکاش، بلراج مین را، نیر مسعود، جوگندر پال، اقبال مجید، انور سجاد، خالد حسین غیاث احمد گدی، بانوقد سیہ، رشید امجد، صلاح الدین پرویز مشفق، اقبال متین، دیویندر اسر قمر احسن وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

فہرست

باب ۱- (Unit-I)

- ۱۔ ادبی تحریکات اور رجحانات (تعریف و معنویت) _____ 12
- ۲۔ تحریک و رجحان میں فرق _____ 32
- ۳۔ ادب پر تحریکات و رجحانات کے اثرات _____ 47
- ۴۔ ادب میں تحریکات و رجحانات کی خدمات _____ 70

باب ۲- (Unit-II)

- ۵۔ علی گڑھ تحریک - اغراض و مقاصد _____ 87
- ۶۔ اُردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات _____ 106
- ۷۔ سرسید اور ان کے معاصرین (آزاد - حالی - نذیر احمد - شبلی) _____ 121
- ۸۔ ادب لطیف اور رومانی رجحان - ایک تعارف _____ 138

باب ۳- (Unit-III)

- ۹۔ ترقی پسند تحریک - اغراض و مقاصد _____ 158
- ۱۰۔ اُردو ادب پر ترقی پسند تحریک کے اثرات _____ 180
- ۱۱۔ اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات _____ 199

۱۲۔ حلقہ آرباب ذوق۔ ایک تعارف _____ 212

باب ۴ (Unit-IV)

۱۳۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت۔ نظریات و مقاصد _____ 227

۱۴۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت و اختلاف _____ 238

۱۵۔ اُردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات _____ 254

سبق نمبر 1 ادبی تحریکات اور رجحانات: تعریف و معنویت

- | | |
|--|-----|
| اغراض و مقاصد | 1.0 |
| تعارف | 1.1 |
| ادبی تحریکات اور رجحانات کا مفہوم اور فکری پس منظر | 1.2 |
| 1.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں | |
| ادبی تحریک کی تعریف اور خصوصیات | 1.3 |
| 1.3.1 ادبی رجحان کی تعریف اور خصوصیات | |
| 1.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں | |
| عمومی جائزہ | 1.4 |
| فرہنگ | 1.5 |
| نمونہ برائے امتحانی سوالات | 1.6 |
| مشقی سوالات | 1.7 |
| جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات | 1.8 |
| امدادی کتب | 1.9 |

1.0 اغراض و مقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے بنیادی مفہوم کو واضح طور پر سمجھ سکیں گے اور دونوں اصطلاحات کے درمیان پائے جانے والے فرق کو مثالوں کے ساتھ بیان کر سکیں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ ادبی تحریکات اور رجحانات کسی مخصوص عہد کی سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری صورت حال سے کس طرح وابستہ ہوتے ہیں اور ادب کے موضوع، زبان، اسلوب اور فنی رویوں کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ اس سبق کے ذریعے آپ اردو ادب میں پیدا ہونے والی اہم تحریکات اور رجحانات کی بنیادی شناخت حاصل کریں گے اور ان کے تاریخی تسلسل کو سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ ہر ادبی تحریک کو محض چند ادیبوں کے ناموں یا چند نظریات کی فہرست کے طور پر دیکھنا کافی نہیں، بلکہ اس کے پس منظر، مقاصد، ادبی رویوں اور عہد سے تعلق کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ ادبی رجحان کو کسی باقاعدہ تنظیم کے بجائے کسی خاص دور کی عمومی فکری یا فنی حسیت کے طور پر پہچان سکیں گے۔

1.1 تعارف

ادب اپنے عہد سے الگ کوئی جزیرہ نہیں ہوتا۔ شاعر اور ادیب جس معاشرے میں زندگی گزارتا ہے، وہاں کے حالات، تہذیبی اقدار، سیاسی تبدیلیاں، معاشی مسائل اور فکری کشمکش کسی نہ کسی صورت میں اس کی تخلیقی دنیا میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے صرف شعرا اور ادیبوں کی تصانیف دیکھنا کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ جاننا بھی ضروری ہوتا ہے کہ ان تصانیف کے پیچھے کون سا عہد، کون سی فکری فضا اور کون سے ادبی رویے کارفرما تھے۔ ادبی تحریکات اور رجحانات اسی سلسلے کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ جب کسی مخصوص دور میں متعدد اہل قلم کسی مشترک فکری یا فنی مسئلے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے اظہار کے لیے ایک اجتماعی ادبی شعور پیدا ہوتا ہے تو وہاں تحریک کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف کسی عہد میں کوئی خاص فکری یا فنی میلان مختلف ادیبوں کی تخلیقات میں الگ الگ انداز سے ظاہر ہو تو اسے ادبی رجحان کہا جاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں تحریکات اور رجحانات کا سلسلہ بہت قدیم ہے۔ دکنی ادب میں صوفیانہ اور اخلاقی میلانات، دہلی میں کلاسیکی شعری روایت، لکھنؤ میں تہذیبی اور جمالیاتی نزاکت، فورٹ ولیم کالج کے ذریعے سادہ نثر کا فروغ، پھر سرسید اور علی گڑھ کی اصلاحی و عقلی فکر، رومانوی رجحان، ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور نسائی ادب کے مباحث یہ سب اردو ادب کے مختلف فکری اور فنی مراحل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ تاہم ان سب کو ایک ہی نوعیت کی ”تحریک“ کہنا درست نہیں؛ بعض باقاعدہ تحریکیں ہیں، بعض ادبی حلقے یا

اجتماعی کوششیں، اور بعض وسیع تر فکری و فنی رجحانات۔

یہ فرق خاص طور پر اس وقت اہم ہو جاتا ہے جب ہم اردو ادب کی تاریخ کو محض واقعات کی ترتیب کے بجائے ایک مسلسل فکری سفر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر علی گڑھ تحریک کے پیچھے 1857ء کے بعد کے حالات، مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی اور جدید علوم کی ضرورت کا احساس موجود تھا۔ ترقی پسند تحریک کے پس منظر میں نوآبادیاتی نظام، طبقاتی ناہمواری، آزادی کی جدوجہد اور دنیا بھر میں پیدا ہونے والی سماجی تبدیلیاں تھیں۔ جدیدیت نے بدلتے ہوئے انسان کے داخلی مسائل، تنہائی اور وجودی بے یقینی کو نمایاں کیا، جبکہ مابعد جدیدیت نے مرکزیت، قطعی معنی اور ایک ہی حتمی تعبیر جیسے تصورات پر نئے سوالات اٹھائے۔ اس طرح ادبی تحریکات اور رجحانات کو سمجھنا دراصل ادب کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے اسباب کو سمجھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی تحریک کے مطالعے میں اس کے تاریخی پس منظر، بنیادی نظریات، نمائندہ اہل قلم اور ادبی اثرات کو ایک ساتھ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

1.2 ادبی تحریکات اور رجحانات کا مفہوم اور فکری پس منظر

ادبی تحریک اور ادبی رجحان دونوں ایسی اصطلاحیں ہیں جو ادب کے اجتماعی مزاج اور اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ دونوں میں باہمی تعلق ضرور ہے، لیکن دونوں کا مفہوم ایک نہیں۔ تحریک میں عموماً اجتماعی شعور، واضح فکری سمت اور کسی مقصد کی طرف پیش قدمی کا احساس زیادہ نمایاں ہوتا ہے، جب کہ رجحان کسی عہد میں پیدا ہونے والے عمومی فکری، جمالیاتی یا فنی میلان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اردو ادب میں تحریکات کے ظہور کو اس کے تاریخی حالات سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ 1857ء کے بعد برصغیر کی سیاسی اور تہذیبی صورت حال میں بنیادی تبدیلیاں آئیں۔ سرسید احمد خان نے جدید تعلیم اور اصلاح معاشرہ کو اپنی فکری سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ 1875ء میں مجڈن اینگلو اور نینل کالج، علی گڑھ کا قیام اسی سلسلے کا اہم واقعہ تھا۔ اس ماحول نے اردو نثر اور تنقید میں اصلاح، عقلیت اور جدید شعور کو فروغ دیا۔ اس سے پہلے بھی اردو ادب میں مختلف فکری اور فنی میلانات موجود تھے۔ دکنی شاعری میں صوفیانہ اور روحانی مضامین کی فراوانی تھی۔ کلاسیکی دور میں دہلی کے شعرا کے ہاں سادگی، داخلیت اور فکری گہرائی نمایاں رہی، جبکہ لکھنؤ میں زبان و بیان کی نزاکت، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور جمالیاتی اظہار کو زیادہ اہمیت ملی۔ یہ سب کسی باقاعدہ ”تحریک“ کے منشور کے تحت نہیں تھا، لیکن ان میں اپنے اپنے عہد کے نمایاں ادبی رجحانات ضرور موجود تھے۔

انیسویں صدی میں اردو نثر کی تشکیل کے سلسلے میں نورث ولیم کالج، کلکتہ کا قیام 1800ء ایک اہم تاریخی واقعہ تھا۔ میرامن کی باغ و بہار جیسی تصنیف نے سادہ اور رواں نثر کی مثال پیش کی۔ اسے باقاعدہ ادبی تحریک کہنا درست نہیں، لیکن اردو نثر کی جدید تشکیل میں اس ادارے کی خدمات نے بعد کی ادبی صورتِ حال کے لیے بنیاد ضرور فراہم کی۔ اسی طرح رومانوی رجحان کو دیکھیں تو اس میں فرد، جذبات، تخیل، حسن، فطرت اور محبت کی اہمیت بڑھتی ہے۔ اردو میں اختر شیرانی، حسرت موہانی اور فراق گورکھپوری کے یہاں اس رجحان کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ لیکن ان تمام شعرا کو ایک ہی منظم تحریک کا رکن قرار دینا مناسب نہیں۔ یہی مثال تحریک اور رجحان کے فرق کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ بیسویں صدی میں ادبی تحریکات زیادہ واضح اجتماعی صورت اختیار کرتی ہیں۔ 1936ء میں لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس اس سلسلے کا اہم واقعہ ہے۔ اس کانفرنس کی صدارت منشی پریم چند نے کی۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کے سماجی کردار کو اہمیت دی اور عام انسان، مزدور، کسان، عورت، غربت، استحصال اور آزادی جیسے مسائل کو ادبی موضوع بنایا۔ حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی نشستوں نے دوسری طرف فنی آزادی اور جمالیاتی شعور کو اہمیت دی۔ جدید شاعری کے فروغ میں اس ادبی ماحول کا کردار اہم رہا۔ ن۔م۔راشد اور میراجی جیسے شعرا نے روایتی اظہار سے مختلف شعری امکانات پیدا کیے۔ اس کے بعد جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے مباحث نے اردو ادب کی فکری سمتوں کو مزید پیچیدہ اور وسیع کیا۔ جدیدیت میں فرد، داخلی شعور، تنہائی اور وجودی مسائل نمایاں ہوئے، جبکہ مابعد جدیدیت نے کثرتِ معنی، تکثیریت، بین المتونیت اور مختلف ثقافتی حوالوں کو اہمیت دی۔ اس طرح اردو ادب میں تحریک اور رجحان کا تصور مسلسل بدلتے ہوئے عہد کے ساتھ نئی معنویت حاصل کرتا رہا۔

1.2.1 سرگرمی 1 آواپنی معلومات جانچیں

عزیز طلبہ و طالبات آئیے ایک لمحے کے لئے رُکیں اب جبکہ آپ نے ادبی تحریکات اور رجحانات کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے۔ تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لئے کچھ وقت نکال لیں۔

درست جواب منتخب کیجیے:

1۔ ادبی تحریک عموماً کس نوعیت کی ادبی کوشش ہوتی ہے؟

الف۔ انفرادی ب۔ اجتماعی اور منظم

ج۔ صرف تفریحی د۔ غیر ادبی

2۔ ادبی رجحان سے کیا مراد ہے؟

الف۔ کسی خاص عہد کا فکری یا فنی میلان ب۔ ایک ادبی تنظیم

ج۔ ایک ادبی رسالہ د۔ ایک ادبی کانفرنس

3۔ فورٹ ولیم کالج کا قیام کس سال ہوا؟

الف۔ 1757ء ب۔ 1800ء

ج۔ 1857ء د۔ 1875ء

4۔ محمدن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ کا قیام کس سال ہوا؟

الف۔ 1869ء ب۔ 1875ء

ج۔ 1885ء د۔ 1893ء

5۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کس سال منعقد ہوئی؟

الف۔ 1920ء ب۔ 1936ء

ج۔ 1941ء د۔ 1947ء

1.2.1 تحریک کی تعریف اور خصوصیات

تحریک کے لغوی معنی حرکت دینے، کوشش کرنے، محنت اور جدوجہد کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں تحریک ایک اصولی، نظریاتی اور با مقصد جدوجہد و مشن کا نام ہے۔ تحریک کی کوئی بھی نوعیت ہو سکتی ہے۔ وہ سماجی ہو سکتی ہے، علاقائی ولسانی بھی، حصول حقوق اور جمہوری نظام میں مساوات کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اپنی زمینوں، پہاڑوں، قدرتی وسائل کے تحفظ کی خاطر بھی، مگر ہماری تحریک ادبی تحریک ہے اور اس کے متعلق ذیل کی سطور میں گفتگو کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: کسی بھی تحریک کے لیے پہلی لازمی اور بنیادی چیز مستحکم نظریہ اور مربوط خیال ہوتا ہے۔ نظریہ و خیال ہی وہ اصل اشیا ہیں جن پر ایک تحریک کے قیام و دوام کا دار و مدار ہوتا ہے اور اس کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ ایک حقیقی تحریک مختلف اجزا کا مرکب ہوتی ہے۔ کوئی تحریک جو بنیادی اجزائے ترکیبی سے محروم ہو وہ کسی بھی صورت تحریک نہیں کہلائی جاسکتی۔

ایک حقیقی اور مکمل تحریک کے لیے لازم ہے کہ اس کی بنیاد کسی ٹھوس نظریے پر ہو اور تمام تر کوشش اس نظریے کے پرچار اور اس نظریہ کو عملی شکل میں رائج کرنے کے لئے ہو۔ حقائق اس کے شاہد ہیں کہ دنیا میں جتنی بھی تحریکیں چلی ہیں، ان سب کی بنیاد ایک ٹھوس اور اہل نظریے پر ہی تھی۔ مثلاً آج اگر کوئی ڈارون ازم کا قائل ہے تو اس کی بنیاد ڈارون کے تصور ارتقا پر ہے، اگر کوئی مزدور راج کے لیے کوشاں ہے تو اس کی بنیاد کارل مارکس کے معاشی نظریے پر ہے۔ اگر کسی اصلاحی تحریک نے جنم لیا تو اس کا نظریہ مذہبی تعلیمات رہی ہیں۔ وغیرہ! تحریک کے لیے دوسری بنیادی چیز ایک ایسا دستور ہے جس پر سے نہ صرف یہ کہ تحریک کا آغاز ہوتا ہے بلکہ تحریک کو منظم طور پر چلایا جاتا ہے۔ ایک ایسی جماعت کے لیے پہلے پہل تو لازم ہے اس جماعت کے اپنے قائدین اور اراکین خالص اور مضبوط نظریاتی افراد ہوں جنہیں نہ صرف نظریے کی مکمل سمجھ ہو بلکہ نظریے کی صداقت و عمل کاری پر بھی کامل یقین ہو نظریے کی شرح پر بھی عبور ہو اور وہ قیادت کے بھی اہل ہوں۔ جماعت پر دوسری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو صحیح معنی میں نظریے کی سمجھ بوجھ عطا کرے، ان کی مکمل تربیت کرے، ان کے اندر جہد و جہد کا مادہ پیدا کرے اور بقول اقبال ”ایک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو“ کے مصداق ان میں ایک تازہ ولولہ پیدا کرے۔ کوئی بھی تحریک پہلے رجحان کی شکل میں سامنے آتی ہے اور پھر وہ باضابطہ تحریک کی شکل اختیار کرتی ہے۔ تحریک کے لئے:

(1) کسی محرک کا وجود ناگزیر ہے

(2) تحریک کے لیے کچھ لوگوں کا متاثر ہونا ضروری ہے

(3) تحریک کی ایک سمت ہوگی، مقصد ہوگا اور حصول مقصد کے بعد تحریک کوئی دوسری شکل اختیار کر لے گی۔

اس اعتبار سے سیاست ہو یا سماجیات یا معاشیات تحریکوں کا وجود ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کچھ تحریکیں ایسی ہوتی ہیں جن کا مقصد متعین ہوتا ہے اور جو زمانی اقدار کی پابند ہوتی ہیں اور اس کے بعد ختم ہو جاتی ہیں مثلاً تحریک آزادی ہند جو 15 اگست 1947 کے بعد ختم ہو گئی اس لیے کہ مقصد حاصل ہو گیا۔ زمانے کے ایک خاص نکتے پر پہنچ کر حصول مقصد کے بعد یہ تحریک اپنی کوئی معنویت نہیں رکھتی لیکن تحریک تعلیم بالغان مسلسل تحریک ہے اور اسے زمانی تعین کا رین منت نہیں ہونا پڑے گا اس لیے کہ بہر حال سماج میں ہمیشہ ایسے افراد ہوں گے جو بالغ ہوں اور تعلیم کے بغیر رہ جائیں۔ اب ایسی صورت میں اگر ادب پر منطبق کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ادبی تحریکیں بھی ایک خاص مقصد کے حصول کے تحت شروع کی جاتی ہیں۔ ادبی تحریک کا یقیناً ایک نقطہ آغاز ہوتا ہے لیکن تحریک کی شکل بہت پہلے سے بنے لگتی ہے مثلاً سرسید تحریک انیسویں صدی کی ساتویں آٹھویں دہائی میں وجود میں آئی لیکن بہت پہلے غالب کہہ چکے تھے:

صاحبان انگلستان را نگر

ہند را صد گو نہ آئیں بستہ اند

اور اس سے پہلے بھی اردو ادب میں دھیرے دھیرے مغربی اثرات داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ میرامن ”باغ و بہار“ کے دیباچے میں اور انشا اپنے قصائد میں مغربی اثرات کی نشاندہی کر چکے تھے۔ چونکہ ادبی تحریک میں سیاست یا معاشیات کی طرح کسی ٹھوس شے کا حصول مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کی اساس ذہنی ہوتی ہے اس لیے ادب میں تحریک بالکل ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک رجحان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رجحان سے تحریک بنتی ہے اور پھر رجحان ہی پر منبج ہوتی ہے۔ رجحانات و تحریکات کا تجزیہ کرنے کے بعد جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) تحریک عارضی اور لحاتی ہوتی ہے جب کہ رجحان پائیدار حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) دونوں کے درمیان ایک دلچسپ رشتہ ہوتا ہے یعنی رجحان کبھی کبھی تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور تحریک اپنے دور زوال میں رجحان بن جاتی ہے۔

(۳) تحریک یا رجحان کے پس منظر میں سماجی اسباب کار فرما ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ادبی تحریکات کے محرکات میں سیاست کی بھی کار فرمائی ہوتی ہے۔

(۴) ہر دور اور ہر زمانے میں تحریکیں اور رجحانات کے نام بھی مختلف ہو سکتے ہیں اور ایک ہی نام کے باوجود ان کی نوعیتیں اور ان کی معنویت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔

(۵) یورپ میں تحریکات کا اثر جو کچھ ہو رہا ہے اور جس طرح انھوں نے رجحان کی شکل اختیار کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی تخلیق کار پر کلاسیکیت یا رومانیت کا مکمل لیبل نہیں لگایا جاسکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر الفاظ کے رکھ رکھاؤ میں شائستگی اور اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے تو پھر اس کا تخلیق کار کے ہاں جذباتی آرزو مندی یا پرانی دنیا کو ترک کر کے نئی دنیا کی تعمیر کا حوصلہ نہیں ملے گا۔ دراصل تحریک ہو یا رجحان، اگر اس میں روایات کا تسلسل ہوتا ہے اور اس کی جڑیں تہذیبی زندگی میں پیوست ہوتی ہیں تو اس میں توسیع بھی ہوتی ہے اور نئے نئے امکانات کے ارتقائی عمل کو پیش کرنے کا ہنر بھی۔ اس وجہ سے یورپ میں رومانیت پسندوں نے ایسی اصناف بازیافت کی جو فردوس گم شدہ بن گئی تھیں۔

ہر تحریک کو اس کے اپنے اور قابل ساخت معنی سے نوازا جاتا ہے، عام طور پر مکالمے میں اس وقت کی ادبی روایت کے خلاف یا اس

وقت کی عمومی روح کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحریک کچھ اصولوں یا بنیادوں پر چلتی ہے جو اس کے مصنفین کے اشتراک سے ہے، حالانکہ انفرادی طور پر اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لازمی طور پر متفق تھے، ایک دوسرے کو جانتے تھے یا اس وقت محسوس کرتے تھے کہ وہ اسی نظام کا حصہ تھے۔ اگرچہ یہ کچھ معاملات میں ہوتا ہے، عام طور پر یہ امتیازی خصوصیات وہ اصطلاحات ہیں جن کے ساتھ ماہرین ادب کی تاریخ اور تشریح کو ترتیب دیتے ہیں۔ ادبی تحریکیں ادب کو اسی طرح کی فلسفیانہ، سماجیاتی یا جمالیاتی خصوصیات کے زمروں میں تقسیم کرنے کا ایک طریقہ ہے، جیسا کہ صنف یا مدت کے لحاظ سے تقسیم کے برخلاف دیگر زمروں کی طرح، ادبی تحریکیں ادبی کاموں کا موازنہ اور بحث کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان کے اسلوب پسندانہ انتخاب سے آگاہ کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ یہ تحریکیں عام طور پر عالمی واقعات کی عکاسی کرتی ہیں جیسے جنگیں، معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلی، یا اقتدار میں تبدیلی۔ جب آپ کوئی ایسی ادبی تحریر پڑھتے ہیں جو کسی تحریک کی نمائندہ ہوتی ہے۔ تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ اکثر، ادبی تحریکیں ایک بڑی فنکارانہ تحریک کے اندر موجود ہوتی ہیں جس میں موسیقی، بصری فن، قلم اور تحریر سبھی کچھ اسی طرح کے فلسفے کی پیروی کرتے ہیں۔ مختلف حرکات کو سمجھنے سے ہمیں ان مصنفین اور ان کے کارناموں کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جن سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں نیز رہنمائی کرنے والے نظریات فراہم کر سکتے ہیں جنہیں، آپ اپنے کام کو بڑھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

تحریک کے اسباب و علل خود اس کے لفظ میں موجود ہیں۔ تحریک یعنی حرکت، عمل، جدوجہد، کوشش، جمود کا بہاؤ، ہلچل، محنت وغیرہ چنانچہ جب کسی قوم کسی جماعت یا گروہ کو خیال آتا ہے کہ اسے اپنے موجودہ ڈھانچے کو تبدیل کرنا ہے تو اس کا باشعور اور دنیا جہان کا تجربہ رکھنے والا طبقہ، عالمی سطح کی خبر اور حالات سے واقفیت رکھتے ہوئے تحریک جیسا عمل برپا کرتا ہے۔ اسے ابتدا میں اپنے مشن میں یقیناً دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں، مخالفتوں اور تنقیدوں کے تیروں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اور نشتر زار سوالات کے جوابات بھی دینے ہوتے ہیں تاہم وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کی قوم و مشن کامیاب ہو جاتے ہیں تحریک انسانی زندگی کو تبدیل کرنے اور اس کی کاپی لٹ کرنے کی خاطر سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ وقت اور لیل و نہار کی گردش و پرورش سے عالمی سطح پر ایک تبدیلی اور انقلاب سراٹھاتا ہے اور کئی جغرافیوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیتا ہے، اس کی کامیابی اور کامرانی دیکھ کر بھی کچھ قوموں اور ملتوں میں زندگی پیدا ہو جاتی اور وہ انقلابی تحریک کے کارواں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تحریک کے اسباب و علل میں (جس وقت یہ تحریک اٹھتی ہے) اس وقت کے سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی، اقتصادی، مرکز سے دوری جیسے اسباب بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان منتشر اجزا کو دوبارہ ترتیب دینے یا اس نظام کو ہی مکمل تبدیل کر دینے کی غرض سے جو عمل و کوششیں بروئے کار لائی جاتی ہیں، وہ ہی تحریک کی محرک یا اصل تحریک بن جاتی ہیں۔

جب ہم اردو ادب کی قابل ذکر تحریک ترقی پسند تحریک یا انجمن ترقی پسند مصنفین، جیسی تحریکات کے اسباب و علل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں سجاد ظہیر کی مندرجہ ذیل تحریر سے روشنی اور رہنمائی ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”میسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک میں سماجی اصلاح (سوشل ریفارم) کے علاوہ سیاسی اصلاح کا مطالبہ بھی واضح طور سے درمیانی طبقے کے دماغوں میں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ نیز بنگال اور مہاراشٹر میں ہندوؤں جو انوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ بیرونی حکمرانوں کے خلاف دہشت انگیزی کے حربے استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن اعتدال پسند اور انتہا پسند دونوں نظریوں میں ان ہی دو تخیلوں کا میل تھا جو اس کے پہلے کی تحریکوں کی نمایاں خصوصیت تھی۔ یعنی ایک طرف احیا پرستی تو دوسری طرف مغربی جمہوری تخیل۔ بنگال اور مہاراشٹر کے ہندوؤں جو انوں کے دینی رہنما ر بند و گھوش اور بال گنگا دھر تلک تھے جو ہندو مذہبی خیالات کی بنا پر لوگوں میں قومی آزادی کے جذبے کو بیدار کرتے تھے۔“

انقلاب اور تحریک کے اصل محرک اور داعی، اسی طرح سپہ سالار نو جوان ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے ہی سروں میں سرفروشی کی تمنا جاگتی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی قوم اور طبقے کا اصل سرمایہ نو جوان ہی ہوتے ہیں۔ لہذا وہی تحریک جیسے امور اور مشنز کو کامیابی سے ہم کنار کر سکتے ہیں اور انھیں فروغ بھی دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سجاد ظہیر رقم طراز ہیں:

”36-1935 کے قریب کا زمانہ ہمارے ملک کے نو جوانوں، دانشوروں کے لیے بہت بڑی ذہنی چھان بین، کھوج تبدیلیوں اور زندگی کی نئی راہیں دریافت کرنے کا زمانہ تھا۔ نو جوان اس تلاش میں تھے کہ خدا ترسی، سادگی، انصاف، سچائی، اخوت اور مساوات کی اقدار کو اپنائے جو ہمارے بزرگوں کی عظمت کا بنیادی سبب تھیں، دوبارہ زندہ کرنے اور پھیلانے کا طریقہ کیا تھا؟

اس سوال کا جواب دو طریقوں سے دیا جاتا تھا... اصلاح اور تعلیم۔ یعنی اول تو ہم اپنے مذہبی عقائد اور سماجی رسوم میں ایسی اصلاح کریں جو مغرب کے جدید خیالات کی روشنی میں دقیقانوسی اور بعد از معلوم نہ ہوں اور دوسرا طریقہ جدید تعلیم کا زیادہ سے زیادہ حصول ہے۔

اگر ایک طرف اپنے عقائد اور اپنے ماضی کی تاریخ کو اس نئے طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی تو

دوسری طرف اس بات پر بھی زور دیا جاتا تھا کہ ہم انگریزی اسکولز اور کالجز میں جدید تعلیم حاصل کریں۔“

اس طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحریکات کے اسباب و عوامل قومی و عوامی اصلاح اور قوموں کے یکساں ڈھروں میں تبدیلی اور انقلابی عمل اور کوششیں ہوتی ہیں۔ جن کا مقصد بگاڑ میں سدھار اور خرابی میں اچھائی، اسی طرح تخریب میں تعمیر ہوتا ہے۔ تحریک کا بنیادی کام جمود کو توڑنا اور ٹھہرے ہوئے پانی میں ہلچل مچا دینا ہے۔ اگر اس حقیقت کو ادبی تناظر میں دیکھیں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ادب میں جب ایک طویل عرصے تک خیالات، اسلوب، ہیئت اور لفظیات کی سطح پر یکسانیت جاری رہے تو ایسے حالات میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ کسی نئی تحریک کے ذریعے ادب کے ٹھہرے ہوئے پانی میں ارتعاش پیدا کیا جائے۔ ادبی تحریک اپنے سامنے دیگر تحریکوں کی طرح ایک واضح نصب العین رکھتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

”ادبی تحریک فی الاصل ادب کے جمود کو توڑنے اور اس کی کہنگی کو زائل کر کے تنوع اور نیرنگی پیدا کرنے کا عمل ہے۔“

تحریکات برپا کرنے کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے وہ اپنے معاصر حالات، معاشروں، سماجوں، نظام (سیاسی و معاشی) وغیرہ کی ناہمواریوں کو نشانہ بناتے ہوئے ان کی درنگی کی تلقین کرتی ہیں، اسی طرح لوگوں کو مستقبل کی استواری کے صاف آئینے دکھاتی ہیں۔ معاً وہ نیارول ماڈل بھی پیش کرتی ہیں جس سے قدیم ڈھانچے کی جگہ جدید اور معاصر سہولیات سے لیس دیدہ زیب عمارت تعمیر ہو سکے۔

تحریک کی اہمیت اور افادیت

کسی بھی ادب مشن، جماعتی کارکردگی اور مہم کے لیے تحریک روح اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُس مہم، مشن، ادب اور جماعتی کارکردگی کو نہ تو اس کے یعنی تحریک کے بغیر کامیابی ملنی مشکل ہے بلکہ مقصد کا حصول بھی ناممکن ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ابتدا میں نہایت جوش و خروش اور تزک و احتشام سے کسی مہم اور مقصد کا آغاز ہوتا ہے؛ افراد و اس سے وابستہ ہوتے ہیں اور اس کی خاطر خواہ حمایت بھی ہوتی ہے مگر کچھ عرصہ بعد نہ وہ مہم ہی رہتی اور مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے اس میں تحریک جیسا اہم عنصر شامل نہیں ہوتا جو ان کے تن مردہ میں روح بن کر دوڑے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نظریات و خیالات کی اشاعت تحریک کے دوش پر ہی ممکن ہے۔ نیز تحریک ہی وہ ذریعہ ہے جو اسے عوام و خواص اور ان افراد تک پہنچا سکتی ہے جو ان نظریات و خیالات اور مقاصد کے اہداف ہیں۔ یوں تحریک کی اہمیت و افادیت کا انداز دلا گیا جاسکتا ہے۔ تحریک کی اہمیت و افادیت ان معنوں میں بھی ہے کہ چوں کہ اس کا اولین ہدف ادب ہوتا ہے اور ادب سماج کا آئینہ و ترجمان تحریک چوں کہ کسی نہ کسی رنگ اور طرح سے عوام و سماج کو متاثر کرتی ہے اور ان کی ڈگر موڑتی ہے۔ لہذا اس کی ضرورت دو چند ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تحریک

ادب اور عوام کو خواب غفلت سے بیدار کرتی ہے اور ان دونوں کو با مقصد بنانے کی کوشش بھی کرتی ہے۔

تحریک خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی وہ ادب کے جمود کو توڑ کر اسے فعال اور بار آور بنانے کا کارنامہ انجام دیتی ہے، اسے ہمہ گیری و آفاقیت عطا کرتی ہے، اس کا قد اور مایہ دراز کرتی ہے، اس کا عہدہ و مرتبہ بلند کرتی ہے۔ اس طرح تحریک کا پانی جب ادب اور لسانیات، ارتقائی مہمات و افکار کی سنگلاخ زمینوں پر پڑتا ہے تو ان میں افادیت و عوامی ترسیل و خدمت کے جواہر پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ تحریک سماجی انسلالات و سرو کار سے ہوتے ہوئے ادب تک پہنچتی ہے، باوجود اس کے اس کی قلمرو کا دائرہ اور حلقہ وسیع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ فرد سازی اور فرد کی کل جہات کو اپنی دسترس میں رکھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ جب ہم اردو ادب کی سابقہ اور موجودہ تحریکات و رجحانات اور مہمات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہی نقوش ملتے ہیں اور تحریک اپنے مشن و مہم میں مصروف نظر آتی ہے۔ تحریک کا دورانیہ مختصر بھی ہو سکتا ہے اور طویل المدت بھی۔ دراصل مختصر دورانیہ میں مقصد یا جذبے کی کمیابی کا رفرما ہوتی ہے جب کہ طویل المدت تحریکات عالمی اصولوں کی بنیادوں اور انسانی اقدار و روایات کے تحفظ و بقا کے مقاصد سے لیس ہوتی ہیں، اس لیے وہ ان کے قریب ہوتی ہیں؛ چنانچہ انسانی عدم مساوات، نسلی امتیاز یا مذہبی جذبات کی بنیاد پر چلنے والی تحریکیں عالمگیر اور دیر پا ہوتی ہیں۔ ادبی تحریکات و رجحانات سے مراد ہے ادب میں وقت، حالات اور نئے افکار کے زیر اثر پیدا ہونے والے وہ منظم رجحانات تحریکات اور اجتماعی نظریات جو لکھنے والوں کو روایتی طریقوں سے ہٹ کر نئے اسلوب، موضوعات اور جمالیاتی اقدار اپنانے پر مجبور کریں۔ یہ تحریکیں سماجی، سیاسی یا فکری تبدیلیوں کے نتیجے میں جنم لیتی ہیں۔

ادبی تحریکات کی تعریف اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ ادبی تحریکوں کا بنیادی مقصد ادب کو فرسودہ طریقوں سے نکال کر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے۔ اردو ادب میں کئی اہم تحریکیں گزری ہیں، جن میں علی گڑھ تحریک (اصلاحی)، ترقی پسند تحریک (سماجی حقیقت نگاری)، حلقہ ارباب ذوق (جمالیاتی)، جدیدیت، اوما بعد جدیدیت شامل ہیں۔ یہ تحریکیں ایک خاص دور کے ادبی رجحان کی نمائندگی کرتی ہیں، جیسے کہ ادب میں نئی تاریخیت میں تاریخ اور ادب کے تعلق پر زور دیا گیا۔ اسی طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تحریکیں ادب کی بقا اور ترقی کی دلیل ہوتی ہیں، جو پرانی روایات کو چیلنج کرتی ہیں اور نئی فنی شکلوں کی کھوج لگاتی ہیں

ادبی تحریک کی خصوصیات

ادبی تحریک کی ایک اہم خصوصیت اس کا اجتماعی کردار ہے۔ ایک ادیب کا کسی نئے انداز میں لکھنا بذاتِ خود تحریک پیدا نہیں کرتا۔ تحریک اس وقت زیادہ واضح ہوتی ہے جب کئی ادیبوں کے درمیان کسی مشترک فکری یا فنی تصور کی بنیاد پر تعلق پیدا ہو اور وہ اپنے ادبی نظریات کو آگے

بڑھانے کے لیے اجتماعی سطح پر سرگرم ہوں۔ تحریک کی دوسری خصوصیت مقصدیت ہے۔ ہر تحریک کی مقصدیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ علی گڑھ تحریک میں تعلیم، اصلاح معاشرہ اور عقلی فکر کو اہمیت حاصل تھی، جبکہ ترقی پسند تحریک نے سماجی انصاف، انسانی آزادی اور استحصال کے خلاف آواز کو اہم سمجھا۔ اسی طرح بعض ادبی تحریکوں میں فنی آزادی اور جمالیاتی شعور کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ تحریک کی تیسری اہم خصوصیت تاریخی پس منظر ہے۔ کوئی بھی ادبی تحریک خلا میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے پیچھے کسی نہ کسی عہد کی ضرورت، بحران یا فکری تبدیلی موجود ہوتی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے لیے 1930ء کی دہائی کا سیاسی اور سماجی ماحول اہم تھا، جب کہ علی گڑھ تحریک کو 1857ء کے بعد کی ہندوستانی صورت حال سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھی خصوصیت ادبی اظہار میں تبدیلی ہے۔ تحریکیں صرف نظری گفتگو تک محدود نہیں رہتیں بلکہ تخلیقات کے موضوعات، زبان، اسلوب اور ہیئت کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے اثر سے افسانے میں عام انسان کے مسائل اور شاعری میں اجتماعی زندگی کے موضوعات نمایاں ہوئے۔ جدید ادبی رجحانات کے زیر اثر علامت، تجرید اور آزاد نظم جیسے فنی طریقوں کو تقویت ملی۔ تحریکوں کے فروغ میں رسائل، انجمنیں، ادبی نشستیں اور کانفرنسیں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنسیں اور حلقہ؟ ارباب ذوق کی نشستیں اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اسی طرح جدید ادبی مباحث میں رسائل نے نئی تخلیقات اور نظری گفتگو کو قارئین تک پہنچانے کا کام کیا۔ ادبی تحریک ہمیشہ مکمل یکسانیت پیدا نہیں کرتی۔ ایک ہی تحریک سے وابستہ ادیب اپنے فنی مزاج، زبان اور تخلیقی تجربے کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ فیض، کرشن چندر، بیدی اور عصمت چغتائی کے موضوعات اور اسالیب ایک جیسے نہیں، لیکن ان کے ہاں سماجی زندگی اور انسانی مسائل سے گہری وابستگی مشترک ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ادبی تحریک کو مستقل اور قطعی حدود میں بند نہ کیا جائے۔ بعض اوقات ایک ادیب پر ایک سے زیادہ فکری اثرات ہوتے ہیں اور کسی تحریک کے اثرات اس کے رسمی دور کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اسی لیے ادبی تحریک کا مطالعہ اس کے منشور سے زیادہ اس کی تخلیقی پیداوار اور تاریخی اثرات کے ساتھ کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔

1.3.1 ادبی رجحان کی تعریف اور خصوصیات

”رجحان“ سے مراد کسی خاص سمت کی طرف میلان یا جھکاؤ ہے۔ ادبی اصطلاح میں ادبی رجحان کسی عہد میں شاعری، افسانے، ناول، تنقید یا دوسری اصناف کے اندر پیدا ہونے والے ایسے عمومی فکری یا فنی میلان کو کہتے ہیں جو متعدد تخلیق کاروں کے کام میں مختلف صورتوں سے ظاہر

ہو۔ رجحان کے لیے کسی باقاعدہ تنظیم، منشور یا رکنیت کا ہونا ضروری نہیں۔ ادبی رجحان عموماً تدریجی طور پر تشکیل پاتا ہے۔ ایک مخصوص دور میں جب مختلف ادیب یکساں نوعیت کے تجربات، موضوعات یا فنی طریقوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے مجموعی کام سے ایک رجحان کی شناخت پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر رومانوی رجحان میں محبت، حسن، فطرت اور تخیل کی طرف میلان مختلف شعرا کے ہاں الگ الگ صورتوں میں نظر آتا ہے۔ رجحان کی ایک بنیادی خصوصیت تنوع ہے۔ ایک ہی رجحان سے متاثر ہونے والے تمام ادیب ایک جیسے نہیں لکھتے۔ ان کے ذاتی تجربات، زبان، فنی صلاحیت اور تہذیبی پس منظر مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رجحان کو کسی سخت نظریاتی سانچے کے بجائے ایک وسیع ادبی میلان کے طور پر دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

ادبی رجحان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ بسا اوقات ایک سے زیادہ ادوار میں موجود رہ سکتا ہے۔ کسی رجحان کے اثرات کسی خاص دور میں زیادہ نمایاں ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے عناصر بعد کی ادبی تخلیقات میں بھی باقی رہتے ہیں۔ مثلاً اصلاحی، رومانوی، حقیقت پسندانہ، علامتی اور نفسیاتی رجحانات مختلف ادوار میں نئی صورتوں کے ساتھ سامنے آتے رہے ہیں۔ رجحان کسی تحریک کے اندر بھی پیدا ہو سکتا ہے اور تحریک کے ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہ سکتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بعد بھی سماجی حقیقت نگاری اردو ادب میں ایک اہم رجحان کے طور پر موجود رہی۔ اسی طرح جدیدیت کے بعد بھی فرد کی داخلی زندگی، علامت اور نفسیاتی تجربے سے متعلق فنی رویے ختم نہیں ہوئے۔ اردو ادب میں مختلف رجحانات کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اصلاحی رجحان، رومانوی رجحان، حقیقت نگاری، جمالیاتی رجحان، نفسیاتی رجحان، علامتی رجحان، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور نسائی شعور کو مختلف تاریخی اور تنقیدی سیاق میں ادبی رجحانات کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ ان سب کی نوعیت یکساں نہیں اور ہر اصطلاح کے تاریخی استعمال کا الگ پس منظر ہے۔

ادبی رجحان کی شناخت عموماً تخلیقات کے مطالعے سے ہوتی ہے۔ جب کسی دور کی متعدد تخلیقات میں بار بار ایک جیسے موضوعات، احساسات، فنی طریقے یا فکری سوالات سامنے آئیں تو ناقدین اس عمومی میلان کو ایک رجحان کا نام دیتے ہیں۔ اس لیے رجحان صرف مصنف کے بیان کردہ نظریے کا نام نہیں بلکہ اس کی تخلیقی پیداوار سے بھی اخذ کیا جاتا ہے۔ تحریک اور رجحان میں یہی بنیادی فرق ہے کہ تحریک زیادہ واضح اجتماعی اور مقصدی صورت رکھتی ہے، جبکہ رجحان وسیع تر اور نسبتاً غیر رسمی فکری یا فنی میلان ہوتا ہے۔ تاہم دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ کسی رجحان کے مضبوط ہونے سے تحریک کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور کسی تحریک کے اثرات بعد میں مختلف رجحانات میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے ادبی رجحان ادب کی زندہ اور مسلسل بدلتی ہوئی حیثیت کا اظہار ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کسی خاص زمانے میں ادیب کس

طرح سوچ رہے تھے، کن مسائل کو اہم سمجھ رہے تھے اور کن فنی طریقوں کے ذریعے اپنے تجربات کو بیان کر رہے تھے۔ یوں تحریک اور رجحان دونوں مل کر اردو ادب کے تاریخی اور فکری سفر کو سمجھنے میں بنیادی مدد فراہم کرتے ہیں۔

1.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست یا غلط کی نشان دہی کیجیے:

- 1- ادبی تحریک کے لیے اجتماعی شعور اور کسی واضح مقصد کی اہمیت ہوتی ہے۔
- 2- ادبی رجحان کے لیے کسی باقاعدہ تنظیم یا منشور کا ہونا لازمی ہے۔
- 3- ایک ہی ادبی رجحان مختلف ادیبوں کے ہاں مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے۔
- 4- ہر ادبی تحریک کے تمام ادیبوں کا اسلوب بالکل یکساں ہوتا ہے۔
- 5- ادبی تحریکات اور رجحانات ادب کے موضوعات اور اسلوب کو متاثر کرتے ہیں۔

1.4 عمومی جائزہ

ادبی تحریکات اور رجحانات کا مطالعہ اردو ادب کی تاریخ کو محض ادیبوں، کتابوں اور ادبی ادوار کی فہرست کے طور پر دیکھنے کے بجائے اس کے فکری اور تہذیبی ارتقا کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ادب اپنے عہد کی زندگی سے وابستہ ہوتا ہے؛ اس لیے جب معاشرے کے سیاسی، سماجی، علمی یا تہذیبی حالات میں تبدیلی آتی ہے تو اس کے اثرات ادبی فکر اور تخلیقی اظہار میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ ادبی تحریکات اور رجحانات اسی تبدیلی کے مختلف مرحلوں اور صورتوں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس سبق میں واضح ہوا کہ ادبی تحریک اور ادبی رجحان ایک دوسرے سے متعلق ہونے کے باوجود مترادف نہیں ہیں۔ تحریک عموماً کسی واضح فکری یا فنی مقصد کے تحت پیدا ہونے والی اجتماعی اور نسبتاً منظم ادبی کوشش ہوتی ہے، جبکہ رجحان کسی خاص عہد میں پیدا ہونے والے عمومی فکری، جمالیاتی یا فنی میلان کو کہتے ہیں۔ تحریک میں اجتماعی شعور، مقصد اور تنظیم کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا ہے، جبکہ رجحان مختلف تخلیق کاروں کے ہاں کسی مشترک ادبی حسیت یا میلان کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں مختلف ادوار کے فکری میلانات اور تحریکات نے ادب کو نئی سمتیں عطا کیں۔ کئی ادب میں صوفیانہ اور اخلاقی

میلانات سے لے کر دہلی اور لکھنؤ کے کلاسیکی شعری مزاج تک اردو ادب نے اپنے ماحول کے اثرات قبول کیے۔ فورٹ ولیم کالج کا قیام 1800ء اردو نثر کی تشکیل کے اہم مراحل میں شمار ہوتا ہے، جبکہ 1857ء کے بعد سر سید احمد خان کی اصلاحی اور تعلیمی کوششوں نے اردو ادب میں ایک نئے فکری شعور کو جنم دیا۔ 1875ء میں محمدن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ کا قیام اسی وسیع فکری تبدیلی کا اہم مرحلہ تھا۔ بعد میں 1936ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس نے اردو ادب میں سماجی حقیقت، عوامی زندگی، طبقاتی ناہمواری اور انسانی مسائل کو نمایاں کیا۔ اس کے بعد حلقہ ارباب ذوق کے ادبی ماحول نے فنی آزادی اور جمالیاتی شعور کو تقویت دی۔ جدیدیت نے فرد کے داخلی تجربے، تنہائی، نفسیاتی کشمکش اور وجودی احساس کو اہمیت دی، جبکہ مابعد جدیدیت نے معنی کی کثرت، مختلف بیانیوں، ثقافتی تنوع اور متن کی متعدد قراءتوں کے امکانات کو سامنے رکھا۔

ان تحریکات اور رجحانات کا اثر صرف موضوعات تک محدود نہیں رہا بلکہ زبان، اسلوب، ہیئت اور ادبی اصناف بھی ان سے متاثر ہوئیں۔ اردو نثر میں سادگی اور مقصدیت سے لے کر افسانے میں حقیقت نگاری، شاعری میں آزاد نظم، جدید ادب میں علامت و تجرید اور مابعد جدید ادب میں بین التونیت اور کثرت معنی تک ایک طویل فنی سفر نظر آتا ہے۔ اس سفر میں ادیب نے اپنے عہد کے مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے باطن اور تخلیقی تجربے کو بھی نئے انداز میں بیان کیا۔ یہ بھی اہم ہے کہ کسی تحریک یا رجحان کو ایک مکمل اور جامد تصور سمجھنا درست نہیں۔ ادبی تحریکیں اپنے عہد کے مخصوص مسائل سے پیدا ہوتی ہیں، لیکن ان کے اثرات ان کے رسمی دور کے خاتمے کے بعد بھی باقی رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک ادیب بیک وقت مختلف فکری اور فنی اثرات قبول کر سکتا ہے۔ اس لیے ادبی تاریخ میں تحریکات اور رجحانات کو باہمی تعلق، تسلسل اور اختلاف کے ساتھ پڑھنا زیادہ مفید ہے۔

مختصراً، ادبی تحریکات ادب کو اجتماعی فکری سمت عطا کرتی ہیں، جبکہ ادبی رجحانات کسی عہد کی بدلتی ہوئی ادبی حسیت اور فنی میلان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دونوں نے اردو ادب کو جامد روایت سے نکال کر بدلتے ہوئے انسانی تجربے سے جوڑا اور اس کے موضوعاتی، فکری اور فنی دائرے کو وسیع کیا۔ اردو ادب کی تاریخ کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے تحریکات اور رجحانات کا مطالعہ اسی لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

1.5 فرہنگ

ادب : تخلیقی اظہار

تحریک : منظم جدوجہد

رجحان	:	فکری میلان
معنویت	:	اہمیت و افادیت
مفہوم	:	مطلب
ارتقا	:	تدریجی ترقی
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیق کار	:	ادیب یا شاعر
اجتماعی شعور	:	معاشرے کی مشترکہ سوچ
انفرادی	:	شخص سے متعلق
تہذیب	:	معاشرتی اقدار
ثقافت	:	تمدنی ورثہ
فکر	:	سوچ
نظریہ	:	اصولی تصور
اسلوب	:	اندازِ بیان
جمالیات	:	حسن و خوبصورتی کا شعور
معروضیت	:	غیر جانب داری
تجزیہ	:	باریک بینی سے جائزہ
تنقید	:	خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ
مشاہدہ	:	غور سے دیکھنا
تجربہ	:	عملی علم
شعور	:	آگہی

افادیت :	فائدہ
ترجمانی :	نمائندگی
عکاسی :	تصویر پیش کرنا
تغیر :	تبدیلی
ارتباط :	باہمی تعلق
فکری :	ذہنی
تہذیبی :	تمدنی
معاشرتی :	سماجی
سیاسی :	حکومت اور سیاست سے متعلق
معاشی :	اقتصادی
انفرادیت :	شخصی خصوصیت
اجتماعیت :	اجتماعی پہلو
منشور :	اصول و مقاصد کا بیان
اصلاح :	بہتری
روایت :	چلی آنے والی رسم یا طریقہ
تسلسل :	مسلسل جاری رہنا
وسعت :	پھیلاؤ
ارتقائی :	تدریجی ترقی سے متعلق

1.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- 1- ادبی تحریکات اور رجحانات کے مفہوم، تعریف اور معنویت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- 2- ادبی تحریک اور ادبی رجحان کی تعریف کرتے ہوئے دونوں کی خصوصیات اور اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
- 3- ادبی تحریکات کے وجود میں آنے کے اسباب اور ادبی رجحانات کی تشکیل کے عوامل کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- 4- ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق کے تناظر میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی اہمیت بیان کیجیے۔
- 5- اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکات اور رجحانات کے کردار پر تنقیدی مضمون تحریر کیجیے۔
- 6- ادبی تحریک اور ادبی رجحان میں فرق کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

1.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ادبی تحریک سے کیا مراد ہے؟
- سوال نمبر 2 ادبی رجحان کی تعریف کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ادبی تحریک اور ادبی رجحان میں فرق بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ادبی تحریکات کے وجود میں آنے کے اہم اسباب بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 5 ادبی رجحانات کی تشکیل کے عوامل پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 6 ادبی تحریکات اور رجحانات کی معنویت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 7 ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کی ترقی میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی اہمیت واضح کیجیے۔

1.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی

سرگرمی: 1

1-ب 2-الف 3-ب

4-ب 5-ب

سرگرمی: 2

1-درست 2-غلط 3-درست

4-غلط 5-درست 6-الف

مشقی سوالات کے جوابات

جواب 1- ادبی تحریک ایسی منظم ادبی کوشش کو کہتے ہیں جو کسی مشترکہ مقصد، نظریے اور فکر کے تحت وجود میں آئے اور ادب کو نئی سمت عطا کرے۔

جواب 2- ادبی رجحان کسی خاص فکر، اسلوب یا موضوع کی طرف ادیبوں کے تدریجی میلان کو کہتے ہیں۔

جواب 3- ادبی تحریک ایک منظم اور مقصدی ادبی عمل ہے، جبکہ ادبی رجحان فطری اور تدریجی انداز میں تشکیل پاتا ہے۔

جواب 4- ادبی تحریکات کے اہم اسباب میں سماجی تبدیلیاں، سیاسی حالات، فکری بیداری، تہذیبی ارتقاء، جدید تعلیم اور معاشی عوامل شامل ہیں۔

جواب 5- ادبی رجحانات کی تشکیل میں معاشرتی حالات، ادیب کا مطالعہ، مشاہدہ، عالمی ادب، تہذیبی اقدار اور نئے فکری تصورات اہم کردار

ادا کرتے ہیں۔

جواب 6- ادبی تحریکات اور رجحانات ادب کو نئی فکر، نئے موضوعات، نئے اسالیب اور تخلیقی وسعت عطا کرتے ہیں، اس لیے ان کی ادبی اہمیت

بہت زیادہ ہے۔

جواب 7- ادب معاشرے کی عکاسی کرتا ہے اور معاشرہ ادب کی فکر، موضوعات اور اسلوب پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، اس لیے دونوں کا

باہمی تعلق نہایت مضبوط ہے۔

جواب 8- ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو فکری، فنی اور موضوعاتی اعتبار سے وسعت دی، جس کے نتیجے میں اردو ادب مسلسل ترقی

اور ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا۔

1.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	: علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر	: ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر	: علی گڑھ میگزین، مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سرسید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سرسید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر ثریا حسین
سرسید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سرسید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سرسید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بہمنی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 2 تحریک اور رجحان میں فرق

- | | |
|-------|--------------------------------------|
| 2.0 | اغراض و مقاصد |
| 2.1 | تعارف |
| 2.2 | تحریک اور رجحان کا تصور |
| 2.2.1 | سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 2.3 | تحریک اور رجحان، مفہوم اور امتیاز |
| 2.3.1 | سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 2.4 | عمومی جائزہ |
| 2.5 | فرہنگ |
| 2.6 | نمونہ برائے امتحانی سوالات |
| 2.7 | مشقی سوالات |
| 2.8 | جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات |
| 2.9 | امدادی کتب |

2.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے مفہوم، نوعیت اور باہمی تعلق کو بہتر انداز میں سمجھنے کے

قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ اگرچہ دونوں اصطلاحات ادب میں ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتی ہیں، لیکن ان کی بنیاد، مقاصد، تشکیل اور اثرات کے اعتبار سے نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اس مطالعے سے آپ میں یہ صلاحیت پیدا ہوگی کہ ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے درمیان بنیادی امتیازات کو واضح انداز میں بیان کر سکیں اور ان کی الگ الگ حیثیت کو علمی بنیادوں پر سمجھ سکیں۔ اس سبق کے ذریعے آپ اس قابل بھی ہو جائیں گے کہ ادبی تحریک کے وجود میں آنے کے اسباب، اس کی فکری بنیاد، اجتماعی کردار اور ادبی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔ اسی طرح آپ ادبی رجحان کی فطری تشکیل، تدریجی ارتقا اور ادبی اہمیت کو بھی سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ ادب میں بعض رجحانات وقت کے ساتھ تحریکوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ بعض تحریکیں نئے رجحانات کو جنم دیتی ہیں۔ اس سبق کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپ ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق کو تحریک اور رجحان کے تناظر میں سمجھ سکیں۔ آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ سماجی، سیاسی، تہذیبی، معاشی اور فکری تبدیلیاں کس طرح ادب پر اثر انداز ہوتی ہیں اور نئے ادبی تصورات کو جنم دیتی ہیں۔ اس مطالعے کے نتیجے میں آپ مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات کا تقابلی مطالعہ کرنے، ان کی خصوصیات کو پہچاننے اور اردو ادب کے ارتقا میں ان کے کردار کا تجزیہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ سبق آپ کے اندر تنقیدی اور تجزیاتی شعور پیدا کرے گا اور آئندہ اسباق میں علی گڑھ تحریک، ترقی پسند تحریک، حلق؟ اور باب ذوق، جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسے موضوعات کو زیادہ گہرائی اور فکری بصیرت کے ساتھ سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

2.1 تعارف

ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت دو اصطلاحات بار بار سامنے آتی ہیں، جنہیں ادبی تحریک اور ادبی رجحان کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات ادب کے ارتقا، اس کی فکری تشکیل اور اس کے تاریخی سفر کو سمجھنے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان دونوں کے درمیان گہری مماثلت محسوس ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں ان کی نوعیت، دائرہ کار، مقاصد اور اثرات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی تنقید میں ان دونوں اصطلاحات کو الگ الگ حیثیت حاصل ہے۔ ادبی تحریک کسی خاص مقصد، نظریے یا اجتماعی فکر کے تحت وجود میں آنے والی منظم ادبی کوشش ہوتی ہے، جبکہ ادبی رجحان ادیبوں کے فکری، فنی اور جمالیاتی میلان کی تدریجی نمائندگی کرتا ہے۔ تحریک میں منصوبہ بندی، مقصدیت اور اجتماعی شعور نمایاں ہوتا ہے، جبکہ رجحان زیادہ تر فطری انداز میں وقت کے ساتھ تشکیل پاتا ہے۔ دونوں ادب کی ترقی اور اس کے ارتقا میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں، لیکن ان کی شناخت اور دائرہ؟ عمل ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں مختلف ادبی

تحریکات اور رجحانات نے زبان و ادب کو نئی فکری جہتیں عطا کی ہیں۔ بعض تحریکوں نے معاشرتی اصلاح، قومی بیداری اور حقیقت نگاری کو فروغ دیا، جبکہ بعض رجحانات نے جمالیاتی احساس، انفرادی تجربات اور جدید انسانی مسائل کو ادب کا موضوع بنایا۔ اس لیے ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے درمیان فرق کو سمجھنا اردو ادب کے سنجیدہ مطالعے کے لیے ناگزیر ہے۔ اس سبق میں ان دونوں اصطلاحات کے تصور، ان کے امتیازات اور ادب میں ان کی اہمیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

2.1 تحریک اور رجحان کا تصور

ادب انسانی زندگی، معاشرے اور تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انسان کے خیالات، احساسات، تجربات اور مشاہدات جس طرح وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح ادب بھی مسلسل ارتقا کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ ادب میں رونما ہونے والی یہ تبدیلیاں کبھی منظم صورت میں سامنے آتی ہیں اور کبھی فطری انداز میں پروان چڑھتی ہیں۔ انہی دو صورتوں کو ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں ان دونوں تصورات نے نہ صرف ادب کی فکری اور فنی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا بلکہ مختلف ادوار کے ادبی مزاج کو بھی متعین کیا۔ تحریک اور رجحان دونوں ادب میں تبدیلی، وسعت اور ارتقا کے مظاہر ہیں، لیکن ان کی تشکیل، نوعیت اور مقاصد میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ ادبی تحریک عموماً کسی واضح نظریے، مقصد یا اجتماعی شعور کے تحت وجود میں آتی ہے، جبکہ ادبی رجحان ادیبوں کے فکری، جمالیاتی اور تخلیقی میلان کے نتیجے میں بتدریج پروان چڑھتا ہے۔ اس لیے ان دونوں اصطلاحات کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے تاکہ ادب کے ارتقائی سفر اور مختلف ادبی ادوار کی صحیح تفہیم حاصل ہو سکے۔

ادبی تحریک سے مراد ایسی منظم ادبی اور فکری کوشش ہے جو کسی خاص مقصد، نظریے یا اجتماعی شعور کے تحت وجود میں آئے۔ اس میں ادیب، شاعر، نقاد اور اہل قلم ایک مشترکہ نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے ادب کی اصلاح، ترقی یا اس کے رخ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر ادبی تحریک اپنے دور کے مخصوص حالات، مسائل اور تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہے، اسی لیے اس کے مقاصد بھی اپنے عہد کے مطابق ہوتے ہیں۔ ادبی تحریک کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے میں کوئی اہم فکری، سماجی، سیاسی یا تہذیبی تبدیلی رونما ہوتی ہے اور اہل قلم محسوس کرتے ہیں کہ ادب کو بھی ان تبدیلیوں کی نمائندگی کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ ایک مشترکہ نظریے کے تحت اپنی تخلیقات کے ذریعے نئے افکار کو فروغ دیتے ہیں۔ یہی اجتماعی شعور آگے چل کر ایک منظم ادبی تحریک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اردو ادب میں علی گڑھ تحریک، ترقی پسند تحریک اور حلقہ

ارباب ذوق اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

ادبی تحریک کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے واضح مقاصد، نمائندہ شخصیات اور مخصوص ادبی نظریات ہوتے ہیں۔ یہی عناصر کسی تحریک کو دوسری تحریک سے ممتاز کرتے ہیں اور ادب کی ترقی میں اس کے کردار کو نمایاں بناتے ہیں۔ ادبی رجحان سے مراد ادب میں پیدا ہونے والا ایسا فکری، فنی یا جمالیاتی میلان ہے جو کسی خاص دور میں متعدد ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات میں نمایاں طور پر نظر آئے۔ یہ کسی باقاعدہ تنظیم، منشور یا منصوبہ بندی کے نتیجے میں وجود میں نہیں آتا بلکہ وقت، حالات، انسانی تجربات اور تخلیقی شعور کے زیر اثر بتدریج تشکیل پاتا ہے۔

ادبی رجحان کی بنیاد زیادہ تر انفرادی تجربات اور فکری میلانات پر ہوتی ہے۔ جب مختلف ادیب تقریباً ایک جیسے موضوعات، اسالیب یا افکار کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہی مشترکہ میلان ایک ادبی رجحان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں کسی رکنیت، تنظیم یا باقاعدہ قیادت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ادیب اپنی آزادانہ تخلیقی صلاحیت کے ساتھ اس رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اردو ادب میں حقیقت نگاری، رومانیت، علامت نگاری، تجریدیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسے رجحانات مختلف ادوار میں نمایاں رہے ہیں۔ ان رجحانات نے ادب کو نئے موضوعات، نئے اسالیب اور نئے فکری زاویے عطا کیے اور اردو ادب کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔

2.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

سوال نمبر 1 ادبی تحریک ایک منظم _____ کوشش ہوتی ہے۔

سوال نمبر 2 ادبی رجحان ادیبوں کے _____ میلان کی نمائندگی کرتا ہے۔

سوال نمبر 3 ادبی تحریک عموماً کسی واضح _____ کے تحت وجود میں آتی ہے۔

سوال نمبر 4 ادبی رجحان بتدریج _____ پاتا ہے۔

سوال نمبر 5 ادبی تحریک میں _____ شعور نمایاں ہوتا ہے

2.3 تحریک اور رجحان کا مفہوم اور امتیاز

ادبی تحریک اور ادبی رجحان اگرچہ ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان کی حقیقت، نوعیت، تشکیل، مقصد اور دائرہ کار میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی تنقید میں ان دونوں اصطلاحات کو الگ الگ حیثیت حاصل ہے۔ ادبی تحریک ایک منظم اور باقاعدہ فکری و ادبی کوشش ہوتی ہے، جبکہ ادبی رجحان ایک تدریجی اور فطری عمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ تحریک میں اجتماعی شعور، واضح مقصد اور مخصوص نظریات کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے، جب کہ رجحان میں کسی خاص طرز فکر یا اسلوب کی طرف اہل قلم کا تدریجی میلان نمایاں ہوتا ہے۔ اردو ادب میں ادبی تحریک اور ادبی رجحان دو ایسی اصطلاحات ہیں جو اکثر ایک ساتھ استعمال ہوتی ہیں، لیکن ان کے درمیان باریک اور واضح فرق موجود ہے۔ ان کو سمجھے بغیر کسی بھی دور کی شعری یا نثری تاریخ کا مطالعہ ادھورار ہوتا ہے۔ رجحان سے مراد وہ فکری یا اسلوبیاتی میلان ہے جو کسی خاص دور کے ادیبوں کی تحریروں میں غیر محسوس طریقے سے ابھرتا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی نہیں ہوتی، بلکہ وقت کے تقاضوں کے تحت پیدا ہونے والی ایک لہر ہوتی ہے۔ اس کا سفر انفرادی سے اجتماعی کی طرف ہوتا ہے یعنی یہ ابتدا میں کسی ایک فنکار کے ہاں نظر آتا ہے اور پھر دوسرے ادیب بھی متاثر ہو کر اسے اپنانے لگتے ہیں۔

رجحان غیر شعوری عمل کا متقاضی ہوتا ہے یعنی رجحان کے پیچھے کوئی باقاعدہ تنظیم یا منشور (Manifesto) نہیں ہوتا۔ رجحان کا پلک دار پہلو یہ ہے کہ وہ وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے یا کسی بڑی تحریک کا حصہ بن جاتا ہے ادبی رجحان ادب (شاعری و نثر) میں کسی مخصوص دور کے دوران ادیبوں اور شاعروں کے خیالات، طرز تحریر، موضوعات اور رویوں کا ایک خاص سمت میں فطری جھکاؤ یا دلچسپی ہے۔ یہ ایک غیر رسمی ذہنی میلان ہوتا ہے جو بدلتے سماجی و فکری حالات کے زیر اثر پیدا ہوتا ہے، جیسے رومانوی، ترقی پسند یا جدید رجحان ادبی رجحان کی اہم خصوصیات: رجحان کی اولین خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت فطری میلان ہے یہ ادیبوں کے شعور یا تحت الشعور سے پیدا ہونے والا ایک فطری رجحان ہے۔ جو اپنے وقت کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ رجحان غیر رسمی سمت اختیار کرتا ہے اور تحریک کے برعکس، رجحان کا کوئی پہلے سے طے شدہ سخت یا باضابطہ منصوبہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک عمومی میلان ہوتا ہے۔ یہ ادب میں تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتا ہے یعنی جب کوئی خاص انداز تحریر (مثلاً ایہام گوئی، رومانوی یا حقیقت نگاری) عام ہو جائے تو وہ ادبی رجحان بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس ادبی تحریک ایک باقاعدہ، تیز رفتار اور مقصد پر مبنی منظم کوشش ہے جس کے اصول اور سمت واضح ہوتے ہیں، جبکہ رجحان

کسی مخصوص دور میں پیدا ہونے والا غیر رسمی جھکاؤ، فیشن یا اندازِ فکر ہوتا ہے۔ تحریک منصوبہ بندی سے چلتی ہے اور رجحان فطری طور پر پروان چڑھتا ہے۔ بعض اوقات رجحان تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ادبی تحریک سے مراد مصنفین اور شعراء کا ایک ایسا منظم گروہی شعور ہے، جو کسی مخصوص دور کے جمود کو توڑ کر پرانی روایات کی جگہ نئے فکری، سماجی اور فنی رجحانات کو فروغ دیتا ہے۔ یہ تحریکیں ادب میں تنوع، حقیقت نگاری اور اصلاحی مقصدیت پیدا کرتی ہیں، جیسے سرسید تحریک یا ترقی پسند تحریک۔ ادبی تحریک کی اہم خصوصیات یہ ہیں کہ ان سے جمود کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ ادب میں کہنگی اور یکسانیت کو زائل کرتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ فکری تبدیلی میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور نئے خیالات، انقلابی سوچ و سماجی مسائل کو اجاگر کرتی ہے۔ ادبی تحریک کا ایک واضح اور طے شدہ مقصد ہوتا ہے۔ ادبی تحریکیں معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ادب کو ڈھالتی ہیں۔

ادبی تحریک اور رجحان میں کلیدی فرق: تنظیم و منصوبہ بندی: تحریکیں (جیسے ترقی پسند تحریک) منصوبہ بند، منشور (Manifesto) کے تحت اور منظم گروہوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ رجحانات (جیسے رومانوی رجحان) کسی واضح مرکز یا منشور کے بغیر لکھنے والوں کے ذہنوں کا فطری میلان ہوتے ہیں۔ مقصدیت: تحریکوں کا مقصد سماجی یا ادبی تبدیلی ہوتا ہے۔ رجحانات صرف ایک خاص اندازِ فکر یا طرزِ احساس کو ظاہر کرتے ہیں۔ رفتار: تحریکیں عموماً تیز اور ہنگامہ خیز ہوتی ہیں، جبکہ رجحانات آہستہ آہستہ پروان چڑھتے ہیں اور اکثر طویل عرصے تک ادب پر چھائے رہتے ہیں۔ نوعیت: تحریک ایک "تحریک" کا نام ہے، جبکہ رجحان ایک "ذہنی رجحان" یا "فیشن" ہے۔ رشتہ: ایک رجحان مضبوط ہو کر تحریک بن سکتا ہے، اور تحریک ختم ہونے پر رجحان میں بدل سکتی ہے۔ اگرچہ دونوں ادب کے ارتقا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، لیکن ادبی تحریک زیادہ منظم اور مقصدی ہوتی ہے، جبکہ ادبی رجحان زیادہ آزاد، فطری اور تدریجی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک ادبی رجحان وقت گزرنے کے ساتھ ایک مکمل ادبی تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جبکہ کئی ادبی تحریکیں نئے رجحانات کو جنم دیتی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہونے کے باوجود اپنی الگ شناخت برقرار رکھتے ہیں۔ مختصراً، تحریک ایک باضابطہ "مہم" ہے اور رجحان ایک "نظریہ یا طرزِ احساس" ہے۔

2.3.1 ادبی تحریک اور ادبی رجحان کا تقابلی مطالعہ۔

ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے درمیان سب سے نمایاں فرق ان کی تشکیل اور مقصد میں پایا جاتا ہے۔ ادبی تحریک ہمیشہ کسی واضح نصب العین، نظریے یا اجتماعی شعور کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اس کے نمائندہ ادیب اور شاعر ایک متعین مقصد کے حصول کے لیے مشترکہ طور پر کام

کرتے ہیں اور اپنی تخلیقات کے ذریعے اس مقصد کو فروغ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس ادبی رجحان کسی باقاعدہ منصوبہ بندی یا تنظیم کا پابند نہیں ہوتا بلکہ یہ وقت، حالات، فکری تبدیلیوں اور تخلیقی میلانات کے نتیجے میں خود بخود پروان چڑھتا ہے۔ ادبی تحریک کا ایک مخصوص دور، منشور، نمائندہ شخصیات اور واضح ادبی نظریات ہوتے ہیں، جبکہ ادبی رجحان کے لیے ان عناصر کا ہونا ضروری نہیں۔ ادبی تحریک نسبتاً مختصر مدت میں نمایاں اثرات مرتب کرتی ہے، جب کہ ادبی رجحان طویل عرصے تک مختلف صورتوں میں ادب پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ تحریک میں نظم و ضبط اور اجتماعی وابستگی کو اہمیت دی جاتی ہے، جبکہ رجحان میں ادیب کی انفرادی آزادی اور تخلیقی تنوع برقرار رہتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ علی گڑھ تحریک، ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق منظم ادبی تحریکوں کی مثالیں ہیں، جبکہ حقیقت نگاری، رومانیت، علامت نگاری، جدیدیت اور مابعد جدیدیت بنیادی طور پر ادبی رجحانات کے طور پر سامنے آئے اور بعد میں ان کی فکری وسعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لیے ادبی تاریخ کے مطالعے میں تحریک اور رجحان کے فرق کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ ادبی تحریک اور ادبی رجحان دونوں ادب کی ترقی کے لیے ضروری ہیں، لیکن ان کی افادیت مختلف انداز میں سامنے آتی ہے۔ ادبی تحریک ادب میں شعوری تبدیلی پیدا کرتی ہے، نئے نظریات متعارف کراتی ہے، اہل قلم کو ایک مشترکہ مقصد پر متحد کرتی ہے اور معاشرے کے اہم مسائل کو ادب کا حصہ بناتی ہے۔ اس کے برعکس ادبی رجحان ادب میں فطری ارتقا، تخلیقی تنوع اور فکری وسعت پیدا کرتا ہے۔ یہ ادیب کو نئے موضوعات، نئے اسالیب اور نئے زاویے؟ اظہار اختیار کرنے کی آزادی فراہم کرتا ہے۔

ادبی تحریک میں اجتماعی فکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ ادبی رجحان انفرادی احساسات اور تخلیقی آزادی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ تحریک نسبتاً محدود مدت میں اپنے اثرات ظاہر کرتی ہے، لیکن رجحان ایک طویل عرصے تک مختلف ادبی تخلیقات میں نمایاں رہ سکتا ہے۔ اسی لیے یہ دونوں عناصر ادب کو ایک طرف استحکام بخشتے ہیں اور دوسری طرف اس میں مسلسل تازگی اور وسعت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادبی تحریک اور ادبی رجحان ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ تحریک ادب کو سمت اور مقصد فراہم کرتی ہے، جبکہ رجحان اس میں وسعت، تنوع اور تخلیقی تازگی پیدا کرتا ہے۔ اردو ادب کی ترقی اور اس کے فکری ارتقا میں دونوں کی خدمات یکساں اہمیت رکھتی ہیں۔

2.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 ادبی تحریک کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

الف۔ انفرادی میلان ب۔ مشترکہ مقصد اور منظم فکر

ج۔ اتفاقی تبدیلی د۔ شخصی اظہار

سوال نمبر 2 ادبی رجحان کس انداز میں تشکیل پاتا ہے؟

الف۔ حکومتی فیصلے سے ب۔ اچانک

ج۔ فطری اور تدریجی انداز میں د۔ قانونی ضابطے کے تحت

سوال نمبر 3 درج ذیل میں سے کون سی مثال ادبی تحریک کی ہے؟

الف۔ رومانیت ب۔ حقیقت نگاری

ج۔ علی گڑھ تحریک د۔ علامت نگاری

سوال نمبر 4 ادبی رجحان میں کس چیز کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے؟

الف۔ اجتماعی منشور ب۔ تخلیقی آزادی

ج۔ تنظیمی رکنیت د۔ سیاسی وابستگی

سوال نمبر 5 ادبی تحریک اور ادبی رجحان دونوں کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

الف۔ ادب کی ترقی اور ارتقا ب۔ صرف تفریح

ج۔ صرف زبان کی اصلاح د۔ صرف تنقید

2.4 عمومی جائزہ

ادبی تحریک اور ادبی رجحان اردو ادب کے دوائیے بنیادی تصورات ہیں جنہوں نے ہر دور میں ادب کی فکری اور فنی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ دونوں کا تعلق ادب میں تبدیلی، ارتقا اور تخلیقی عمل سے ہے، لیکن ان کی نوعیت، مقصد اور تشکیل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ادبی تحریک ایک منظم اور باقاعدہ اجتماعی کوشش ہوتی ہے، جو کسی خاص نظریے یا مقصد کے تحت وجود میں آتی ہے، جبکہ ادبی رجحان ادیبوں کے فکری، جمالیاتی اور تخلیقی میلان کا تدریجی اظہار ہوتا ہے۔ ادبی تحریک اپنے عہد کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری مسائل کا شعوری طور پر سامنا کرتی ہے اور ادب کو ایک متعین سمت عطا کرتی ہے۔ اس کے برعکس ادبی رجحان انسانی فکر، احساس اور تجربے کے مسلسل ارتقا کے ساتھ آہستہ آہستہ تشکیل پاتا ہے اور ادب میں نئے موضوعات، نئے اسالیب اور نئی فکری جہات کو فروغ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کسی ایک انداز یا ایک فکر تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہر دور میں نئے تقاضوں کے مطابق اپنی صورت بدلتا رہتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں مختلف تحریکات اور رجحانات نے زبان و ادب کو نئی زندگی بخشی ہے۔ ان کے ذریعے نہ صرف ادبی اظہار کے نئے راستے کھلے بلکہ معاشرتی شعور، قومی احساس، جمالیاتی اقدار اور انسانی تجربات کو بھی نئی تعبیر ملی۔ یہی عوامل اردو ادب کی وسعت، تنوع اور ارتقا کا سبب بنے اور اسے ہر دور میں زندہ اور متحرک رکھا۔

ادبی رجحان (Literary Trend): رجحان سے مراد وہ فکری یا اسلوبیاتی میلان ہے جو کسی خاص دور کے ادیبوں کی تحریروں میں غیر محسوس طریقے سے ابھرتا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی نہیں ہوتی، بلکہ وقت کے تقاضوں کے تحت پیدا ہونے والی ایک لہر ہوتی ہے۔ جو عموماً انفرادی سے اجتماعی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ ابتدا میں کسی ایک فنکار کے ہاں نظر آتا ہے اور پھر دوسرے ادیب بھی متاثر ہو کر اسے اپنانے لگتے ہیں۔ اور یوں پورا ادبی حلقہ غیر شعوری طور پر اس کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ رجحان کے پیچھے کوئی باقاعدہ تنظیم یا منشور (Manifesto) نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک کے ساتھ ایک ذہنی توازن قائم کر کے ایک ہی رجحان کے ساتھ چلتے ہیں۔ رجحان وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے یا کسی بڑی تحریک کا حصہ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو شاعری میں "تصوف" ایک طویل عرصے تک ایک غالب رجحان رہا ہے۔ اسی طرح "داخلیت" یا "یاسیت" (قنوطیت) بھی مختلف ادوار کے نمایاں رجحانات رہے ہیں۔

ادبی تحریک (Literary Movement): جب کوئی رجحان ایک منظم شکل اختیار کر لے، اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد ہو، ایک منشور ہو اور ادیبوں کی ایک جماعت اس کی ترویج کے لیے سرگرم ہو جائے، تو اسے ادبی تحریک کہتے ہیں۔ تحریک ہمیشہ کسی خاص نظریے یا تبدیلی کے

لیے شعوری طور پر شروع کی جاتی ہے۔ تحریک کا اپنا ایک لائحہ عمل ہوتا ہے (جیسے ترقی پسند تحریک کا منشور تھا)۔ تحریک اجتماعیت پر مبنی ہے۔ اس میں ادیب ایک مقصد کے تحت متحد ہوتے ہیں۔ اکثر تحریکیں اپنے سے پہلے موجود حالات یا فرسودہ روایات کے ردِ عمل میں جنم لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر اردو ادب کی چند اہم تحریکیں اور ان کا مختصر تعارف اس طرح سے ہے

1۔ علی گڑھ تحریک: سر سید احمد خان کی قیادت میں یہ اردو کی پہلی بڑی باقاعدہ تحریک تھی جس کا مقصد ادب کو اصلاحِ معاشرہ اور مقصدیت سے جوڑنا تھا۔

2۔ رومانی تحریک: یہ علی گڑھ کی حد درجہ مقصدیت کے ردِ عمل میں پیدا ہوئی۔ اس میں تخیل، حسن و عشق اور فطرت کو اہمیت دی گئی۔

3۔ ترقی پسند تحریک: (1936) یہ اردو کی سب سے طاقتور تحریک ثابت ہوئی جس نے ادب کو ”مارکسی نظریات“ اور ”عوامی زندگی“ کے قریب کیا۔

جدیدیت (Modernism) یہ بیسویں صدی میں روایتی اقدار، ماضی پرستی اور ترقی پسند تحریک کے ردِ عمل میں پیدا ہونے والی تحریک ہے جو فرد کی آزادی، داخلی تجربات، اور نئی تکنیکوں پر زور دیتی ہے تحریکیں اور رجحانات ایک خاص دور کے ادبی میلان کی نمائندگی کرتی ہیں، جیسے نئی تاریخیت میں تاریخ اور ادب کے تعلق پر زور دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ ادب کی بقا اور ترقی کی دلیل ہوتی ہیں، جو پرانی روایات کو چیلنج کرتی ہیں اور نئی فنی شکلوں کی کھوج لگاتیں ہیں۔ غرض ادبی تحریکیں اور رجحانات ادب میں نئے فنی، جمالیاتی اور فکری تجربات کا نام ہیں۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ادبی تحریک اور ادبی رجحان ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں۔ ایک ادب کو مقصد، سمت اور اجتماعی شعور فراہم کرتا ہے، جبکہ دوسرا ادب کو فکری آزادی، تخلیقی وسعت اور نئے امکانات عطا کرتا ہے۔ اردو ادب کی صحیح تفہیم اور اس کے ارتقائی سفر کو سمجھنے کے لیے ان دونوں تصورات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

2.5 فرہنگ

تحریک	:	منظم ادبی کوشش
رجحان	:	فکری میلان
تصور	:	ذہنی خاکہ

تقابل	:	موازنہ
امتیاز	:	فرق
اجتماعیت	:	مشترکہ حیثیت
انفرادیت	:	شخصی خصوصیت
نصب العین	:	مقصد
منشور	:	اصول و مقاصد کا بیان
تدریجی	:	آہستہ آہستہ ہونے والا
منظم	:	ترتیب یافتہ
جمالیتی	:	حسن سے متعلق
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
ارتقا	:	تدریجی ترقی
تنوع	:	گونا گونی
فکری	:	ذہنی
تہذیبی	:	تمدنی
معاشرتی	:	سماجی
سیاسی	:	سیاست سے متعلق
اجتماعی شعور	:	مشترکہ سوچ
نظریہ	:	اصولی فکر
اسلوب	:	انداز بیان
افادیت	:	اہمیت

شعوری	:	ارادی
تعبیر	:	تشریح
میلان	:	جھکاؤ
روایت	:	قدیم طریقہ
ارتباط	:	باہمی تعلق
وسعت	:	پھیلاؤ
ترجمانی	:	نمائندگی
عکاسی	:	عکس پیش کرنا
تخیل	:	تصور کی قوت
تنقید	:	خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ
تحول	:	تبدیلی
ہم آہنگی	:	موافقت
ادبیات	:	ادب سے متعلق علوم

2.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال 1- ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے تصور کو واضح کرتے ہوئے دونوں کی تعریف، خصوصیات اور معنویت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال 2- ادبی تحریک اور ادبی رجحان میں فرق کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔
- سوال 3- ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے تقابلی مطالعے پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
- سوال 4- ادب کی ترقی میں ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے کردار کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال 5- ادبی تحریک اور ادبی رجحان کے امتیازی اوصاف بیان کرتے ہوئے اردو ادب میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

سوال 6۔ اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کے باہمی تعلق پر تفصیلی اظہارِ خیال کیجیے۔

2.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ادبی تحریک سے کیا مراد ہے؟
- سوال نمبر 2 ادبی رجحان کی تعریف کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ادبی تحریک اور ادبی رجحان میں بنیادی فرق بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ادبی تحریک کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 5 ادبی رجحان کی نمایاں خصوصیات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 6 ادبی تحریک اور ادبی رجحان کا تقابلی مطالعہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 7 ادب میں تحریک اور رجحان کی اہمیت و افادیت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کے کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جواباتِ سرگرمی 1

1۔ ادبی 2۔ فکری

3۔ نظریے 4۔ تشکیل

5۔ اجتماعی

جواباتِ سرگرمی 2

1۔ ب 2۔ ج

3۔ ج 4۔ ب

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب نمبر 1 ادبی تحریک ایسی منظم ادبی اور فکری کوشش ہے جو کسی مشترکہ مقصد، نظریے اور اجتماعی شعور کے تحت وجود میں آتی ہے۔
- جواب نمبر 2 ادبی رجحان کسی خاص فکر، اسلوب یا موضوع کی طرف ادیبوں کے تدریجی میلان کو کہا جاتا ہے۔
- جواب نمبر 3 ادبی تحریک منظم، مقصدی اور اجتماعی ہوتی ہے، جبکہ ادبی رجحان فطری، تدریجی اور انفرادی میلان کی نمائندگی کرتا ہے۔
- جواب نمبر 4 ادبی تحریک کی اہم خصوصیات میں منظم منصوبہ بندی، واضح مقصد، مشترکہ نظریہ، اجتماعی شعور اور ادب کو نئی سمت دینا شامل ہیں۔
- جواب نمبر 5 ادبی رجحان کی نمایاں خصوصیات میں تدریجی ارتقاء، فکری آزادی، تخلیقی تنوع، انفرادی اظہار اور نئے ادبی میلانات کی تشکیل شامل ہیں۔
- جواب نمبر 6 ادبی تحریک اور ادبی رجحان دونوں ادب کے ارتقاء سے متعلق ہیں، لیکن تحریک منظم اور مقصدی ہوتی ہے، جبکہ رجحان فطری اور تدریجی انداز میں تشکیل پاتا ہے۔
- جواب نمبر 7 ادبی تحریک اور ادبی رجحان ادب کو نئی فکر، نئے موضوعات، نئے اسالیب اور تخلیقی وسعت فراہم کرتے ہیں، جس سے ادب مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے۔
- جواب نمبر 8 اردو ادب کی مختلف تحریکات اور رجحانات نے زبان، فکر، اسلوب اور موضوعات میں وسعت پیدا کی اور ادب کو ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

2.9 امدادی کتب

- ترقی پسند ادب : علی سردار جعفری
- ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر : ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
- اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ : پروفیسر منظر اعظمی
- علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین : مرتبہ نسیم قریشی
- اردو ادب میں ترقی پسند تحریک : ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی

ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بمبئی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر۔ 3 ادب پر تحریکات و رجحانات کے اثرات

- 3.0 اغراض و مقاصد
- 3.1 تعارف
- 3.2 اردو ادب پر اصلاحی، رومانوی اور ترقی پسند تحریکات کے اثرات
- 3.2.1 ترقی پسند تحریک کے فکری و فنی اثرات
- 3.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 3.3 جدیدیت، مابعد جدیدیت اور دیگر ادبی رجحانات کے اثرات
- 3.3.1 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 3.4 عمومی جائزہ
- 3.5 فرہنگ
- 3.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
- 3.7 مشقی سوالات
- 3.8 جوابات سرگرمی و مشقی سوالات
- 3.9 امدادی کتب

3.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ادب کی تشکیل و ارتقا میں مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات کے کردار کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ اصلاحی، رومانوی اور ترقی پسند تحریکات نے اردو ادب کے موضوعات، فکری رویوں، اصناف اور اسلوب کو کس طرح متاثر کیا۔ اس کے ساتھ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور نسائی شعور جیسے رجحانات کے نتیجے میں اردو ادب میں پیدا ہونے والی نئی فکری اور فنی تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں گے۔ آپ مختلف تحریکات کے تاریخی پس منظر کو ان کے ادبی اثرات کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ ادبی تبدیلیاں محض ادبی ذوق کا نتیجہ نہیں ہوتیں بلکہ اپنے عہد کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری حالات سے بھی گہرا تعلق رکھتی ہیں۔

3.1 تعارف

اردو ادب کی تاریخ کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ محض شعری اصناف، نثری اسالیب اور ادیبوں کی زندگیوں کا مجموعہ دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس کے پس منظر میں مسلسل بدلتے ہوئے فکری اور سماجی رویوں کی ایک طویل داستان موجود ہے۔ مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو نئے سوالات دیے، نئے موضوعات سے روشناس کرایا اور ادیب کے لیے اظہار کی نئی راہیں پیدا کیں۔ اسی لیے اردو ادب کے ارتقائی سفر کو ادبی تحریکات اور رجحانات کے مطالعے کے بغیر مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ انیسویں صدی میں برصغیر کے سیاسی اور تہذیبی حالات میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ 1857ء کے واقعات کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اس صورت حال نے اردو کے اہل قلم کو محض حسن و عشق اور روایتی موضوعات تک محدود رہنے کے بجائے تعلیم، تہذیب، اخلاق، معاشرت اور اجتماعی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ سرسید احمد خان کی اصلاحی فکر، حالی کی شاعری اور تنقیدی نظریات اور شبلی نعمانی کی علمی و ادبی کاوشیں اسی وسیع فکری تبدیلی کا حصہ تھیں۔ یوں اردو ادب میں ادب کو زندگی اور معاشرے سے وابستہ کرنے کا رجحان مضبوط ہوا۔ اس کے بعد اردو ادب میں رومانوی رجحان نے فرد کے جذبات، تخیل، حسن، محبت، فطرت اور داخلی کیفیات کو خصوصی اہمیت دی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں رومانوی شعرا نے روایتی اظہار سے ہٹ کر ذاتی احساسات اور تخیل کی نئی دنیا دریافت کی۔ 1901ء میں محمد حسین آزاد، مولانا حالی اور دیگر اہل قلم سے وابستہ ادبی ماحول میں رومانوی اور نئے شعری ذوق کے آثار نمایاں ہوئے، جنہوں نے بعد کے شعرا کے لیے نئی فکری فضا پیدا کی۔ اختر شیرانی، فراق گورکھپوری اور دیگر شعرا نے اس رجحان کو اپنے انداز میں آگے بڑھایا۔

1936ء میں ترقی پسند مصنفین کی تحریک نے اردو ادب کو ایک واضح سماجی اور سیاسی شعور عطا کیا۔ لکھنؤ میں منعقد ہونے والی پہلی آل انڈیا پروگریسو رائٹرز کانفرنس اس تحریک کی تاریخ میں اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔ سجاد ظہیر، ملک راج آنند اور دوسرے ادیبوں کے ساتھ اس تحریک نے ادب کو عام انسان کی زندگی، غربت، طبقاتی ناہمواری، استحصال، آزادی اور سماجی انصاف جیسے مسائل سے جوڑا۔ فیض احمد فیض، کرشن چندر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی اور دیگر ادیبوں نے اس فکر کو اپنی تخلیقات میں مختلف صورتوں میں پیش کیا۔ ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ حلقہ ارباب ذوق نے بھی اردو ادب کے فکری اور فنی منظر نامے پر نمایاں اثر ڈالا۔ 1939ء کے بعد اس حلقے سے وابستہ ادیبوں نے تخلیقی آزادی، جمالیاتی شعور، داخلی تجربے اور فنی تجربے کو اہمیت دی۔ میراجی اور ن۔م۔ راشد جیسے شعرا نے اردو نظم کو نئے اسلوب اور نئے موضوعات عطا کیے۔ اس طرح اردو ادب میں ایک طرف سماجی حقیقت نگاری کا رجحان مضبوط ہوا تو دوسری طرف فرد کے باطن، نفسیاتی پیچیدگی اور جمالیاتی تجربے کی اہمیت بھی بڑھی۔ 1960ء کے بعد جدیدیت نے اردو ادب میں ایک نئی فکری صورت حال پیدا کی۔ جدیدیت کے زیر اثر فرد کی تنہائی، وجودی کرب، بے معنویت، داخلی انتشار، شناخت کے بحران اور بدلتی ہوئی شہری زندگی جیسے موضوعات اہم ہوئے۔ شاعری اور افسانے میں علامت، ابہام، تجرید اور نئی لفظیات کے تجربات سامنے آئے۔ بعد ازاں مابعد جدیدیت نے کسی ایک مرکز، ایک حتمی سچائی یا ایک ہی تعبیر کی بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کیا اور متن کی کثیر جہتی تعبیر، مختلف ثقافتی آوازوں اور حاشیے پر موجود طبقات کو ادبی بحث کا حصہ بنایا۔

اسی طرح نسائی شعور نے اردو ادب میں عورت کے تجربے، شناخت، آزادی، حقوق اور سماجی حیثیت سے متعلق سوالات کو نمایاں کیا۔ عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور دیگر خواتین اہل قلم نے عورت کی زندگی کے ان پہلوؤں کو اظہار دیا جو طویل عرصے تک مردانہ نقطہ نظر کے زیر اثر رہے تھے۔ اس طرح اردو ادب کا دائرہ موضوع مزید وسیع ہوا اور مختلف طبقات، تجربات اور آوازوں کو اظہار کا موقع ملا۔ اس پورے تاریخی سفر سے واضح ہوتا ہے کہ ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو کسی ایک سمت میں نہیں دھکیلا بلکہ ہر دور میں اس کے امکانات میں اضافہ کیا۔ بعض تحریکات نے ادب کو معاشرتی زندگی سے جوڑا، بعض نے فرد کے باطن کو موضوع بنایا اور بعض نے زبان، اسلوب اور اظہار کے روایتی طریقوں کو چیلنج کیا۔ یہی مسلسل تبدیلی اردو ادب کی زندگی اور اس کی تخلیقی قوت کی بنیادی علامت ہے۔

3.2 اردو ادب پر اصلاحی، رومانوی اور ترقی پسند تحریکات کے اثرات

اردو ادب کی تاریخ مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات کے اثرات سے عبارت ہے۔ ہر دور میں بدلتے ہوئے سماجی، تہذیبی، سیاسی اور فکری حالات نے اردو ادب کے موضوعات، زبان، اسلوب اور ہیئت کو متاثر کیا۔ بعض تحریکات نے زبان کی اصلاح اور اسے ایک مخصوص معیار

پر قائم کرنے کی کوشش کی، بعض نے انسانی جذبات، حسن، عشق اور فطرت کو ادبی اظہار کا مرکز بنایا، جب کہ بعض تحریکات نے ادب کو سماجی زندگی، طبقاتی کشمکش، سیاسی شعور اور انسانی مسائل سے وابستہ کیا۔ اس اعتبار سے اصلاحِ زبان کی تحریک، رومانوی تحریک اور ترقی پسند تحریک اردو ادب کی تشکیل و ارتقا میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ اردو میں اصلاحِ زبان کی تحریک کا تعلق اس زمانے سے ہے جب شاعری میں ایہام گوئی کا رجحان عام تھا۔ ایہام گوئی میں ایسے الفاظ اور تراکیب استعمال کیے جاتے تھے جن کے ایک سے زیادہ معنی نکلتے تھے اور شاعر شعوری طور پر لفظ کے غیر معروف یا دور کے معنی کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ اس طرزِ شاعری کے خلاف جو ردِ عمل سامنے آیا، اسے اصلاحِ زبان کی تحریک یا ردِ عمل کی تحریک کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد اردو زبان کو غیر مانوس الفاظ، غیر فطری تراکیب اور ناموزوں استعمال سے پاک کر کے اسے زیادہ صاف، سادہ، با محاورہ اور مستند صورت دینا تھا۔

اصلاحِ زبان کی روایت نے صرف زبان کے ظاہری ڈھانچے کو متاثر نہیں کیا بلکہ اردو شاعری کے مزاج، لفظیات، محاورے، بندش اور شعری اظہار کو بھی ایک نئی سمت عطا کی۔ اس تحریک کے نتیجے میں شعراء نے زبان کے درست استعمال، الفاظ کے انتخاب، محاورے کی صحت اور روزمرہ کی اہمیت کی طرف زیادہ توجہ دی۔ بعد میں یہی لسانی شعور اردو شاعری کی مختلف روایتوں میں آگے بڑھتا رہا۔ اصلاحِ زبان کی تحریک میں مرزا مظہر جانِ جاناں کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے اردو زبان کی تشکیل و اصلاح کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کوششوں کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہوں نے فارسی اور اردو زبان کے درمیان ایک خاص ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ زبان کے استعمال میں غیر ضروری تکلف اور غیر مانوس انداز کے بجائے ایک ایسی زبان کے خواہاں تھے جو ادبی اظہار کے لیے موزوں اور قابلِ قبول ہو۔ ان کی اصلاحی کاوشوں نے اردو زبان کو ایک مخصوص سمت دینے میں مدد کی۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کی اصلاحی کوششوں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ انہوں نے اپنے حلقہٴ اثر میں زبان کے نئے شعری استعمال کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے شاگردوں نے بھی اس رجحان کو آگے بڑھایا اور اردو میں ایک ایسے شعری اسلوب کی تشکیل میں حصہ لیا جس میں زبان کے فطری اور مانوس استعمال کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اس طرح اصلاحِ زبان کی روایت محض نظری بحث نہیں رہی بلکہ عملی طور پر شاعری کے میدان میں بھی اپنا اثر دکھانے لگی۔

اس سلسلے میں شاہ حاتم کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ انہوں نے اردو زبان کے استعمال سے متعلق قواعد و ضوابط مرتب کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ریختہ کی زبان میں ایک خاص معیار پیدا ہو اور اسے ایسے الفاظ و تراکیب سے محفوظ رکھا جائے جو اس کے مزاج سے مناسبت نہ رکھتے ہوں۔ انہوں نے زبان کی صفائی اور صحت پر زور دیا اور شاعروں کو مناسب لفظیات اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ شاہ حاتم کی

اصلاحی کوششوں کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ ایک ایسی مرکزی اور مستند ریختہ کے خواہاں تھے جو عام فہم اور مانوس الفاظ پر قائم ہو۔ انہوں نے زبان کو غیر مانوس اور ناموزوں الفاظ سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ ریختہ میں فارسی کے بعض افعال اور حروف، مثلاً در، بر، از وغیرہ کے استعمال کو انہوں نے نامناسب قرار دیا۔ اسی طرح عربی و فارسی الفاظ کو صحت املا کے ساتھ لکھنے کی تاکید کی تاکہ اردو تحریر میں لسانی صحت برقرار رہے۔

شاہ حاتم نے ہندی بھاشا کے بعض الفاظ، مثلاً نین، جگت، نت، مکھ، بجن، من، موہن وغیرہ کے شاعرانہ استعمال کو بھی ناپسند کیا۔ ان کے نزدیک اردو شاعری کی زبان کو ایک ایسے معیار کی ضرورت تھی جس میں الفاظ کا انتخاب زبان کے رائج ادبی مزاج کے مطابق ہو۔ انہوں نے متروک الفاظ کے مقابلے میں مانوس اور رائج الفاظ کے استعمال کو ترجیح دی اور اس سلسلے میں الفاظ کی فہرست بھی مرتب کی۔ اصلاح زبان کی تحریک کو مختلف شعراء نے اپنے اپنے انداز میں آگے بڑھایا۔ درد نے اس تحریک کو تصوف کے آئینے میں دیکھا۔ ان کے یہاں زبان کی اصلاح محض لفظی یا قواعدی مسئلہ نہیں بلکہ ایک وسیع تہذیبی اور روحانی احساس سے بھی وابستہ تھی۔ اسی طرح میر نے بھی ریختہ کی زبان کے سلسلے میں اہم اصول قائم کیے۔ انہوں نے فارسی حروف، افعال، غیر مانوس تراکیب اور نامناسب بندشوں کے استعمال کو ناپسند کیا، تاہم ایسی فارسی تراکیب کے استعمال کی گنجائش رکھی جو زبان ریختہ کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہوں۔

میر حسن نے روزمرہ کے مجلسی لہجے کو زبان کے ادبی لہجے سے ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے یہاں زبان میں فطری روانی، سلاست اور روزمرہ کی شیرینی پائی جاتی ہے۔ اس طرح اصلاح زبان کی تحریک نے اردو شاعری کو مصنوعی اور پیچیدہ اظہار سے نکال کر فطری اور مانوس زبان کی طرف متوجہ کیا۔ اصلاح زبان کے حوالے سے نسخ کا کردار سب سے زیادہ نمایاں سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری میں زبان کی صحت، قواعد کی پابندی، لفظ کے درست استعمال اور شعری بندش کے اصولوں کو خاص اہمیت دی۔ نسخ نے زبان کو ایک منظم اور باقاعدہ معیار دینے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کے دبستان میں قواعد، صحت زبان اور لسانی اصولوں کی پابندی کو بنیادی حیثیت حاصل ہوئی۔

نسخ کی اصلاحی کوششوں نے اردو شاعری میں زبان کے معیار کو مضبوط کیا۔ انہوں نے شاعروں کو متوجہ کیا کہ شاعری محض جذبات کے اظہار کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے زبان پر مکمل قدرت بھی ضروری ہے۔ ان کے یہاں الفاظ کے انتخاب، ترکیب سازی، محاورے اور قواعد کی صحت پر خصوصی توجہ ملتی ہے۔ اگرچہ بعد کے زمانے میں نسخ کے بعض اصولوں کو سخت گیر قرار دیا گیا، لیکن اردو زبان کی اصلاح اور اس کے شعری معیار کے تعین میں ان کی خدمات بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

اس طرح اصلاح زبان کی تحریک نے اردو ادب کو کئی اہم اثرات دیے۔ زبان کے غیر مانوس اور ناموزوں استعمال کی حوصلہ شکنی ہوئی،

روزمرہ اور محاورے کو اہمیت حاصل ہوئی، الفاظ کے درست املا اور استعمال پر توجہ بڑھی، فارسی اور ہندی الفاظ کے استعمال میں انتخاب اور احتیاط کا رجحان پیدا ہوا اور شاعری کی زبان میں ایک خاص لسانی شعور پیدا ہوا۔ اس تحریک نے اردو کو ایک مستحکم ادبی زبان بنانے کے عمل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اصلاح زبان کے بعد اردو ادب میں مختلف فکری اور فنی رجحانات سامنے آئے جنہوں نے ادب کے موضوعات اور اسلوب دونوں کو متاثر کیا۔ ان میں رومانوی رجحان خاص اہمیت رکھتا ہے۔ رومانویت بنیادی طور پر انسان کے جذبات، تخیل، حسن، عشق، فطرت اور داخلی کیفیات کو اہمیت دیتی ہے۔ اردو ادب میں رومانوی رجحان نے شاعر اور ادیب کو محض خارجی زندگی کی عکاسی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے اپنے باطن، احساسات اور تخیل کی دنیا سے وابستہ کیا۔

رومانوی رجحان کے فروغ سے اردو شاعری میں عشق، حسن، فطرت، تنہائی، خواب، آرزو، یاد، ہجر و وصال اور انسانی جذبات کے موضوعات کو نئی معنویت حاصل ہوئی۔ شاعر نے فطرت کے مناظر کو محض خارجی منظر کے طور پر نہیں بلکہ اپنے داخلی احساسات کے آئینے کے طور پر پیش کیا۔ چاند، ستارے، پھول، بہار، خزاں، دریا، پہاڑ، رات اور صبح جیسی علامتیں انسانی جذبات کے اظہار کا وسیلہ بن گئیں۔ رومانوی رجحان نے اردو شاعری کے اسلوب کو بھی متاثر کیا۔ زبان میں نرمی، موسیقیت، تخیل، علامت، تشبیہ اور استعاراتی انداز کو فروغ ملا۔ شاعر نے اپنے ذاتی احساسات اور داخلی تجربات کو اہمیت دی۔ اس طرح اردو شاعری میں فرد کی ذات، اس کے خواب، خواہشات اور جذبات ایک اہم موضوع بن گئے۔ رومانوی تحریک کا اثر صرف شاعری تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو نثر میں بھی اس کے اثرات محسوس کیے گئے۔ افسانہ اور ناول میں محبت، انسانی رشتوں، جذباتی کشمکش، فطرت اور فرد کی داخلی زندگی کو موضوع بنایا گیا۔ اس رجحان نے اردو ادب میں احساس اور تخیل کی نئی دنیا پیدا کی۔

تاہم اردو ادب کی تاریخ میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ادیبوں اور شاعروں نے محض حسن و عشق اور ذاتی جذبات تک محدود رہنے کے بجائے اپنے گرد و پیش کے سماجی مسائل کو ادب کا موضوع بنانا شروع کیا۔ یہی رجحان آگے چل کر ترقی پسند تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے موضوعات اور مقاصد میں بنیادی تبدیلی پیدا کی۔ اس تحریک کا مرکزی تصور یہ تھا کہ ادب کو زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ادیب کو معاشرے کے مسائل، محروم طبقوں، مزدوروں، کسانوں، عورتوں، مظلوموں اور استحصال کا شکار انسانوں کی زندگی کی ترجمانی کرنی چاہیے۔ چنانچہ ادب میں غربت، بھوک، بے روزگاری، طبقاتی فرق، سیاسی جبر، سامراجیت، استحصال اور معاشرتی ناہمواری جیسے موضوعات داخل ہوئے۔

ترقی پسند تحریک کے اثرات اردو شاعری میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ شاعری میں فرد کے ذاتی غم کے ساتھ ساتھ اجتماعی دکھ اور

معاشرتی مسائل کو جگہ ملی۔ شاعر نے اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات پر اظہارِ خیال کیا۔ آزادی، مساوات، انصاف، انسانی حقوق اور بہتر معاشرے کا تصور شاعری کے اہم موضوعات بن گئے۔ اس تحریک نے اردو افسانے کو بھی خاص طور پر متاثر کیا۔ افسانہ نگاروں نے عام انسان کی زندگی کو مرکز بنایا۔ کسان، مزدور، غریب، عورت، متوسط طبقہ اور معاشرے کے محروم افراد اردو افسانے کے اہم کردار بنے۔ افسانہ نگاروں نے معاشرتی حقیقتوں کو پیش کرتے ہوئے سماجی نا انصافی اور طبقاتی فرق کو موضوع بنایا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ناول اور نثر میں بھی حقیقت نگاری کے رجحان کو مضبوط کیا۔ ادیب نے معاشرے کو ایک تنقیدی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ ادب محض تفریح یا حسن و عشق کے اظہار کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ اسے سماجی شعور بیدار کرنے کا وسیلہ بھی سمجھا گیا۔ ترقی پسند تحریک کا ایک اہم اثر یہ تھا کہ ادب اور زندگی کے تعلق پر زور بڑھا۔ ادیب کو اپنے عہد کے مسائل سے باخبر رہنے اور ان کے بارے میں اظہارِ خیال کرنے کی ترغیب ملی۔ اس طرح اردو ادب میں اجتماعی شعور پیدا ہوا اور ادیب کی سماجی ذمہ داری کا تصور مضبوط ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے زبان اور اسلوب کو بھی متاثر کیا۔ ادب میں نسبتاً سادہ، رواں اور عام فہم زبان کے استعمال کو فروغ ملا تا کہ ادبی پیغام وسیع طبقے تک پہنچ سکے۔ پیچیدہ اور اثر افیائی اسلوب کے مقابلے میں عوامی زندگی سے قریب زبان کو اہمیت دی گئی۔ اس طرح ادب کا رشتہ عام قاری سے مضبوط ہوا۔

رومانوی اور ترقی پسند رجحانات بظاہر ایک دوسرے سے مختلف محسوس ہوتے ہیں، لیکن اردو ادب کی تاریخ میں دونوں نے اہم کردار ادا کیا۔ رومانویت نے ادب کو فرد، جذبات، حسن، فطرت اور تخیل سے جوڑا، جب کہ ترقی پسندی نے اسے معاشرے، اجتماعی زندگی، طبقاتی مسائل اور انسانی جدوجہد سے وابستہ کیا۔ ایک نے انسانی باطن کو مرکز بنایا تو دوسرے نے خارجی زندگی اور سماجی حقیقتوں کو اہمیت دی۔ ان تحریکات کے مجموعی اثرات نے اردو ادب کو وسعت اور تنوع عطا کیا۔ اصلاحِ زبان نے زبان کو سنوارا، رومانوی رجحان نے احساس اور تخیل کی دنیا کو وسعت دی اور ترقی پسند تحریک نے ادب کو سماجی شعور اور حقیقت نگاری سے جوڑا۔ یوں اردو ادب نے زبان و بیان کی اصلاح سے لے کر انسانی جذبات اور پھر اجتماعی زندگی کے مسائل تک ایک طویل اور اہم سفر طے کیا۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب پر ان تحریکات کے اثرات محض وقتی یا محدود نوعیت کے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اردو ادب کے لسانی، فکری، موضوعاتی اور فنی ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اصلاحِ زبان نے اردو کے ادبی اظہار کو مضبوط بنیاد فراہم کی، رومانوی رجحان نے انسانی احساسات اور تخیل کو نئی جہتیں دیں اور ترقی پسند تحریک نے ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑ کر اس کے دائرہ کار کو مزید وسیع کر دیا۔

3.2.1 ترقی پسند تحریک کے فکری و فنی اثرات

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی تاریخ میں ایک منظم اور وسیع اثر رکھنے والی تحریک تھی۔ اس کا باقاعدہ آغاز 1936ء میں لکھنؤ کی پہلی آل انڈیا پروگریسو رائٹرز کانفرنس سے منسلک کیا جاتا ہے۔ منشی پریم چند، سجاد ظہیر، احمد علی، محمود الظفر اور دوسرے ادیبوں کی کوششوں سے اس تحریک کو منظم شکل ملی۔ بعد میں فیض احمد فیض، مجاز، سردار جعفری، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، منٹو، عصمت چغتائی اور دیگر اہم ادیبوں نے اسے اردو ادب میں مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کے مرکز میں عام انسان کو جگہ دی۔ مزدور، کسان، عورت، غریب، محکوم اور سماجی طور پر نظر انداز کیے گئے افراد اردو ادب کے اہم کردار بن گئے۔ غربت، بھوک، طبقاتی فرق، سامراجی نظام، استحصا، جنگ، آزادی اور سماجی انصاف جیسے مسائل افسانے، ناول، نظم اور شاعری کا حصہ بنے۔ اس تبدیلی نے ادب کے موضوعات کو غیر معمولی وسعت عطا کی۔ ترقی پسند ادب کی ایک بڑی خصوصیت حقیقت نگاری تھی۔ ادیب نے زندگی کو محض خوب صورت یا مثالی صورت میں پیش کرنے کے بجائے اس کے مسائل اور تلخیوں کو بھی موضوع بنایا۔ کرشن چندر کے افسانوں میں عام انسان کی معاشی مشکلات، بیدی کے افسانوں میں انسانی نفسیات اور معاشرتی حقیقتیں، عصمت چغتائی کے یہاں عورت اور متوسط طبقے کی زندگی، اور فیض کی شاعری میں ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت اس تحریک کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہے۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کے مزاج میں بھی بڑی تبدیلی پیدا کی۔ شاعر کی آواز اجتماعی آواز بن گئی۔ آزادی، انقلاب، امن، انصاف اور انسانی مساوات جیسے تصورات شعری اظہار کا حصہ بنے۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں رومان اور انقلاب کا امتزاج اس سلسلے میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے یہ تصور مضبوط کیا کہ ادب اپنے عہد کے انسان سے لائق نہیں رہ سکتا۔

اس تحریک کے فنی اثرات بھی نمایاں ہیں۔ افسانے اور ناول میں کردار نگاری، مکالمے، منظر نگاری اور حقیقت پسندانہ واقعات کو زیادہ اہمیت ملی۔ زبان نسبتاً سادہ اور زندگی سے قریب ہوئی۔ تاہم ترقی پسند ادب پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ بعض تخلیقات میں نظریاتی وابستگی فن پر غالب آگئی۔ اس کے باوجود اس تحریک نے اردو ادب کو سماجی شعور، انسانی ہمدردی اور حقیقت پسندی کی ایک مضبوط روایت عطا کی۔

3.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

سر سید احمد خان کی اصلاحی تحریک کا بنیادی مقصد _____ اور معاشرتی بیداری تھا۔

حالی کی مشہور تنقیدی کتاب _____ ہے۔

رومانوی رجحان میں فرد کے جذبات، تخیل اور _____ کو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔

ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز _____ میں منعقد ہونے والی کانفرنس سے وابستہ ہے۔

ترقی پسند ادب میں عام انسان کے مسائل کے ساتھ _____ اور سماجی انصاف کو بھی اہمیت دی گئی۔

3.3 جدیدیت، مابعد جدیدیت اور دیگر ادبی رجحانات کے اثرات

ترقی پسند تحریک کے بعد اردو ادب میں ایک ایسا مرحلہ آیا جس میں ادیب نے اجتماعی مسائل کے ساتھ ساتھ فرد کے باطن، اس کی تنہائی، ذہنی کشاکش اور وجودی مسائل کو بھی مرکز بنایا۔ جدیدیت نے ادب میں داخلی تجربے اور فنی آزادی کو اہمیت دی۔ اس کے بعد مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے بعض بنیادی تصورات پر سوال اٹھاتے ہوئے متن، معنی، تاریخ اور ثقافت کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی راہ ہموار کی۔ اسی وسیع فکری ماحول میں نسائی شعور، علاقائی شناخت، حاشیائی آوازوں اور مختلف ثقافتی تجربات نے بھی اردو ادب کو متاثر کیا۔ اردو ادب میں جدیدیت کا نمایاں ظہور 1950ء اور خصوصاً 1960ء کے بعد سامنے آتا ہے۔ جدیدیت نے ادب کو محض خارجی حقیقت کی عکاسی سمجھنے کے بجائے انسانی باطن کے پیچیدہ تجربات کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا۔ فرد کی تنہائی، بے معنویت، خوف، اضطراب، وجودی کرب، شناخت کا بحران اور داخلی انتشار جدید ادیب کے اہم موضوعات بنے۔

جدیدیت کے اثر سے اردو شاعری میں اظہار کے روایتی انداز میں تبدیلی آئی۔ نظم کو خاص اہمیت حاصل ہوئی اور آزاد نظم، نئی نظم، علامت اور تجرید کے تجربات کو فروغ ملا۔ ن۔م۔راشد، میراجی اور بعد کے کئی شعرا نے شعری اظہار میں نئی ہیئتوں اور نئی لفظیات کے امکانات

پیدا کیے۔ جدید شاعر کے یہاں خارجی منظر اکثر داخلی کیفیت کی علامت بن جاتا ہے۔ یوں شعر میں معنی کی سطحیں بڑھیں اور قاری کو متن کی تعبیر میں فعال کردار حاصل ہوا۔ افسانے میں بھی جدیدیت نے نئی تبدیلیاں پیدا کیں۔ انتظار حسین، انور سجاد، بلراج مین را اور دوسرے افسانہ نگاروں نے داخلی تجربے، علامت، اساطیر، یادداشت اور فرد کی نفسیاتی کیفیت کو نئے انداز میں پیش کیا۔ جدید افسانے میں واقعات کی کثرت کے بجائے کیفیت، فضا اور داخلی تجربے کی اہمیت بڑھ گئی۔ کردار کی بیرونی زندگی کے ساتھ اس کی ذہنی دنیا بھی تخلیق کا بنیادی حصہ بن گئی۔

مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے بعد ایک مختلف فکری منظر نامہ پیش کیا۔ اس رجحان نے کسی ایک حتمی سچ، مرکز یا واحد تعبیر کی بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ متن کو مختلف زاویوں سے پڑھنے اور اس کے متعدد ممکنہ معانی دریافت کرنے پر زور دیا گیا۔ اردو میں مابعد جدیدیت تنقید نے ساختیات، پس ساختیات، ردِ تشکیل اور ثقافتی مطالعات جیسے مباحث کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مابعد جدیدیت کے اثرات تخلیقی ادب میں بھی محسوس کیے گئے۔ تاریخ، اساطیر، مذہبی اور ثقافتی علامتوں، مقبول ثقافت اور مختلف بیانیوں کو ایک ہی متن میں باہم مربوط کرنے کے تجربات سامنے آئے۔ متن کی خود آگاہی، بین المتنیت، مختلف آوازوں کی موجودگی اور حاشیے پر موجود تجربات کو اہمیت ملی۔ اس طرح اردو ادب کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور ادبی متن کو ایک جامد اور واحد معنی کے بجائے متعدد امکانات رکھنے والی تخلیقی ساخت کے طور پر دیکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔

اردو ادب میں نسائی شعور نے عورت کی زندگی، شناخت، آزادی، حقوق اور سماجی تجربات کو نئے زاویے سے پیش کیا۔ اگرچہ اردو ادب میں خواتین کی تخلیقی شرکت پہلے سے موجود تھی، لیکن جدید دور میں عورت کے اپنے تجربے اور اپنی آواز کو زیادہ واضح فکری اہمیت حاصل ہوئی۔ عصمت چغتائی نے متوسط طبقے کی عورت، جنس، گھریلو زندگی اور سماجی منافقت جیسے موضوعات کو بے باکی سے پیش کیا۔ کشورنا ہید اور فہمیدہ ریاض نے عورت کی آزادی، خود اختیاری اور سماجی شناخت کے سوالات کو شعری اور فکری سطح پر نمایاں کیا۔ نسائی شعور نے اردو ادب کے موضوعاتی دائرے کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ کردار نگاری کے انداز میں بھی تبدیلی پیدا کی۔ عورت کو محض محبوبہ، ماں، بیوی یا قربانی کی علامت کے طور پر پیش کرنے کے بجائے ایک مکمل انسانی شخصیت کے طور پر دیکھنے کا رجحان مضبوط ہوا۔ اس کے اپنے خواب، خواہشات، محرومیاں، فیصلے اور مسائل ادبی اظہار کا حصہ بنے۔

اس کے علاوہ اردو ادب میں علاقائی، تہذیبی، لسانی اور حاشیائی شناختوں کے رجحانات بھی مضبوط ہوئے۔ مختلف طبقات اور ثقافتی گروہوں کے تجربات کو ادبی اہمیت ملنے لگی۔ مابعد نوآبادیاتی فکری فکر نے نوآبادیاتی تجربے، تہذیبی شناخت، زبان، اقتدار اور ثقافتی غلبے کے سوالات کو بھی ادبی مطالعے کا حصہ بنایا۔ اس طرح اردو ادب نے صرف مرکزی یا غالب طبقے کے تجربے تک محدود رہنے کے بجائے مختلف آوازوں کو اپنے

دائرے میں شامل کیا۔ تحریکات اور رجحانات کے ان مسلسل اثرات نے اردو ادب میں ایک ایسی وسعت پیدا کی جس میں روایت اور جدت، فرد اور معاشرہ، مقامی اور عالمی تجربہ، حقیقت اور تخیل، مرکز اور حاشیہ سب ایک دوسرے سے مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اردو ادب کسی ایک نظریے یا ایک تحریک کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ متعدد فکری اور تہذیبی تجربات کا مجموعہ بن چکا ہے۔

3.3.1 سرگرمی: 2: آپنی معلومات جانچیں

صحیح یا غلط کی نشاندہی کیجیے

اصلاحی تحریک نے اردو ادب کو معاشرتی اور اخلاقی مسائل سے وابستہ کیا۔

رومانوی رجحان میں فرد کے جذبات اور تخیل کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں سماجی حقیقت نگاری کو فروغ دیا۔

جدیدیت میں فرد کی تنہائی، داخلی کرب اور وجودی مسائل اہم موضوعات بنے۔

نسائی شعور نے اردو ادب میں عورت کی شناخت اور تجربات کو نمایاں کیا۔

3.4 عمومی جائزہ

اردو ادب کی تاریخ میں تحریکات اور رجحانات کو محض ادبی اصطلاحات کے طور پر دیکھنا کافی نہیں۔ ان کے ذریعے دراصل اردو ادب کے فکری، تہذیبی، سماجی اور فنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مختلف ادوار میں جب معاشرے کے حالات تبدیل ہوئے، نئی سیاسی حقیقتیں سامنے آئیں، علمی شعور میں اضافہ ہوا یا انسانی زندگی کے بارے میں نئے سوالات پیدا ہوئے تو ادب نے بھی ان تبدیلیوں کو محسوس کیا۔ کبھی یہ تبدیلی کسی منظم تحریک کی صورت میں سامنے آئی اور کبھی کسی عمومی ادبی رجحان کے طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی موجودہ صورت ایک طویل تاریخی اور فکری عمل کا نتیجہ ہے۔ ادب پر تحریکات اور رجحانات کے اثرات سے مراد وہ فکری، سماجی، اور فنی تبدیلیاں ہیں جو کسی مخصوص عہد میں ادبی تخلیقات (شاعری، ناول، افسانہ) کے موضوع، اسلوب، اور نظریات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ تحریکیں (جیسے ترقی پسند، رومانی وغیرہ) ایک واضح مقصد کے تحت، جبکہ رجحانات (جیسے جدیدیت مابعد جدیدیت وغیرہ) فکری جھکاؤ کے طور پر ادب کو روایتی ڈھانچے سے نکال کر نئے فنی امکانات،

حقیقت نگاری، اور سماجی مسائل سے روشناس کراتے ہیں۔ ادب پر تحریکات کے اثرات کو درج ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے:

فکری و سماجی شعور: ترقی پسند تحریک نے ادب کو طبقاتی کشمکش، غربت، اور سماجی جبر جیسے موضوعات سے جوڑا۔ اسلوب اور تکنیک میں تبدیلی: جدیدیت نے انفرادیت، شعور کی رو (Stream of Consciousness)، اور داخلی تجربات کو پیش کر کے داستانوی انداز کو ختم کیا۔
عہد کی عکاسی: تحریکیں اپنے دور کے سیاسی و ثقافتی حالات کی ترجمانی کرتی ہیں، جیسے تحریک آزادی کے وقت رومانیت اور حب الوطنی کے رجحانات۔

روایات سے بغاوت: یہ تحریکیں اکثر قدیم ادبی روایات کے خلاف رد عمل کے طور پر پیدا ہوتی ہیں، جس سے نئے ادبی معیار قائم ہوتے ہیں۔ ادبی تحریکات اور رجحانات کسی بھی زبان کے ادب کے لیے "روح" کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ جمود کو توڑتے ہیں اور ادب کو زندگی کی بدلتی ہوئی حقیقتوں سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اردو ادب پر ان کے اثرات انتہائی گہرے اور ہمہ گیر رہے ہیں۔ موضوعات میں وسعت اور تنوع: تحریکات کے آنے سے پہلے اردو ادب (خصوصاً شاعری) زیادہ تر گل و بلبل، زلف و رخسار اور خیالی داستانوں تک محدود تھا۔ مگر علی گڑھ اور ترقی پسند تحریک جیسی تحریکوں نے ادب کو سماجی مسائل، بھوک، افلاس، سیاست اور عام انسان کے دکھوں سے جوڑ دیا۔ اب ادب صرف درباروں کی زینت نہیں رہا بلکہ کوچہ و بازار کی آواز بن گیا۔

زبان و بیان میں سادگی اور سلاست:

قدیم ادب میں مقفی و مسجع عبارتیں اور مشکل تراکیب کا رواج تھا۔ مگر ادبی تحریکوں (خصوصاً سرسید کی تحریک) نے یہ شعور دیا کہ ادب کا مقصد اپنی علمیت جھاڑنا نہیں بلکہ پیغام پہنچانا ہے۔ اس کے نتیجے میں سادہ، رواں اور عام فہم زبان کا آغاز ہوا جو آج کے جدید نثری اسلوب کی بنیاد ہے۔ نئی اصنافِ سخن کا تعارف: ادبی رجحانات کے بدلنے سے پرانی اصناف (جیسے قصیدہ یا مثنوی) دم توڑ گئیں اور نئی اصناف نے جنم لیا۔ انگریزی جیسے ادب کے اثرات اور رومانی رجحانات کی بدولت اردو میں آزاد نظم، معرّی نظم، ناول، افسانہ اور انشائیہ جیسی اصناف متعارف ہوئیں جنہوں نے اظہار کے نئے راستے کھولے۔

تنقیدی شعور کی بیداری: تحریکوں نے ادیبوں کو صرف "لکھنے" پر نہیں بلکہ "کیسے لکھنا ہے" اور "کیوں لکھنا ہے" پر غور کرنے پر مجبور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں باقاعدہ فنِ تنقید کا آغاز ہوا۔ حالی کی "مقدمہ شعر و شاعری" سے لے کر مارکسی اور نفسیاتی تنقید تک، سب ادبی تحریکوں ہی مرہونِ منت ہیں۔ مختصراً، ادبی تحریکیں اور رجحانات ادب کو جامد ہونے سے بچاتے ہیں اور اسے زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق ڈھالتے ہیں

تحریرات اور رجحانات کے بعض اوقات کچھ منفی اثرات بھی ادب پر پڑے ہیں مثلاً بعض اوقات فن کے مقابلے میں نظریے کو زیادہ اہمیت دی گئی، پرانی روایتوں اور کلاسیکی اقدار سے رشتہ کمزور ہوا۔ اور پروپیگنڈا ادب کی وجہ سے فنی معیار میں گراؤ آئی لیکن وہیں دوسری طرف مثبت پہلوؤں کو بھی قطعی طور پر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا مثلاً تحریکات اور رجحانات سے ادب کو مقصدیت اور زندگی ملی، عالمی ادب سے شناسائی ہوئی اور نئے تخلیقی تجربات اور اسالیب سامنے آئے۔

اردو ادب کی ابتدائی روایت میں بھی مختلف فکری اور فنی میلانات موجود تھے۔ دکنی ادب میں صوفیانہ، اخلاقی اور روحانی عناصر نمایاں رہے۔ دکن کے شعرا نے عوامی زبان کو شعری اظہار کا وسیلہ بنایا اور مذہبی و اخلاقی تصورات کو عام فہم انداز میں پیش کیا۔ محمد قلی قطب شاہ کی شاعری میں زندگی، فطرت، محبت اور تہذیبی ماحول کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ اس دور کو کسی باقاعدہ ادبی تحریک کا نام نہیں دیا جاسکتا، لیکن اس نے اردو ادب کے ابتدائی مزاج کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں اردو شاعری دہلی پہنچی تو ایک مخصوص کلاسیکی شعری مزاج تشکیل پایا۔ میر تقی میر، سودا، خواجہ میر درد اور غالب جیسے شعرا نے اردو غزل کو فکری گہرائی، داخلی احساس اور فنی بلندی عطا کی۔ دہلی کے ادبی ماحول میں سادگی، داخلیت، تصوف اور زندگی کے تجربے کو اہمیت حاصل رہی۔ لکھنؤ میں بھی کلاسیکی روایت ایک مختلف تہذیبی ماحول سے متاثر ہوئی۔ یہاں زبان کی نزاکت، صنعتوں کا استعمال، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور حسن و عشق کی رنگینی زیادہ نمایاں ہوئی۔ اس طرح ایک ہی ادبی روایت مختلف سماجی اور تہذیبی ماحول میں مختلف صورتیں اختیار کرتی رہی۔

اردو نثر کی ترقی میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کا قیام 1800ء ایک اہم مرحلہ تھا۔ اس ادارے میں مختلف ہندوستانی زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی کتابیں تیار اور ترجمہ کی گئیں۔ میرامن کی "باغ و بہار" اردو نثر کی سادگی اور روانی کی ایک اہم مثال ہے۔ اس دور کی کوششوں نے اردو نثر کو داستانوی اور فارسی آمیز اسلوب سے نکال کر نسبتاً سادہ اور عام فہم اظہار کی طرف بڑھانے میں مدد دی۔ اسے باقاعدہ ادبی تحریک کہنا درست نہیں، لیکن اردو نثر کی جدید تشکیل کے لیے اس کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اردو ادب کے سامنے ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی۔ 1857ء کے بعد برصغیر کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئیں۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی حالت پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس ماحول میں سرسید احمد خان نے جدید تعلیم، عقلیت، سائنسی فکر اور معاشرتی اصلاح کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔ 1875ء میں مڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ کا قیام اس فکری کوشش کا اہم مرحلہ تھا۔

سرسید کی تحریک نے اردو ادب کو ایک نئے فکری شعور سے آشنا کیا۔ ادب میں اصلاح معاشرہ، تعلیم، اخلاق، عقل، تاریخ اور جدید علوم

جیسے موضوعات کو اہمیت حاصل ہوئی۔ الطاف حسین حالی نے شاعری اور تنقید میں اس فکر کو آگے بڑھایا۔ ان کی "مقدمہ شعر و شاعری" (1893ء) اردو تنقید کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حالی نے شاعری کو زندگی سے مربوط کرنے اور اس کے سماجی و اخلاقی کردار پر زور دیا۔ محمد حسین آزاد نے بھی اردو شاعری اور ادبی تاریخ کے مطالعے میں نئے زاویے پیدا کیے، جبکہ شبلی نعمانی نے تاریخ، سوانح، تنقید اور علمی نثر کے ذریعے اردو ادب کے فکری دائرے کو وسعت دی۔ اصلاحی فکر کے نتیجے میں اردو ادب میں یہ احساس مضبوط ہوا کہ ادب صرف تفریح یا جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشرے کی فکری تربیت اور ذہنی بیداری میں بھی کردار ادا کر سکتا ہے۔ نثر میں سادگی اور وضاحت کو اہمیت ملی۔ مضمون، سوانح، تنقید، تاریخی تحریر اور ناول جیسی اصناف نے نئے موضوعات اختیار کیے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا "مراۃ العروس" (1869ء) اردو ناول کی ابتدائی اہم مثالوں میں شمار ہوتا ہے، جس میں عورت کی تعلیم، گھریلو زندگی اور معاشرتی تربیت جیسے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔

اصلاحی رجحان کے بعد اردو ادب میں رومانوی حسیت نے بھی نمایاں جگہ بنائی۔ رومانوی رجحان میں فرد کے جذبات، تخیل، حسن، محبت، فطرت اور داخلی تجربے کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اردو شاعری میں اس رجحان کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ اختر شیرانی نے محبت، حسن اور فطرت کو اپنے مخصوص شعری آہنگ میں پیش کیا۔ فراق گورکھپوری کے یہاں بھی رومانوی احساس موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ہندوستانی تہذیب، فطرت اور انسانی تجربے کی گہری وابستگی دکھائی دیتی ہے۔ رومانوی رجحان نے اردو شاعری کی زبان اور اسلوب پر بھی اثر ڈالا۔ شاعری میں موسیقیت، نرمی، تصویریت اور جذباتی کیفیت زیادہ نمایاں ہوئی۔ فطرت محض خارجی منظر نہیں رہی بلکہ انسانی احساسات کے اظہار کا وسیلہ بن گئی۔ پھول، موسم، چاند، رات، صبح اور بارش جیسے عناصر شاعر کے داخلی تجربے کی علامت بننے لگے۔ اس طرح اردو شاعری میں ذاتی تجربے اور تخیل کو زیادہ آزادی حاصل ہوئی۔ بیسویں صدی میں اردو ادب کی فکری سمت میں ایک بڑی تبدیلی ترقی پسند تحریک کے ذریعے آئی۔ اس تحریک کا باقاعدہ ادبی اظہار 1936ء میں لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کے انعقاد سے ہوا۔ منشی پریم چند نے اس کانفرنس کی صدارت کی۔ اس تحریک کے فکری پس منظر میں آزادی کی جدوجہد، نوآبادیاتی نظام، طبقاتی ناہمواری، معاشی استحصال اور دنیا میں پیدا ہونے والی نئی سیاسی و سماجی تحریکیں شامل تھیں۔

ترقی پسند تحریک نے ادب کو عام انسان کی زندگی سے جوڑنے پر زور دیا۔ مزدور، کسان، عورت، غریب اور سماج کے محروم طبقے ادب کے اہم کردار بن گئے۔ غربت، بھوک، استحصال، طبقاتی فرق، جنگ، سامراج، آزادی اور انسانی مساوات جیسے موضوعات شاعری اور فکشن کا حصہ بنے۔ سجاد ظہیر، فیض احمد فیض، مجاز، علی سردار جعفری، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی اور احمد ندیم قاسمی نے مختلف اصناف میں

اس ادبی فضا کو آگے بڑھایا۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات خصوصاً اردو افسانے پر بہت گہرے رہے۔ افسانہ نگاروں نے زندگی کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ کرشن چندر کے ہاں کسان اور غریب طبقے کی زندگی، بیدی کے ہاں انسانی رشتوں کی پیچیدگی، عصمت چغتائی کے ہاں عورت اور متوسط طبقے کے مسائل اور منٹو کے ہاں انسانی نفسیات، جنس، تقسیم اور معاشرتی منافقت کے مختلف پہلو نمایاں ہوئے۔ اگرچہ منٹو کو صرف ترقی پسند تحریک کے خانے میں محدود کرنا مناسب نہیں، لیکن ان کا عہد اور ترقی پسند ادبی ماحول ان کی تخلیقی دنیا سے مکمل طور پر الگ بھی نہیں تھا۔

ترقی پسند تحریک نے شاعری کے مزاج کو بھی بدلا۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں محبت اور اجتماعی زندگی ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ ان کے یہاں محبوب کا تصور کئی جگہ وطن، آزادی اور انسانی امید کے وسیع تر تصور میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس تحریک کے باعث شاعری کی آواز میں اجتماعی احساس پیدا ہوا اور ادب نے سماجی نا انصافی کے خلاف احتجاج کا کردار بھی ادا کیا۔ تاہم ترقی پسند تحریک کے بارے میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ بعض اوقات نظریاتی وابستگی تخلیقی آزادی پر غالب آگئی۔ بعض تخلیقات میں ادب پر سیاسی یا نظریاتی مقصدیت کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر اس تحریک نے اردو ادب کو سماجی شعور، حقیقت پسندی اور عام انسان سے گہری وابستگی عطا کی۔ اس کے اثرات تحریک کے رسمی دور کے بعد بھی اردو ادب میں مختلف صورتوں میں جاری رہے۔ ترقی پسند تحریک کے ساتھ اردو ادب میں ایک دوسری فکری اور فنی سمت بھی مضبوط ہوئی جسے حلقہ ارباب ذوق کی ادبی سرگرمیوں سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ لاہور میں اس حلقے کی ادبی نشستوں کا آغاز 1939ء میں ہوا۔ حلقہ ارباب ذوق نے تخلیقی آزادی، فنی تجربے، جمالیاتی شعور اور ادب کی داخلی قدر کو اہمیت دی۔ اس حلقے کی نشستوں میں تخلیقات پیش کی جاتیں اور ان پر تفصیلی گفتگو ہوتی، جس سے اردو میں ادبی تنقید اور تخلیقی مکالمے کی روایت مضبوط ہوئی۔

حلقہ ارباب ذوق سے وابستہ ماحول میں ن۔م۔ راشد اور میراجی کی جدید شعری کاوشوں کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ ن۔م۔ راشد نے آزاد نظم کو نئے فکری اور فنی امکانات عطا کیے۔ ان کا مجموعہ "ماورا" 1941ء میں شائع ہوا۔ میراجی نے انسانی باطن، نفسیاتی تجربے، علامت اور داخلی احساس کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اس طرح اردو شاعری میں روایتی شعری اظہار کے ساتھ نئے فنی امکانات پیدا ہوئے۔ یہی فکری اور فنی تبدیلی آگے چل کر جدیدیت کے لیے بھی ایک اہم بنیاد بنی۔ جدیدیت نے اردو ادب میں فرد کے داخلی تجربے کو خاص اہمیت دی۔ دوسری جنگ عظیم، تقسیم ہند، شہری زندگی کے پھیلاؤ اور جدید انسان کے بدلتے ہوئے ذہنی حالات نے ادیب کے سامنے نئے سوالات پیدا کیے۔ اب ادب میں صرف یہ سوال اہم نہیں رہا کہ معاشرے میں کیا ہو رہا ہے بلکہ یہ بھی اہم ہو گیا کہ ان واقعات کا اثر انسان کے باطن پر کیا پڑ رہا ہے۔ جدیدیت

کے تحت تنہائی، بے معنویت، وجودی اضطراب، شناخت کا بحران، خوف، موت، داخلی انتشار اور نفسیاتی کشمکش جیسے موضوعات نمایاں ہوئے۔ شاعر اور افسانہ نگار نے انسانی شخصیت کی ان تہوں تک پہنچنے کی کوشش کی جو خارجی واقعات سے فوراً دکھائی نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید افسانے میں واقعے کی اہمیت بعض اوقات کم اور کیفیت، احساس اور داخلی تجربے کی اہمیت زیادہ ہو گئی۔

جدیدیت کا اثر اردو شاعری کی زبان اور ہیئت پر بھی پڑا۔ آزاد نظم، علامت، استعارہ، تجرید، ابہام اور نئی لفظیات کے تجربات ہوئے۔ ن۔م۔راشد، میراجی اور اختر الایمان جیسے شعرا نے اردو نظم کو روایتی بندشوں سے نکال کر نئے امکانات سے روشناس کیا۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ جدیدیت نے روایت کو مکمل طور پر رد نہیں کیا؛ اس نے روایت کے ساتھ نئے انداز میں مکالمہ کرتے ہوئے اظہار کے امکانات تلاش کیے۔ اردو افسانے میں جدیدیت نے ایک الگ فنی مزاج پیدا کیا۔ انتظار حسین، انور سجاد، خالدہ حسین اور سریندر پرکاش جیسے افسانہ نگاروں کے یہاں علامت، اساطیر، یادداشت، داخلی تجربے اور انسانی تنہائی کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ جدید افسانہ نگار نے ہر بات براہ راست بیان کرنے کے بجائے اشارے اور علامت کے ذریعے معنی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ نتیجتاً قاری کی شرکت بھی زیادہ اہم ہو گئی۔ جدیدیت کے فکری اور فنی مباحث کو آگے بڑھانے میں ادبی رسائل نے اہم کردار ادا کیا۔ شمس الرحمن فاروقی کے رسالے "شب خون" کا اجرا 1966ء میں ہوا۔ اس رسالے نے نئی شاعری، افسانے اور تنقید کو ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کیا اور جدید ادبی مباحث کو منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جدیدیت کی تنقید نے تخلیق کے فنی پہلو، زبان، ہیئت، ساخت اور جمالیاتی قدر کو خاص اہمیت دی۔

اس کے بعد اردو تنقید میں مابعد جدیدیت کے مباحث نمایاں ہوئے۔ اردو میں یہ بحث خصوصاً 1980ء کی دہائی کے بعد زیادہ واضح ہوئی۔ مابعد جدید فکر نے ایک ہی مرکز، ایک ہی حتمی معنی اور ایک ہی غالب بیانیے کی بالادستی پر سوال اٹھایا۔ متن کو متعدد زاویوں سے پڑھنے، مختلف ثقافتی آوازوں کو جگہ دینے اور معنی کے کثیر امکانات کو تسلیم کرنے کا رجحان بڑھا۔ مابعد جدیدیت کے زیر اثر تاریخ، اساطیر، لوک روایت، مذہبی علامتوں، ثقافتی یادداشت اور مختلف ادبی متون کے باہمی تعلق کو نئے انداز سے دیکھا گیا۔ بین المتونیت کا تصور اس حوالے سے اہم ہے، جس کے تحت ایک ادبی متن دوسرے متون، روایتوں اور ثقافتی حوالوں سے معنی اخذ کرتا ہے۔ اردو ادب میں گوپی چند نارنگ نے ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدید مباحث کو اردو تنقید میں نمایاں کیا۔ وہاب اشرفی نے بھی مابعد جدیدیت کے نظری مباحث کو اردو میں متعارف اور منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مابعد جدیدیت نے اردو فکشن کے مطالعے کو بھی متاثر کیا۔ انتظار حسین کے افسانوں اور ناولوں میں تاریخ، ہجرت، اساطیر، تہذیبی

حافظے اور موجودہ زندگی کے درمیان رشتے کو نئے انداز میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کا ناول "بستی" (1979ء) تقسیم، ہجرت، یادداشت اور تہذیبی انتشار کے تجربے کو ایک پیچیدہ فنی ساخت میں پیش کرتا ہے۔ اسی طرح قرۃ العین حیدر کا "آگ کا دریا" (1959ء) تاریخ اور تہذیب کے طویل تسلسل کو سامنے لانے والی اہم تخلیق ہے، جسے بعد کے تنقیدی مباحث میں متعدد زاویوں سے پڑھا گیا ہے۔

اردو ادب پر تحریکات و رجحانات کے اثرات کا ایک اہم پہلو نسائی شعور بھی ہے۔ عورت کا کردار اردو ادب میں پہلے سے موجود تھا، لیکن جدید دور میں عورت کے اپنے تجربے، شناخت اور آواز کو زیادہ واضح فکری اہمیت حاصل ہوئی۔ عصمت چغتائی نے عورت کی گھریلو، سماجی اور نفسیاتی زندگی کے کئی ایسے پہلوؤں کو موضوع بنایا جن پر اس سے پہلے کھل کر گفتگو نہیں کی جاتی تھی۔ قرۃ العین حیدر نے عورت کے ساتھ تاریخ اور تہذیب کے وسیع مسائل کو جوڑا، جبکہ کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض نے عورت کی آزادی، شناخت اور خود اختیاری کے سوالات کو شعری اور فکری سطح پر نمایاں کیا۔ نسائی شعور کے اثر سے عورت کو محض محبوبہ، ماں، بیوی یا قربانی کی علامت کے طور پر دیکھنے کے بجائے ایک مکمل انسانی شخصیت کے طور پر پیش کرنے کا رجحان مضبوط ہوا۔ عورت کے اپنے خواب، خواہشات، محرومیاں، سماجی رکاوٹیں اور فیصلے ادبی اظہار کا حصہ بنے۔ اس تبدیلی نے اردو ادب کے موضوعاتی دائرے کو وسیع کیا اور ادبی تنقید کو بھی نئے سوالات فراہم کیے۔

اسی طرح مابعد نوآبادیاتی شعور نے اردو ادب میں نوآبادیاتی تجربے، تہذیبی شناخت، زبان، اقتدار اور ثقافتی غلبے کے سوالات کو اہم بنایا۔ تقسیم ہند اور ہجرت کے تجربے نے بھی اردو فکشن پر گہرا اثر ڈالا۔ منٹو، بیدی، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین جیسے ادیبوں کے یہاں تقسیم کے مختلف انسانی اور تہذیبی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس طرح تاریخ محض کتابوں میں محفوظ ماضی نہیں رہی بلکہ انسانی یادداشت اور موجودہ شناخت کا حصہ بن گئی۔ تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کی زبان کو بھی مسلسل تبدیل کیا۔ اصلاحی دور میں سادگی اور وضاحت کو اہمیت ملی۔ ترقی پسند دور میں زبان عام زندگی اور روزمرہ کے قریب ہوئی۔ جدیدیت نے علامتی، تہہ دار اور بعض اوقات تجریدی زبان کو فروغ دیا۔ مابعد جدیدیت کے زیر اثر مختلف ثقافتی، تاریخی اور لسانی حوالوں کو ایک ہی متن میں شامل کرنے کے امکانات بڑھے۔ اس طرح اردو زبان نے اپنے اظہار کے نئے دائرے دریافت کیے۔ ادبی اصناف بھی ان تبدیلیوں سے محفوظ نہیں رہیں۔ شاعری میں آزاد نظم، نئی نظم اور علامتی اظہار کے تجربات ہوئے۔ افسانے میں سماجی حقیقت نگاری سے نفسیاتی اور علامتی اظہار تک مختلف مراحل آئے۔ ناول میں معاشرتی اصلاح، تاریخی شعور، تقسیم، تہذیبی حافظے، شناخت اور جدید زندگی کے مسائل داخل ہوئے۔ تنقید میں بھی اصلاحی اور اخلاقی معیار سے لے کر سماجی، جمالیاتی، ساختیاتی، پس ساختیاتی اور مابعد جدید نظریات تک ایک طویل سفر طے ہوا۔

اس پورے ادبی سفر میں ایک اہم بات یہ ہے کہ کوئی تحریک مکمل طور پر پچھلی تحریک کو ختم نہیں کرتی۔ نئی تحریکیں پچھلی روایت سے اختلاف بھی کرتی ہیں اور بعض عناصر کو نئے انداز میں قبول بھی کرتی ہیں۔ ترقی پسند ادب نے کلاسیکی روایت کے انسانی اور سماجی عناصر سے استفادہ کیا، جدیدیت نے روایت کے ساتھ نیا مکالمہ قائم کیا اور مابعد جدیدیت نے ماضی کے متون اور تہذیبی روایت کو نئے تناظر میں پڑھنے کی راہ ہموار کی۔ اس لیے ادبی تاریخ کو ایک دوسرے کو مٹانے والی تحریکات کی تاریخ کے بجائے تسلسل، اختلاف اور مکالمے کی تاریخ سمجھنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر تحریک کی کچھ حدود اور کمزوریاں بھی رہی ہیں۔ ترقی پسند تحریک میں بعض اوقات نظریاتی مقصدیت فن پر غالب آ گئی۔ جدیدیت کے بعض نمونوں میں پیچیدگی، ابہام اور قنوطیت کی شکایت کی گئی۔ مابعد جدیدیت پر کبھی کبھی اس بات کے لیے تنقید ہوئی کہ معنی کی کثرت پر زور دیتے ہوئے وہ کسی مستحکم فکری مرکز کو کمزور کر دیتی ہے۔ تاہم ان اعتراضات کے باوجود ان تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو نئے سوالات، نئے تجربات اور نئے امکانات فراہم کیے۔

آخر کار اردو ادب پر تحریکات و رجحانات کے اثرات کو کسی ایک جملے میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے ادب کے موضوع، فکر، زبان، اسلوب، ہیئت، اصناف اور تنقیدی شعور سب کو متاثر کیا۔ اصلاحی فکر نے ادب کو معاشرتی بیداری سے جوڑا، رومانوی رجحان نے فرد کے جذبات اور تخیل کو نمایاں کیا، ترقی پسند تحریک نے عام انسان اور سماجی انصاف کو مرکز بنایا، حلقہ ارباب ذوق نے فنی اور جمالیاتی آزادی کو تقویت دی، جدیدیت نے فرد کے باطن کو دریافت کیا، مابعد جدیدیت نے معنی اور بیانیے کی کثرت کو اہمیت دی اور نسائی شعور نے عورت کی اپنی آواز کو ادبی منظر نامے میں نمایاں مقام عطا کیا۔ اس طرح اردو ادب کی تاریخ ایک مسلسل بدلتی ہوئی فکری اور فنی روایت کی تاریخ ہے۔ تحریکات اور رجحانات نے اس روایت کو نئی سمتیں دیں، لیکن اردو ادب نے ہر تبدیلی کو اپنے تہذیبی مزاج کے مطابق قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا اردو ادب ماضی کی روایت، جدید تجربے، سماجی شعور، فرد کی داخلی دنیا اور مختلف ثقافتی آوازوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ادبی تحریکات اور رجحانات اردو ادب کے سفر میں محض وقتی پڑاؤ نہیں بلکہ اس کے مسلسل ارتقاء، فکری وسعت اور تخلیقی زندگی کے اہم محرک ہیں۔

3.5 فرہنگ

تحریک	:	منظم ادبی کوشش
رجحان	:	فکری میلان
اثر	:	نتیجہ یا تاثیر

ارتقا :	تدریجی ترقی
تخلیق :	نیا ادبی اظہار
تخلیق کار :	ادب تخلیق کرنے والا
فکر :	سوچ
فکری :	ذہنی
فن :	ہنر
فنی :	فن سے متعلق
اسلوب :	انداز بیان
موضوع :	مرکزی خیال
حقیقت نگاری :	حقیقی حالات کی عکاسی
رومانیت :	جذبات اور تخیل پر مبنی رجحان
علامت نگاری :	علامتوں کے ذریعے اظہار
جدیدیت :	جدید افکار پر مبنی رجحان
ما بعد جدیدیت :	جدیدیت کے بعد کا فکری رجحان
جمالیات :	حسن کا شعور
تخیل :	تصور کی قوت
تہذیب :	تمدنی اقدار
ثقافت :	معاشرتی ورثہ
شعور :	آگہی
اجتماعیت :	مشترکہ حیثیت

انفرادیت	:	شخصی خصوصیت
تنوع	:	قسم قسم کا ہونا، مختلف رنگ کا ہونا، گونا گونی
وسعت	:	پھیلاؤ
اصلاح	:	بہتری
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی ہونا
ترجمانی	:	نمائندگی
عکاسی	:	تصویر پیش کرنا
روایت	:	چلی آنے والی رسم یا طریقہ
جدت	:	نیا پن
تجزیہ	:	باریک بینی سے جائزہ
تنقید	:	خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ
ادبیات	:	ادب سے متعلق علوم
معروضیت	:	غیر جانب داری

3.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب پر ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 2 ادبی تحریکات نے اردو ادب کی فکری اور فنی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ تفصیل سے لکھیے۔
- سوال نمبر 3 ادبی رجحانات نے اردو ادب کے موضوعات، اسلوب اور فکر کو کس طرح متاثر کیا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ادب میں تحریکات اور رجحانات کی خدمات پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب پر ادبی تحریکات اور رجحانات کے دیرپا اثرات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

سوال نمبر 6 اردو ادب کی ترقی میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

3.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ادبی تحریکات کے اردو ادب پر اثرات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 2 ادبی رجحانات نے اردو ادب کو کس طرح متاثر کیا؟
- سوال نمبر 3 ادب میں ادبی تحریکات کی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ادبی رجحانات کی دو نمایاں خدمات لکھیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب کی فکری ترقی میں ادبی تحریکات کا کردار بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب کی فنی ترقی میں ادبی رجحانات کی اہمیت واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 7 ادبی تحریکات اور رجحانات کے دیرپا اثرات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی مجموعی اہمیت بیان کیجیے۔

3.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی

سرگرمی: 1 خالی جگہوں کے جوابات

تعلیم

مقدمہ شعرو شاعری

فطرت

1936ء

طبقاتی ناہمواری

سرگرمی: 2 صحیح یا غلط

درست

غلط

درست

درست

درست

مشقی سوالات کے جواب

- جواب نمبر 1 ادبی تحریکات نے اردو ادب میں نئے افکار، اصلاحی شعور، حقیقت نگاری اور قومی بیداری کو فروغ دیا۔
- جواب نمبر 2 ادبی رجحانات نے اردو ادب میں نئے موضوعات، جدید اسالیب، تخلیقی تنوع اور فکری وسعت پیدا کی۔
- جواب نمبر 3 ادبی تحریکات نے ادب کو مقصدیت، سماجی شعور، اصلاح معاشرہ اور جدید فکر سے آشنا کیا۔
- جواب نمبر 4 ادبی رجحانات کی نمایاں خدمات میں نئے اسالیب کا فروغ اور تخلیقی آزادی شامل ہیں۔
- جواب نمبر 5 ادبی تحریکات نے اردو ادب کو نئے نظریات، قومی شعور اور سماجی ذمہ داری سے روشناس کرایا۔
- جواب نمبر 6 ادبی رجحانات نے اردو ادب کی فنی ساخت، زبان، اسلوب اور اظہار کے انداز کو نئی جہت عطا کی۔
- جواب نمبر 7 ادبی تحریکات اور رجحانات کے اثرات طویل عرصے تک ادب کی فکری اور فنی روایت کا حصہ رہتے ہیں اور نئی نسل کے ادیبوں کو متاثر کرتے ہیں۔
- جواب نمبر 8 ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو فکری گہرائی، فنی پختگی، موضوعاتی وسعت اور تخلیقی تنوع عطا کیا، جس سے اردو ادب مسلسل ترقی کرتا رہا۔

3.9 امدادی کتب

- ترقی پسند ادب : علی سردار جعفری
- ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر : ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
- اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ : پروفیسر منظر اعظمی

مرتبہ نسیم قریشی :	علی گڑھ تحریک نمبر علی گڑھ میگزین
ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی :	اردو ادب میں ترقی پسند تحریک
ڈاکٹر ندیم احمد :	ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت
مرتبہ آل احمد سرور :	جدیدیت اور اردو ادب
گوپی چند نارنگ :	جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ
ڈاکٹر شمیم حنفی :	جدیدیت کی فلسفیانہ اساس
پروفیسر خلیق احمد نظامی :	سر سید اور علی گڑھ تحریک
پروفیسر ثریا حسین :	سر سید احمد خاں اور ان کا عہد
پروفیسر نور الحسن نقوی :	سر سید اور ان کے کارنامے
مولوی عبدالحق :	مطالعہ سر سید احمد خاں
سید عبداللہ :	سر سید اور ان کے نامور رفقاء
پروفیسر وہاب اشرفی :	مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات
پروفیسر ظہور الدین :	بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات
صاحب علی :	بہمنی اور ترقی پسند تحریک
ڈاکٹر ریاض احمد :	ترقی پسند تحریک اور اردو ناول

سبق نمبر 4 ادب میں تحریکات اور رجحانات کی خدمات

4.0	اغراض و مقاصد
4.1	تعارف
4.2	اردو ادب میں ادبی تحریکات کی خدمات
4.2.1	سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
4.3	اردو ادب میں رجحانات کی خدمات
4.3.1	سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
4.4	عمومی جائزہ
4.5	فرہنگ
4.6	نمونہ برائے امتحانی سوالات
4.7	مشقی سوالات
4.8	جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
4.9	امدادی کتب

4.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ ادب میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کی خدمات کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ مختلف ادوار میں وجود میں آنے والی ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کی فکری، فنی اور تہذیبی ترقی

میں کس طرح اہم کردار ادا کیا۔ اس سبق کے ذریعے آپ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہوں گے کہ ادب کی ترقی محض انفرادی تخلیقی صلاحیت کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ مختلف فکری تحریکات اور ادبی رجحانات اس کی تشکیل اور ارتقا میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ اردو ادب میں ادبی تحریکات کی خدمات، ان کے مقاصد، ان کے اثرات اور ان کی ادبی اہمیت کا تنقیدی جائزہ لینے کے قابل ہوں گے۔ اسی طرح آپ ادبی رجحانات کی فکری وسعت، فنی جدت، اسلوبی تنوع اور موضوعاتی تبدیلیوں کو بھی بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے۔ اس سبق سے آپ کی یہ صلاحیت بھی پروان چڑھے گی کہ مختلف تحریکات اور رجحانات کی خدمات کا تقابلی مطالعہ کر سکیں اور ان کی انفرادی خصوصیات کو واضح کر سکیں۔ اس سبق کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ طلبہ میں اردو ادب کے ارتقائی سفر کا شعور پیدا ہو اور وہ یہ سمجھ سکیں کہ مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات نے اردو ادب کو ہر دور میں نئی توانائی، نئے موضوعات، نئی فکری جہتیں اور نئے اسالیب عطا کیے۔ اس مطالعے کے نتیجے میں ان میں تنقیدی بصیرت، تجزیاتی صلاحیت اور ادبی شعور میں اضافہ ہوگا، جو اعلیٰ سطح پر اردو ادب کے مطالعے میں معاون ثابت ہوگا۔

4.1 تعارف

ادب کسی بھی معاشرے کی فکری، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ یہ صرف انسانی جذبات اور احساسات کے اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ معاشرتی تبدیلیوں، فکری ارتقا اور تہذیبی شعور کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ ادب کو ہر دور میں نئی زندگی اور نئی سمت دینے میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہی کی بدولت ادب میں نئے موضوعات، نئے افکار، نئے اسالیب اور اظہار کے نئے انداز سامنے آتے رہے ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادبی تحریکات اور رجحانات نے اپنے اپنے دور میں ادب کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ بعض تحریکات نے اصلاحِ معاشرہ، قومی بیداری اور جدید تعلیم کو فروغ دیا، بعض نے حقیقت نگاری اور سماجی انصاف کو ادب کا موضوع بنایا، جبکہ مختلف رجحانات نے فرد کی داخلی دنیا، جمالیاتی شعور، علامتی اظہار اور جدید فکری مباحث کو اردو ادب میں جگہ دی۔ اس طرح اردو ادب ہر دور میں نئے تقاضوں کے مطابق ترقی کرتا رہا۔

ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات صرف اس حد تک محدود نہیں کہ انہوں نے ادب کے موضوعات یا اسلوب میں تبدیلی پیدا کی، بلکہ انہوں نے ادیب کے فکر و شعور، قاری کے ذوق اور معاشرے کے ادبی مزاج کو بھی متاثر کیا۔ ان کی بدولت اردو ادب میں تنوع، وسعت، پختگی اور تخلیقی تازگی پیدا ہوئی، جس نے اسے ایک زندہ، متحرک اور ترقی پذیر ادب کی حیثیت عطا کی۔

4.2 اردو ادب میں ادبی تحریکات کی خدمات

ادبی تحریکات نے اردو ادب کو فکری استحکام، سماجی شعور اور تخلیقی وسعت عطا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مختلف ادوار میں وجود میں آنے والی تحریکات نے ادب کو محض جذباتی اظہار یا تفریح کا ذریعہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے انسانی زندگی، معاشرتی اصلاح، قومی بیداری، تعلیمی ترقی اور فکری ارتقا کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی موجودہ صورت میں مختلف ادبی تحریکات کی خدمات نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ ہر ادبی تحریک اپنے دور کے مخصوص حالات اور مسائل کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس نے ادب کو نئے مقاصد، نئی فکر اور نئے موضوعات سے روشناس کرایا۔ علی گڑھ تحریک نے جدید تعلیم، عقلی فکر اور اصلاحی شعور کو فروغ دیا، ترقی پسند تحریک نے معاشرتی انصاف، مساوات اور حقیقت نگاری کو اہمیت دی، جبکہ دیگر تحریکات نے بھی اپنے انداز میں اردو ادب کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہی تحریکات کی بدولت اردو ادب ہر دور میں زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا رہا اور اس میں مسلسل فکری اور فنی ارتقا پیدا ہوتا رہا۔

ادبی تحریکات نے اردو ادب کی فکری ترقی میں ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ہر تحریک اپنے عہد کے مخصوص سماجی، سیاسی، تعلیمی اور تہذیبی حالات کی نمائندہ ہوتی ہے اور انہی حالات کے مطابق ادب کو نئی فکر اور نئی سمت عطا کرتی ہے۔ جب معاشرے میں تبدیلی کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں تو ادبی تحریکات ان تقاضوں کو اپنے نظریات اور تخلیقی اظہار کے ذریعے ادب کا حصہ بناتی ہیں۔ اس طرح ادب محض تفریح یا جذبات کے اظہار کا وسیلہ نہیں رہتا بلکہ فکری بیداری اور شعور کی آبیاری کا مؤثر ذریعہ بن جاتا ہے۔ اردو ادب میں علی گڑھ تحریک نے جدید تعلیم، سائنسی فکر، عقلیت اور اصلاح معاشرہ کے تصورات کو فروغ دیا۔ اس تحریک نے مسلمانوں میں تعلیمی شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو نثر کو بھی نئی سمت عطا کی۔ اس کے بعد ترقی پسند تحریک نے ادب کو عوامی زندگی، سماجی انصاف، انسانی مساوات، قومی آزادی اور طبقاتی شعور سے وابستہ کیا۔ اسی طرح دیگر ادبی تحریکات نے بھی اپنے دور میں ادب کو نئے نظریات، نئے سوالات اور نئے فکری زاویے عطا کیے۔ ادبی تحریکات کی بدولت اردو ادب میں تنقیدی شعور پیدا ہوا اور ادیبوں نے اپنے معاشرے کو محض بیان کرنے کے بجائے اس کا تجزیہ اور تنقید بھی شروع کی۔ اس کے نتیجے میں ادب میں حقیقت پسندی، اصلاحی فکر، قومی شعور، انسانی ہمدردی اور سماجی ذمہ داری جیسے تصورات مضبوط ہوئے۔ یوں اردو ادب صرف ایک ادبی سرمایہ نہیں بلکہ معاشرتی شعور کی تشکیل کا مؤثر وسیلہ بھی بن گیا۔

ادبی تحریکات نے اردو ادب کی فنی ترقی میں بھی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ مختلف تحریکات کے اثر سے اردو شاعری اور نثر میں

اظہار کے نئے انداز، نئی ہیئتیں، نئی زبان اور نئے اسالیب سامنے آئے۔ ادیبوں نے روایت کا احترام کرتے ہوئے نئے تجربات کیے اور ادب کو فنی اعتبار سے زیادہ مضبوط، مؤثر اور ہمہ گیر بنایا۔ علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کو سادگی، روانی اور مقصدیت عطا کی، جس کے نتیجے میں مضمون نگاری، سوانح نگاری، تنقید، تحقیق اور ناول جیسی اصناف نے نمایاں ترقی کی۔ ترقی پسند تحریک نے افسانے، ناول اور نظم کو سماجی حقیقت نگاری سے جوڑا اور ادب میں عام انسان کی زندگی کو مرکزی حیثیت دی۔ بعد کی تحریکات نے زبان، بیان، علامت، استعارے اور فنی تجربات کے ذریعے اردو ادب کے اسلوب کو مزید وسعت بخشی۔ تحریک کے لغوی معنی حرکت دینے، کوشش کرنے محنت اور جدوجہد کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں تحریک ایک اصولی، نظریاتی اور با مقصد جدوجہد و مشن کا نام ہے۔ تحریک کی کوئی بھی نوعیت ہو سکتی ہے۔ وہ سماجی بھی ہو سکتی ہے، علاقائی ولسانی بھی، حصول حقوق اور جمہوری نظام میں مساوات کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اپنی زمینوں، پہاڑوں، قدرتی وسائل کے تحفظ کی خاطر بھی مگر ہماری تحریک ادبی تحریک ہے اور اس کے متعلق ذیل کی سطور میں گفتگو کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

دنیا کے تمام انسانوں میں حس مشترکہ کو باطنی حواسِ خمسہ کا ایک جز کہا جاتا ہے جس طرح ہر انسان سننے یا چمکنے کا احساس رکھتا ہے اس طرح اور بہت سارے احساسات مشترک نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً خطرے کا احساس خوف کا احساس، خوشی اور مسرت کے احساسات یہ وہ اہر ہے جو دنیا کے تمام انسانوں میں مشترک ہے۔ دراصل یہی مشترکہ احساس دنیا کے تمام انسانوں کو ایک رشتہ میں پروتا ہے اور انسانیت کی اقدار میں سے ایک قدر کا تعین کرتا ہے۔ اس طرح مشترکہ احساس کی بنا پر تمام انسانوں کے دکھ اور سکھ بھی مشترک ہو جاتے ہیں گو کہ ان کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ ادبی تخلیق بھی مشترک احساسات کی پیکر تراشی کا دوسرا نام ہے۔ یہ احساسات بنیادی طور پر ایک ہوتے ہیں لیکن ہر ملک، ہر علاقے اور ہر فرد کے اعتبار سے ان کی کیفیات بالائی سطح پر مختلف ہو سکتی ہیں اس کی مثال بالکل اسی طرح سے ہے کہ شعاع آفتاب کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے لیکن جس رنگ کا چشمہ لگا کر ہم اس شعاع کو دیکھیں گے چشمے کے رنگ کے مطابق ہی شعاع نظر آئے گی۔

تحریک کے اسباب و علل خود اس کے لفظ میں موجود ہیں۔ تحریک یعنی حرکت، عمل، جدوجہد کوشش جو دم کا بہاؤ، ہلچل، وغیرہ چنانچہ جب کسی قوم کسی جماعت یا گروہ کو خیال آتا ہے کہ اسے اپنے موجودہ ڈھرے اور مسیح کو تبدیل کرنا ہے تو اس کا باشعور اور دنیا جہان کا تجربہ رکھنے والا طبقہ، عالمی سطح کی خبر اور حالات سے واقفیت رکھتے ہوئے تحریک جیسا عمل برپا کرتا ہے۔ اسے ابتدا میں اپنے مشن میں یقیناً دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں، مخالفتوں اور تنقیدوں کے تیروں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اور اور نشتر زار سوالات کے جوابات بھی دینے ہوتے ہیں تاہم وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کی قوم اور مشن بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔

کبھی کبھاریوں بھی ہوتا ہے کہ عالمی سطح پر ایک تبدیلی اور انقلاب سر اٹھاتا ہے اور کئی ممالک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیتا ہے۔ اس کی کامیابی اور کامرانی دیکھ کر بھی کچھ اقوام اور ملتوں میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ انقلاب تحریک کے کارواں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جب ہم اردو ادب کی قابل ذکر تحریک ترقی پسند تحریک یا انجمن ترقی پسند مصنفین کے اسباب و علل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں سجاد ظہیر کی مندرجہ ذیل تحریر سے روشنی اور رہنمائی ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”میسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک میں سماجی اصلاح (سوشل ریفارم) کے علاوہ سیاسی اصلاح کا مطالبہ بھی واضح طور سے درمیانی طبقے کے دماغوں میں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ نیز بنگال اور مہاراشٹر میں ہندو جو انوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ بیرونی حکمرانوں کے خلاف دہشت انگیزی کے حربے استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن اعتدال پسند اور انتہا پسند دونوں نظریوں میں ان ہی دو تخیلوں کا میل تھا جو اس کے پہلے کی تحریکوں کی نمایاں خصوصیت تھی۔ یعنی ایک طرف احیا پرستی تو دوسری طرف مغربی جمہوری تخیل۔ بنگال اور مہاراشٹر کے ہندو جو انوں کے ذہنی رہنما رہندو گوش اور بال گنگا دھر تلک تھے جو ہندو مذہبی خیالات کی بنا پر لوگوں میں قومی آزادی کے جذبے کو بیدار کرتے تھے۔“

انقلاب اور تحریک کے اصل محرک اور داعی، اسی طرح سپہ سالار نو جوان ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے ہی سروں میں سرفروشی کی تمنا جاگتی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی قوم اور طبقے کا اصل سرمایہ نو جوان ہی ہوتے ہیں۔ لہذا وہی تحریک جیسے امور اور مشنز کو کامیابی سے ہم کنار کر سکتے ہیں اور انھیں فروغ بھی دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سجاد ظہیر رقم طراز ہیں:

”36-1935 کے قریب کا زمانہ ہمارے ملک کے نو جوانوں، دانشوروں کے لیے بہت بڑی ذاتی چھان بین، کھوج تبدیلیوں اور زندگی کی نئی راہیں دریافت کرنے کا زمانہ تھا۔ نو جوان اس تلاش میں تھے کہ خدا ترسی، سادگی، انصاف، سچائی، اخوت اور مسادات کی اقدار کو... جو ہمارے بزرگوں کی عظمت کا بنیادی سبب تھیں، دوبارہ زندہ کرنے اور پھیلانے کا طریقہ کیا تھا؟

اس سوال کا جواب دو طریقوں سے دیا جاتا تھا... اصلاح اور تعلیم۔ یعنی اول تو ہم اپنے مذہبی عقائد اور سماجی رسوم میں ایسی اصلاح کریں جو مغرب کے جدید خیالات کی روشنی میں دقیقاً نویسی اور بعید از عقل معلوم نہ ہوں۔ اور دوسرا

طریقہ جدید تعلیم کا زیادہ سے زیادہ حصول ہے۔

اگر ایک طرف اپنے عقائد اور اپنے ماضی کی تاریخ کو اس نئے طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی تو دوسری طرف اس بات پر بھی زور دیا جاتا تھا کہ ہم انگریزی اسکولز اور کالجز میں جدید تعلیم حاصل کریں۔

اس طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحریکات کے اسباب و عوامل قومی دعوائی اصلاح اور قوموں کے یکساں ڈھروں میں تبدیلی اور انقلابی عمل اور کوششیں ہوتی ہیں۔ جن کا مقاصد بگاڑ میں سدھار اور خرابی میں اچھائی، اور تخریب میں تعمیر ہوتا ہے۔ ادبی تحریکیں ادب کو اسی طرح کی فلسفیانہ، حالاتی یا جمالیاتی خصوصیات کے زمروں میں تقسیم کرنے کا ایک طریقہ ہیں، جیسا کہ صنف یا مدت کے لحاظ سے تقسیم کے برخلاف دیگر زمروں کی طرح، ادبی تحریکیں ادبی کاموں کا موازنہ اور بحث کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان کے اسلوب پسندانہ انتخاب سے آگاہ کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ یہ تحریکیں عام طور پر عالمی واقعات کی عکاسی کرتی ہیں جیسے جنگیں، معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلی، یا اقتدار میں تبدیلی۔ جب آپ کوئی ایسی ادبی تحریر پڑھتے ہیں جو کسی میں تحریک کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اکثر، ادبی تحریکیں ایک بڑی فنکارانہ تحریک کے اندر موجود ہوتی ہیں جس میں موسیقی، بصری فن فلم اور تحریر بھی کچھ اسی طرح کے فلسفے کی پیروی کرتے ہیں۔ مختلف حرکات کو سمجھنے سے ہمیں ان مصنفین اور ان کے کارناموں کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جن سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں نیز رہ نمائی کرنے والے نظریات فراہم کر سکتے ہیں جنہیں، آپ اپنے کام کو بڑھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

تحریک اور رجمان کے درمیان فرق بہت باریک ہے۔ دراصل ابتدا میں کوئی سلسلہ یا جدوجہد محض تحریک ہوتی ہے مگر مابعد جب اس میں مختلف نظریات، سماجیات اور سیاسیات داخل ہو جاتی ہیں اور اسے ایک پائے دار شکل حاصل ہو جاتی ہے تو وہ رجمان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ادبی تحریک میں سیاست یا معاشیات کی طرح کسی ٹھوس شے کا حصول مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کی اساس ذہنی ہوتی ہے اس لیے ادب میں تحریک بالکل ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک رجمان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رجمان سے تحریک بنتی ہے اور پھر رجمان ہی پر منتج ہوتی ہے۔ ان تمام تحریکات کا تجزیہ کرنے کے بعد جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ تحریک عارضی اور لحاتی ہوتی ہے جبکہ رجمان پائیدار حیثیت رکھتا ہے دونوں کے درمیان ایک دلچسپ رشتہ ہوتا ہے یعنی رجمان کبھی کبھی تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور تحریک اپنے دور زوال میں رجمان بن جاتی ہے۔

کسی بھی ادب، مشن، جماعتی کارکردگی اور مہم کے لیے تحریک 'روح' اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ہم مشن، ادب اور

جماعتی کارکردگی نہ تو اس کے یعنی تحریک کے بغیر کامیابی حاصل کر سکتی ہے اور مقصد کا حصول بھی ناممکن ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ابتدا میں نہایت جوش و خروش اور تزک و احتشام سے کسی مقصد اور مہم کا آغاز ہوتا ہے، افراد اس سے وابستہ ہوتے ہیں اور اس کی خاطر خواہ حمایت بھی ہوتی ہے مگر کچھ عرصے بعد نہ وہ مہم ہی رہتی اور مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے اس میں تحریک جیسا اہم عنصر شامل نہیں ہوتا جو ان کے تن مردہ میں روح بن کر دوڑے۔ نظریات و خیالات کی اشاعت تحریک کے دوش پر ہی ممکن ہے۔ نیز تحریک ہی وہ ذریعہ ہے جو اسے عوام و خواص اور ان افراد تک پہنچا سکتی ہے جو ان نظریات و خیالات اور مقاصد کے اہداف ہیں۔ یوں تحریک کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تحریک کی اہمیت و افادیت ان معنوں میں بھی ہے کہ چوں کہ اس کا اولین ہدف ادب ہوتا ہے اور ادب سماج کا آئینہ و ترجمان تحریک چوں کہ کسی نہ کسی طرح سے عوام و سماج کو متاثر کرتی ہے اور اس کی ڈگر موڑتی ہے۔ لہذا اس کی ضرورت دو چند ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تحریک ادب اور عوام کو خواب غفلت سے بیدار کرتی ہے اور ان دونوں کو با مقصد بنانے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ تحریک خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی وہ ادب کے جمود کو توڑ کر اسے فعال اور بار آور بنانے کا کارنامہ انجام دیتی ہے، اسے ہمہ گیری و آفاقیت عطا کرتی ہے، اس کا قد اور سایہ دراز کرتی ہے، اس کا عہدہ و مرتبہ بلند کرتی ہے۔ اسی طرح تحریک کا پانی جب ادب اور لسانیات، ارتقائی مہمات و افکار کی سنگلاخ زمینوں پر پڑتا ہے تو ان میں افادیت و عوامی ترسیل و خدمت کے جواہر پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ تحریک سماجی انسلالات و سروکار سے ہوتے ہوئے ادب تک پہنچتی ہے، باوجود اس کے اس کی قلمرو کا دائرہ اور حلقہ وسیع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ فرد سازی اور فرد کی کل جہات کو اپنی دسترس میں رکھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ جب ہم اردو ادب کی سابقہ اور موجودہ تحریکات و رجحانات اور مہمات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہی نقوش ملتے ہیں اور تحریک اپنے مشن و ہم میں مصروف نظر آتی ہے۔

ادبی تحریکات کی ایک اہم خدمت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اردو ادب میں مختلف اصناف کو ترقی دی اور انہیں نئے موضوعات سے ہم آہنگ کیا۔ غزل، نظم، افسانہ، ناول، ڈراما، تنقید اور تحقیق ہر صنف نے مختلف تحریکات سے اثر قبول کیا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب فنی اعتبار سے زیادہ پختہ، متنوع اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا گیا۔ آج اردو ادب کی فنی وسعت اور اسلوبی تنوع میں ادبی تحریکات کی خدمات نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔

4.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں کس چیز کو فروغ دیا؟

الف۔ جدید تعلیم اور اصلاحی فکر ب۔ داستان گوئی

ج۔ صرف قصیدہ نگاری د۔ صرف مثنوی

سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک نے کس پہلو کو زیادہ اہمیت دی؟

الف۔ سماجی انصاف ب۔ محض تفریح

ج۔ درباری زندگی د۔ صرف عشقیہ شاعری

سوال نمبر 3 ادبی تحریکات نے اردو ادب میں کیا پیدا کیا؟

الف۔ فکری بیداری ب۔ جمود

ج۔ تقلید د۔ بے مقصدیت

سوال نمبر 4 ادبی تحریکات نے اردو نثر کو کس خصوصیت سے آراستہ کیا؟

الف۔ سادگی اور مقصدیت ب۔ پیچیدگی

ج۔ غیر ضروری مبالغہ د۔ غیر واضح اسلوب

سوال نمبر 5 ادبی تحریکات کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

الف۔ ادب کو معاشرے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ب۔ صرف تفریح فراہم کرنا

ج۔ صرف قدیم روایت کو برقرار رکھنا د۔ صرف شاعری کو فروغ دینا

4.3 اردو ادب میں رجحانات کی خدمات

ادبی رجحانات نے اردو ادب کی ترقی میں اتنا ہی اہم کردار ادا کیا ہے جتنا ادبی تحریکات نے۔ اگرچہ ادبی رجحانات کسی باقاعدہ تنظیم یا

منشور کے تحت وجود میں نہیں آتے، لیکن ان کا اثر ادب کی فکری اور فنی تشکیل پر نہایت گہرا ہوتا ہے۔ مختلف ادوار میں پیدا ہونے والے رجحانات نے اردو ادب کو نئے موضوعات، نئے اسالیب، نئے فکری زاویوں اور جدید تخلیقی امکانات سے روشناس کرایا۔ ان رجحانات نے ادیب کو اپنے عہد کے مسائل کو نئے انداز سے دیکھنے اور انہیں مؤثر طریقے سے پیش کرنے کا شعور عطا کیا۔ ادبی رجحانات نے ادب کو روایت اور تقلید کی محدود فضا سے نکال کر تحقیق، تجربے اور تخلیقی آزادی کی طرف راغب کیا۔ ان کے نتیجے میں اردو ادب میں فکری تنوع، اظہار کی وسعت اور اسلوبی جدت پیدا ہوئی۔ ہر رجحان نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ادب کو نئی جہت عطا کی اور اسے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ رکھا۔ اسی لیے اردو ادب کی موجودہ ترقی میں مختلف ادبی رجحانات کی خدمات نہایت اہم اور قابل قدر سمجھی جاتی ہیں۔

ادبی رجحانات نے اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ ابتدا میں ادب کا زیادہ تر انحصار روایت، حسن و عشق اور اخلاقی موضوعات پر تھا، لیکن وقت کے ساتھ مختلف رجحانات نے انسانی زندگی کے نئے پہلوؤں کو ادب کا حصہ بنایا۔ حقیقت نگاری نے عام انسان کی زندگی، معاشرتی مسائل اور حقیقی حالات کو اہمیت دی، رومانیت نے جذبات، تخیل اور حسنِ فطرت کو فروغ دیا، جبکہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے انسانی وجود، داخلی کشمکش، تنہائی، شناخت اور عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کو ادب میں نمایاں مقام دیا۔ اسی طرح ادبی رجحانات نے اسلوب بیان میں بھی نمایاں جدت پیدا کی۔ زبان زیادہ سادہ، مؤثر اور بامعنی ہوئی، علامتوں، استعاروں، تمثیلوں اور جدید فنی تکنیکوں کا استعمال بڑھا، جس سے اردو ادب کی فنی خوبصورتی اور معنوی گہرائی میں اضافہ ہوا۔ افسانہ، ناول، نظم، غزل اور تنقید سمیت تمام ادبی اصناف نے ان رجحانات سے اثر قبول کیا اور اظہار کے نئے امکانات پیدا ہوئے۔ اردو ادب کی ترقی میں ادبی رجحانات کی اہمیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ انہی کی بدولت ادب ہر دور میں نئے حالات اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا رہا۔ اگر ادبی رجحانات وجود میں نہ آتے تو ادب روایت کے محدود دائرے میں مقید رہ جاتا اور اس میں جدت، تازگی اور فکری وسعت پیدا نہ ہو سکتی۔ ادبی رجحانات نے تخلیق کاروں کو آزادانہ فکر، نئے تجربات اور منفرد اظہار کی ترغیب دی، جس سے اردو ادب کی تخلیقی قوت میں اضافہ ہوا۔

ادبی رجحانات نے قاری کے ذوق کو بھی وسعت بخشی اور اسے ادب کو مختلف زاویوں سے سمجھنے کا شعور عطا کیا۔ انہوں نے تنقیدی فکر کو فروغ دیا، ادبی مباحث کو وسعت دی اور ادب کو عالمی فکری دھاروں سے ہم آہنگ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اردو ادب موضوعات، اسالیب اور فکری تنوع کے اعتبار سے ایک بھرپور اور ترقی یافتہ ادب کے طور پر اپنی شناخت رکھتا ہے۔ ادبی رجحانات کی یہی خدمات اردو ادب کی بقاء، ارتقاء اور عصری معنویت کی ضامن ہیں۔

4.3.1 سرگرمی: 2: آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- | | |
|-------------|--|
| سوال نمبر 1 | ادبی رجحانات نے اردو ادب میں نئے _____ کو فروغ دیا۔ |
| سوال نمبر 2 | حقیقت نگاری نے _____ کی زندگی کو ادب کا موضوع بنایا۔ |
| سوال نمبر 3 | رومانیت نے _____ اور تخیل کو اہمیت دی۔ |
| سوال نمبر 4 | جدیدیت نے انسان کی _____ کشمکش کو نمایاں کیا۔ |
| سوال نمبر 5 | ادبی رجحانات نے اردو ادب میں _____ اور تخلیقی آزادی کو فروغ دیا۔ |

4.4 عمومی جائزہ

انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو ادب میں کئی نامور اور طویل المدت ادبی تحریکات نے جنم لیا، جن میں اصلاح زبان کی تحریک علی گڑھ یا سرسید تحریک، رومانوی تحریک ترقی پسند تحریک اور جدیدیت جیسے رجحانات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے زیر سایہ اور بھی کئی تحریکات نے جنم لیا مگر قابل ذکر یہی ہیں، انھوں نے اردو ادب، اردو تاریخ اردو زبان و تخلیقات تنقید و دیگر اصناف ادب کی خاطر Booster کا کردار ادا کیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ یہ ایسے ادوار میں ابھریں جب ان کی شدید ضرورت تھی۔ یوں تو تحریک ہر عمل کے لیے ضروری اور لازمی ہے مگر ادب اور سماج کے نقطہ نظر سے تحریک کو خصوصی اہمیت و افادیت حاصل ہے۔ کیوں کہ اس سے ادب میں جان پڑ جاتی ہے اور ادب کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔ ادب اور سماج میں موجود برائیوں اور خامیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان کی ترقی و بقا کی خاطر کی جانے والی نظریاتی اور فکریاتی کوششیں با مراد ہو جاتی ہیں۔

تحریک کیا ہے اور کیوں وجود میں آتی ہے؟ اسے چند لفظوں میں یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ تحریک کسی ڈھانچے میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح روح کے بغیر ہر وجود لاش ہے، اسی طرح ادب اور سماج بھی اس کے بغیر مردہ نظر آتا ہے۔ اس مٹی میں خاصیت نمودار افادی کمالات تحریک کے پانیوں کے چھڑکاؤ اور بہاؤ سے ہی ہوتا ہے۔ سماجی بیداری اور ادب کو اس کے حقیقی مقاصد و مہمات سے روشناس و بیدار کرنے

والا عنصر تحریک ہی ہے۔ لہذا اس کی اہمیت و افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔ حرکت، چہل پہل، کوشش، جدوجہد، تکمیل مشن اور حصول مقصد کے لیے لگن، یہ سب کے سب تحریک کے اصطلاحی معانی ہیں جن کی اہمیت اپنے تئیں ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تحریک ایک ایسا وجود ہے یا حقیقت ہے جو دوسرے وجود اور حقائق کے لیے نسخہ کی میا پارس کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے محض مس ہونے اور رگڑ لگنے سے ہی ان میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ باعمل و بافیض بن جاتے ہیں۔ اس لیے تحریکات کی ہر دور، ہر سماج اور ہر ادب میں خصوصی اہمیت رہی ہے اور اس کی ضرورت کا ادراک سب نے کیا ہے۔

ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات اردو ادب کی ترقی کے دو ایسے بنیادی عناصر ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں ادب کو فکری، فنی اور تہذیبی اعتبار سے نئی جہتیں عطا کیں۔ ادبی تحریکات نے ادب میں مقصدیت، اصلاح معاشرہ، قومی شعور، سماجی ذمہ داری اور حقیقت نگاری جیسے تصورات کو فروغ دیا، جبکہ ادبی رجحانات نے تخلیقی آزادی، فکری تنوع، جمالیاتی شعور اور اظہار کے نئے اسالیب کو رواج دیا۔ ان دونوں کے باہمی اثرات نے اردو ادب کو ہر دور میں زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا۔ اردو ادب کی مختلف اصناف، خواہ شاعری ہو یا نثر، ان تحریکات اور رجحانات کی خدمات سے بھرپور طور پر مستفید ہوئی ہیں۔ غزل، نظم، افسانہ، ناول، ڈراما، تنقید اور تحقیق ہر صنف نے مختلف تحریکات اور رجحانات سے اثر قبول کیا، جس کے نتیجے میں اردو ادب کے موضوعات، زبان، اسلوب اور فنی ساخت میں مسلسل وسعت اور پختگی پیدا ہوئی۔ یہی عمل اردو ادب کے ارتقا اور اس کی عصری معنویت کا بنیادی سبب بنا۔ ادبی تحریکات اور رجحانات کی خدمات کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ادب کو انسانی زندگی کے قریب تر کر دیا۔ ادب میں عام انسان کے مسائل، سماجی ناہمواری، قومی احساس، نفسیاتی کیفیات، تہذیبی شناخت، انفرادی تجربات اور عالمی فکری تبدیلیوں کو جگہ ملی۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب صرف ایک ادبی روایت نہیں رہا بلکہ معاشرے کے فکری ارتقا اور تہذیبی شعور کا مؤثر ترجمان بن گیا۔ ادب میں تحریکات (Movements) اور رجحانات (Trends) نے زبان و بیان کو جدیدیت، حقیقت نگاری اور اصلاحی پہلوؤں سے روشناس کرایا۔ ادب میں تحریکات (Movements) اور رجحانات (Trends) کی اہمیت وہی ہے جو انسانی جسم میں خون کی گردش کی ہوتی ہے۔ یہ صرف لکھنے کے طریقے نہیں بدلتے، بلکہ پورے معاشرے کی سوچ، نفسیات اور ترجیحات کو تبدیل کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

اردو ادب کے حوالے سے اگر تحریکات اور رجحانات کی اہم خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی چند نمایاں خدمات درج ذیل ہیں:

(۱) فکری اور شعوری تبدیلی تحریکات ادب کو روایتی جمود سے نکالتی ہیں۔ جب معاشرہ کسی ایک ڈگر پر چلتے ہوئے تھک جاتا ہے، تو نئی تحریکیں

اسے نئے نظریات فراہم کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر علی گڑھ تحریک نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور ادب کو ”گل و بلبل“ کے قصوں سے نکال کر مقصدیت اور اصلاحِ معاشرہ کی طرف موڑ دیا۔

(۲) زبان و بیان میں وسعت اور سادگی: رجحانات کے بدلنے سے زبان کا اسلوب بدلتا ہے۔ پرانی، بوجھل اور مشکل زبان کی جگہ عوامی اور سہل زبان لے لیتی ہے تاکہ پیغام عام آدمی تک پہنچ سکے۔ مثلاً سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے اردو نثر کو لفاظی سے پاک کر کے ایک ایسی زبان دی جو سائنس، فلسفہ اور تاریخ کو بیان کرنے کے قابل تھی۔

(۳) نئے اصنافِ سخن کا تعارف: تحریکات اپنے ساتھ نئے فارمیٹس لے کر آتی ہیں۔ اردو میں ناول، جدید نظم، انشائیہ اور افسانہ کسی نہ کسی تحریک یا رجحان کے مرہونِ منت ہیں۔ مثال کے طور پر اس تحریک نے افسانے اور آزاد نظم کو وہ عروج بخشا جس کی بدولت کہ زندگی کے تلخ حقائق ادب کا حصہ بن گئے۔

(۴) معاشرتی مسائل کی ترجمانی: رجحانات ادب کو ”آرٹ برائے آرٹ“ (صرف خوبصورتی) سے نکال کر ”آرٹ برائے زندگی“ (مقصدیت) کی طرف لاتے ہیں۔

(۵) حقیقت نگاری: ادب کے ذریعے غربت، بھوک، جنسی استحصال اور سیاسی جبر جیسے موضوعات پر کھل کر بات کی جانے لگی۔ سعادت حسن منٹو اور کرشن چندر کی تحریریں اس کی بڑی مثالیں ہیں۔

بین الاقوامی ادب سے ہم آہنگی: مختلف تحریکیں (جیسے رومانیت، وجودیت، یا جدیدیت) اردو ادب کو عالمی ادب کے برابر لا کھڑا کرتی ہیں۔ اس سے ترجمے کی روایت کو فروغ ملتا ہے اور عالمی افکار مقامی ادب میں جذب ہوتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اردو ادب میں سرسید تحریک، ترقی پسند تحریک، اور حلقہ اربابِ ذوق نے سماجی تبدیلیوں، وطن پرستی، بھوک، افلاس اور نفسیاتی پہلوؤں کو ادب کا حصہ بنا کر اسے زندگی کے قریب کیا اور فرسودہ روایات سے نجات دلائی۔ غرض اردو میں ادبی تحریکات دراصل ہر عہد کے انسان کی پکار بنتی ہیں جو اسے نئے ڈھنگ سے جینا اور پڑھنا لکھنا سکھاتی ہیں۔

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات نے اردو ادب کو نئی فکر، نئی زبان، نئے موضوعات اور نئے اسالیب عطا کیے۔ انہی کی بدولت اردو ادب مسلسل ترقی کی منازل طے کرتا رہا اور آج بھی اپنی فکری گہرائی، فنی پختگی اور تخلیقی تنوع کی وجہ سے عالمی ادبی منظر نامے میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔

4.5 فرہنگ

تحریک	: منظم ادبی کوشش
رجحان	: فکری میلان
خدمت	: اہم کارنامہ
فکر	: سوچ
فکری	: ذہنی
فن	: ہنر
فنی	: فن سے متعلق
موضوع	: مرکزی خیال
اسلوب	: اندازِ بیان
تخلیق	: نیا ادبی اظہار
تخلیق کار	: ادب تخلیق کرنے والا
جمالیات	: حسن کا شعور
حقیقت نگاری	: حقیقی زندگی کی عکاسی
رومانیت	: جذبات اور تخیل پر مبنی رجحان
جدیدیت	: جدید افکار پر مبنی رجحان
مابعد جدیدیت	: جدیدیت کے بعد کا فکری رجحان
علامت	: اشارتی لفظ یا نشانی
استعارہ	: مجازی اظہار
تمثیل	: مثال کے ذریعے وضاحت

تنوع	: گونا گونی
وسعت	: پھیلاؤ
ارتقا	: تدریجی ترقی
اصلاح	: بہتری
عقلیت	: عقل پر مبنی طرز فکر
شعور	: آگہی
تہذیب	: تمدنی اقدار
ثقافت	: معاشرتی ورثہ
روایت	: چلی آنے والی رسم
جدت	: نیا پن
ترجمانی	: نمائندگی
عکاسی	: تصویر پیش کرنا
تجزیہ	: باریک بینی سے جائزہ
تنقید	: خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ
تخیل	: تصور کی قوت
انفرادیت	: شخصی خصوصیت
اجتماعیت	: مشترکہ حیثیت

4.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب کی فکری اور فنی ترقی میں ادبی تحریکات کی خدمات پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال نمبر 2 اردو ادب کی ترقی میں ادبی رجحانات کے کردار اور خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

- سوال نمبر 3 ادب میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کی خدمات کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب پر ادبی رجحانات کے اثرات پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب کی ترقی میں ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کی مجموعی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 6 ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات نے اردو ادب کو کن نئی جہتوں سے آشنا کیا؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

4.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ادبی تحریکات سے کیا مراد ہے اور اردو ادب میں ان کی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 2 ادبی رجحانات نے اردو ادب کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟
- سوال نمبر 3 اردو ادب کی فکری ترقی میں ادبی تحریکات کی خدمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب کی فنی ترقی میں ادبی تحریکات کے کردار کو واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب پر ادبی رجحانات کے اثرات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب میں ادبی رجحانات کی اہمیت پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔
- سوال نمبر 7 ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات کی مشترکہ خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکات اور رجحانات کی مجموعی اہمیت واضح کیجیے۔

4.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

1۔ الف

2۔ الف

3۔ الف

4۔ الف

5۔ الف

جوابات سرگرمی 2

1۔ موضوعات

2۔ عام انسان

3۔ جذبات

4۔ داخلی

5۔ جدت

مشقی سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 ادبی تحریکات منظم ادبی اور فکری کوششیں ہیں جنہوں نے اردو ادب میں جدید فکر، اصلاح معاشرہ، قومی شعور اور حقیقت نگاری کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 2 ادبی رجحانات نے اردو ادب میں نئے موضوعات، جدید اسالیب، فکری وسعت اور تخلیقی آزادی کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 3 ادبی تحریکات نے اردو ادب میں تعلیمی شعور، سماجی اصلاح، قومی بیداری اور تنقیدی فکر کو مضبوط بنایا۔

جواب نمبر 4 ادبی تحریکات نے اردو نثر اور شاعری میں نئے اسالیب، سادہ زبان، مؤثر اظہار اور مختلف ادبی اصناف کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

جواب نمبر 5 ادبی رجحانات نے اردو ادب کے موضوعات کو وسعت دی، اسلوب بیان میں جدت پیدا کی اور تخلیقی اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے۔

جواب نمبر 6 ادبی رجحانات نے اردو ادب کو فکری تنوع، جمالیاتی شعور، جدید فکر اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

جواب نمبر 7 ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات دونوں نے اردو ادب کی فکری، فنی، لسانی اور موضوعاتی ترقی میں اہم خدمات انجام دیں اور ادب کو معاشرے کے قریب تر بنایا۔

جواب نمبر 8 ادبی تحریکات اور ادبی رجحانات نے اردو ادب کو نئی فکر، نئے موضوعات، جدید اسالیب، تخلیقی وسعت اور فنی پختگی عطا کی،

4.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	:	علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	:	ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	:	پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	:	مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	:	ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	:	ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	:	مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	:	گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	:	ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	:	پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	:	پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	:	پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	:	مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	:	سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	:	پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	:	پروفیسر ظہور الدین
بمبئی اور ترقی پسند تحریک	:	صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	:	ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر- 5 علی گڑھ تحریک: اغراض و مقاصد

- | | |
|-------|--------------------------------------|
| 5.0 | اغراض و مقاصد |
| 5.1 | تعارف |
| 5.2 | علی گڑھ تحریک کا پس منظر |
| 5.2.1 | علی گڑھ تحریک کے آغاز کے اسباب |
| 5.2.2 | علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد |
| 5.2.3 | سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 5.3 | علی گڑھ تحریک کی اہمیت |
| 5.3.1 | علی گڑھ تحریک کی نمایاں خدمات |
| 5.3.2 | سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 5.4 | عمومی جائزہ |
| 5.5 | فرہنگ |
| 5.6 | نمونہ برائے امتحانی سوالات |
| 5.7 | مشقی سوالات |
| 5.8 | جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات |
| 5.9 | امدادی کتب |

5.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ علی گڑھ تحریک کے تاریخی پس منظر، اس کے قیام کے اسباب اور اس کے بنیادی اغراض و مقاصد کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ انیسویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کو جن سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی مسائل کا سامنا تھا، ان حالات میں علی گڑھ تحریک کیوں وجود میں آئی اور اس نے مسلمانوں کی زندگی میں کیا تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس سبق کے ذریعے آپ اس تحریک کی فکری بنیادوں، اس کے اصلاحی نظریات اور اس کے دور رس اثرات سے بھی واقف ہوں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ اس قابل ہوں گے کہ سرسید احمد خاں کی شخصیت اور ان کی اصلاحی خدمات کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ علی گڑھ تحریک نے جدید تعلیم، سائنسی شعور، مذہبی اعتدال، سماجی اصلاح اور قومی بیداری کو کس طرح فروغ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اردو زبان و ادب کی ترقی میں اس تحریک کے کردار اور اس کی علمی و ادبی خدمات کا بھی تجزیہ کر سکیں گے۔ اس سبق کا مقصد یہ بھی ہے کہ طلبہ میں تاریخی شعور، تنقیدی بصیرت اور تحقیقی ذوق پیدا ہو، تاکہ وہ علی گڑھ تحریک کو محض ایک تعلیمی تحریک کے طور پر نہیں بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، سماجی اور ادبی بیداری کی ایک جامع تحریک کے طور پر سمجھ سکیں۔ اس مطالعے سے طلبہ اردو ادب کی بعد کی ادبی تحریکات کے پس منظر کو بھی بہتر انداز میں سمجھنے کے قابل ہوں گے۔

5.1 تعارف

انیسویں صدی برصغیر کی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن دور تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سماجی میدانوں میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریزی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانوں کی بڑی تعداد جدید تعلیم سے دور ہو گئی، جس کے نتیجے میں ان کی علمی، معاشی اور سماجی حالت مسلسل زوال کا شکار ہوتی گئی۔ ایسے نازک حالات میں ایک ایسی تحریک کی ضرورت محسوس کی گئی جو مسلمانوں میں جدید شعور پیدا کرے، انہیں تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرے اور انہیں بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر سرسید احمد خاں نے علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں جدید تعلیم کو فروغ دینا، سائنسی طرز فکر کو عام کرنا، سماجی اصلاح کو ممکن بنانا اور نئی نسل کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ سرسید احمد خاں نے اس مقصد کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے، علمی و ادبی رسائل جاری کیے، متعدد علمی کتابیں تصنیف کیں اور اردو زبان کو جدید علمی اظہار کا ذریعہ بنانے کی

کوشش کی۔ علی گڑھ تحریک صرف ایک تعلیمی تحریک نہیں تھی بلکہ ایک ہمہ گیر اصلاحی تحریک تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، سماجی، تعلیمی اور ادبی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے اردو نثر کو نئی سمت عطا کی، تحقیق اور تنقید کے نئے رجحانات کو فروغ دیا اور ادب کو حقیقت پسندانہ اور مقصدی فکر سے روشناس کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ تحریک کو اردو ادب اور برصغیر کی جدید تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

5.2 علی گڑھ تحریک کا پس منظر

علی گڑھ تحریک برصغیر کے مسلمانوں کی فکری اور تعلیمی بیداری کی ایک عظیم اصلاحی تحریک تھی، جس نے انیسویں صدی کے بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو نئی زندگی عطا کرنے کی کوشش کی۔ اس تحریک کا پس منظر ان سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی حالات سے جڑا ہوا ہے جو خصوصاً 1857ء کے بعد پیدا ہوئے۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان ہر میدان میں پسماندگی کا شکار ہو گئے۔ سرکاری ملازمتوں، جدید تعلیم اور انتظامی شعبوں میں ان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر رہ گئی، جس سے ان کے اندر مایوسی اور بے اعتمادی پیدا ہونے لگی۔ ایسے حالات میں سرسید احمد خاں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ جدید تعلیم، سائنسی شعور اور مثبت طرز فکر کو اختیار کرنا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو پرانے تعصبات اور فرسودہ تصورات سے نکال کر جدید علوم کی طرف متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی، رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا اور محمدن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی، جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی صورت میں ایک عظیم علمی ادارہ بن گیا۔ علی گڑھ تحریک کا پس منظر اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ صرف تعلیمی اصلاح کی تحریک نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد مسلمانوں میں خود اعتمادی، علمی بیداری، سماجی اصلاح، مذہبی اعتدال اور قومی شعور کو فروغ دینا بھی تھا۔ یہی عناصر بعد میں اردو ادب کی نئی فکر، نئی نثر اور جدید ادبی رجحانات کی بنیاد بنے اور اردو ادب کے ارتقا میں اس تحریک کو ایک نمایاں مقام حاصل ہوا۔

5.2.1 علی گڑھ تحریک کے آغاز کے اسباب

علی گڑھ تحریک کے آغاز کے پیچھے متعدد سیاسی، سماجی، تعلیمی اور مذہبی عوامل کار فرما تھے۔ انیسویں صدی کے وسط تک برصغیر کے مسلمان علمی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے شدید زوال کا شکار ہو چکے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد یہ صورت حال مزید سنگین ہو گئی۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بغاوت کا ذمہ دار سمجھا، جس کے نتیجے میں وہ سرکاری ملازمتوں، انتظامی شعبوں اور تعلیمی اداروں سے دور ہوتے گئے۔ اس پسماندگی نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر گہرے منفی اثرات مرتب کیے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جدید علوم اور انگریزی

تعلیم سے گریز کرتی تھی۔ قدیم طرزِ تعلیم اگرچہ دینی علوم کی تعلیم دیتی تھی، لیکن بدلتے ہوئے دور کے سائنسی، فنی اور انتظامی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھی۔ نتیجتاً مسلمان ترقی کی دوڑ میں دیگر طبقات سے پیچھے رہ گئے۔ سرسید احمد خاں نے اس صورتِ حال کا گہرا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک مسلمان جدید تعلیم، سائنسی علوم اور عملی مہارت حاصل نہیں کریں گے، اس وقت تک ان کی ترقی ممکن نہیں ہوگی۔ اسی احساس کے تحت سرسید احمد خاں نے ایک ایسی تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنا، جدید علوم کی طرف رغبت پیدا کرنا، سماجی اصلاح کو فروغ دینا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنا تھا۔ انہوں نے مختلف تعلیمی اور ادبی ادارے قائم کیے، علمی رسائل شائع کیے اور اپنے مضامین و خطبات کے ذریعے مسلمانوں کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی تلقین کی۔ یہی عوامل علی گڑھ تحریک کے آغاز کا بنیادی سبب بنے۔

5.2.2 علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد

علی گڑھ تحریک کا بنیادی مقصد برصغیر کے مسلمانوں کو تعلیمی، سماجی، فکری اور معاشی اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ سرسید احمد خاں کا یقین تھا کہ جدید تعلیم کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، اس لیے انہوں نے جدید سائنسی علوم اور انگریزی تعلیم کے فروغ کو اپنی تحریک کا بنیادی ہدف بنایا۔ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان قدامت پسند سوچ سے نکل کر عقل، تحقیق اور مشاہدے کی بنیاد پر زندگی کے مسائل کو سمجھیں اور جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو فروغ دیں۔ اس تحریک کا ایک اہم مقصد مذہبی اور سماجی اصلاح بھی تھا۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں میں پائی جانے والی فرسودہ رسموں، غیر ضروری تعصبات اور تنگ نظری کے خلاف آواز بلند کی۔ انہوں نے مذہبی تعلیمات کی عقلی تشریح پر زور دیا اور مسلمانوں کو اتحاد، رواداری، اخلاقی کردار، محنت، دیانت داری اور علمی جستجو کی تلقین کی۔ ان کا خیال تھا کہ ایک مضبوط اور تعلیم یافتہ معاشرہ ہی ترقی اور خوش حالی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کا غدر ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور نفسیاتی زندگی میں ایک زبردست انقلاب کا آغاز کیا۔ ملک عہدِ وسطیٰ کے دھندلکوں سے نکل کر بیداری اور روشنی کے جدید دور میں داخل ہوا۔ سید احتشام حسین نے لکھا ہے:-

”۱۸۵۷ء کا انقلاب ایک خاموش، کسی حد تک غیر منظم اور مبہم قومی احساس کا وہ نقطہ آخر تھا۔ جس کے بعد سے

ہندوستانی ذہن نے ایک نیا سفر شروع کیا۔ اور گو اس میں قدیم افکار و خیال اور چھوٹی ہوئی منزلوں کی گرد بھی

شامل تھی۔ لیکن آگے کے منزلوں میں قدم اٹھاتے وقت ایک نئے شعور کی رہبری ضرور کام آئی۔ اس لئے اسے غدر

کے بجائے انقلاب کہنا ہی موزوں ہوگا۔“

عصر کے بعد انگریز مکمل طور پر ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ اور اپنے ساتھ اپنی زبان، تہذیب و تمدن، عادات و اطوار، خیالات و نظریات لے آئے۔ انگریزی معاشرت اور تہذیب براہ راست ہندوستانی زندگی پر اثر انداز ہونے لگی۔ اس سلسلے میں حسن یحییٰ عندلیپ نے اپنے مقالے ”اردو ادب پر انگریزی ادب کا اثر“ میں لکھا ہے۔

”انگریزی حکومت کے قیام نے تمام ملک میں ایک نئی فضا پیدا کر دی۔ جس میں مغربی خیالات خصوصاً انگریزی نظریات زندگی رفتہ رفتہ لوگوں کے دماغ پر طاری ہونے لگے۔ انگریزی مدرسوں کے قائم ہونے سے جہاں انگریزی ذریعہ تعلیم مقرر کر دی گئی تھی۔ لوگوں کے خیالات میں تغیر و تبدل ہونے لگا۔“

۱۸۵۷ء میں سرولیم ہنٹر کی سرکردگی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا۔ جس نے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ اور ملک میں پرائمری تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔ انیسویں صدی کے آخر میں تعلیم کی باقاعدہ ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی اور مذہبی اصلاحات کی طرف بھی خاص توجہ دی جانے لگی۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ ہر قدم پر رکاوٹیں تھیں۔ اہل ہند ابھی تک جہالت، بے عملی اور توہم پرستی کے شکار تھے۔ تہذیب کی اصلی قدریں ان میں باقی نہ تھیں۔ جاگیردارانہ نظام کے دور زوال میں تہذیب و شائستگی کا مفہوم ظاہر داری، تکلف و تصنع، کھوکھلے اخلاق اور روایتی سماجی تصورات کے سوا کچھ بھی نہ رہ گیا تھا۔ عام لوگ انگریزی تعلیم و تہذیب کے خائف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا اپنے مذہب سے کنارہ کشی کے مترادف۔ اور ان کے اخلاقی تصورات پر ڈاکہ ڈالنا تھا۔ اسی لئے وہ انگریزوں اور ان سے متعلق ہر چیز سے بیزار تھے۔ ان سے دل ہی دل میں نفرت کرتے تھے۔ انگریزوں نے حکمت عملی سے کام لے کر انگریزی تعلیم ہندوستان میں اس لئے رائج کی تاکہ یہاں کے لوگ جہالت اور توہم پرستی کے اندھیروں سے نکل جائیں۔ اور مغربی تہذیب و فکر کو قبول کریں۔ انگریزی تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہاں کے باشعور لوگوں نے جان لیا کہ انگریزی تعلیم آزاد خیالی اور وسیع المشرقی کے انداز رکھتی ہے۔ یہ تعلیم پس ماندہ ہندوستانیوں کو سائنسی علم کی واقفیت دلا کر ان کے دل و نظر کو وسعت عطا کر سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے انگریزی تعلیم و تہذیب سے پورا پورا استفادہ کرنے کی ٹھان لی۔

ہندوؤں میں ایسے باشعور اور بیدار مغز لوگوں میں راجہ رام موہن رائے کا نام سرفہرست ہے۔ وہ مغربی تعلیم کی برکتوں کے مداح تھے۔ اور انہوں نے ملک میں مغربی تعلیم کے فروغ کے لئے کوششیں کیں۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستانیوں کی جہالت کی تاریخی صرف تعلیم کی روشنی سے مٹ سکتی ہے۔ مغربی تعلیم نے انہیں عقلیت، توازن اور حقیقت پسندی بخشی تھی۔ اس لئے راجہ رام موہن رائے نے اپنی ساری زندگی ہندوؤں کی

سماجی اور مذہبی برائیوں اور غلط کاریوں کی روک تھام کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے مذہب کو تو ہم پرستی اور رواج پرستی سے پاک کرنے کے لئے اصلی پرانوں اور ویدوں کے متن بنگالی زبان میں ترجمہ کئے ۱۹۲۸ء میں مذہبی اصلاح کے لئے برہموسماج کی بنیاد ڈالی۔ برہموسماج کی اصلاحی تحریک کے بعد دوسری اصلاحی تحریکیں بھی وجود میں آتی گئیں۔ ان میں پرارتھنا سماج بھی ہے۔ جس کے کارکنوں میں جسٹس رانا ڈاے اور گوپال کرشن گھوکھلے وغیرہ شامل تھے۔ آریہ سماج کی بنیاد سوامی دیانند نے ڈالی۔ اس نے ویدک دھرم کا پرچار کیا اور مذہبی اور سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ اس کے علاوہ ”رام کرشن مشن“ اور تھیوسائیکل سوسائٹی نے بھی اصلاح کا کام جاری رکھا۔

انگریزی حکومت کے تسلط کے خلاف مسلمان مصلحوں اور رہنماؤں نے اٹھارویں صدی ہی سے اپنے رد عمل کا اظہار کرنا شروع کیا تھا۔ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ دہلوی نے انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ آپ کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ مذہبی پیشوا اور سامنے آئے۔ جن میں سید احمد بریلوی، مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل شہید شامل ہیں۔ انہوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے خلاف عملی جدوجہد شروع کی اور انگریزی سامراج کے ظالم ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان مذہبی مصلحوں نے مذہبی توہم پرستی اور مسلمانوں کی سماجی زندگی کی برائیوں کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ بعد میں وہابی تحریک شروع ہوئی، اس تحریک کا مقصد سنت رسول ﷺ کے اتباع کے علاوہ انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے فضا تیار کرنا تھا۔ ان مذہبی تحریکوں کے بارے میں سید احتشام حسین لکھتے ہیں۔

”مسلمانوں کے اندر عام بے چینی اور بددلی پھیلی ہوئی تھی اور اس عام انقلابی جدوجہد کے لئے فضا تیار ہو رہی تھی۔“

جو ۱۸۵۷ء کے بعد رونما ہوئی۔“

انیسویں صدی کے نصف آخر میں زندگی، اخلاق اور سیاست کے پرانے روابط کی شکست و ریخت نے مسلمان طبقے کو خاص طور پر ایک شدید ذہنی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ کہ بقول احتشام حسین بنے بنائے راستوں پر چلنا ممکن نہ تھا اور نئے راستے اچھی طرح بنے نہ تھے۔ پرانے خیالات سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا تھا۔ نئے خیالات نے ذہنوں میں جگہ نہ بنائی تھی۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کے برعکس زمانے کے بدلتے منہج پر چلنا شروع کیا۔ وہ اعلیٰ عہدوں پر فائز کئے گئے۔ مسلمان سرکاری نوکریوں سے چن چن کر نکالے گئے۔ سید احمد شہید اور دوسرے مجاہدوں کی باغیانہ سرگرمیوں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ مسلمان شورش پسند ہیں۔ اس لئے ان کی یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کو کچل دیا جائے۔ اس دور میں مسلمانوں کی ذہنی قیادت کٹر ملا قتم کے لوگ کر رہے تھے۔ وہ نئی تہذیب کو کفر کے برابر سمجھتے تھے۔ اس لئے مسلمان پرانے مذہبی خیالات کو سینے سپھائے ہوئے تھے۔ وہ لکیر کے فقیر بنے ہوئے تھے اور ادھر مغربی اقتدار روز بروز

مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ انگریزوں کی حکومت میں سماجی، سیاسی اور عملی زندگی میں نت نئی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ ملک ایک عظیم تاریخی انقلاب سے گزر رہا تھا۔ اس انقلاب سے چشم پوشی کرنا ایسے وجود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس موقع پر سرسید احمد خان منظر عام پر آئے۔ جو مسلمانوں کے لئے ایک عظیم رہنما ثابت ہوئے۔ انہوں نے بدلتے ہوئے حالات کے شعور کو پیدا کیا۔ اور لوگوں کو بھی اپنی ذہنی و فکری رویوں میں تبدیلی کے لئے تیار کیا۔ انہوں نے اپنی کوششوں سے تعلیم، معاشرت، مذہب اور ادب کے لئے ایک نئی تحریک کی بنیاد ڈالی، جو علی گڑھ تحریک کے نام سے یاد کی جانے لگی۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں سید احتشام حسین لکھتے ہیں۔

”اس میں شک نہیں کہ علی گڑھ تحریک کے رہنما سرسید تھے۔ اور اس کا نام بھی علی گڑھ کے اس موڈرن اینگلو اورینٹل کالج کی وجہ سے علی گڑھ تحریک پڑا۔ جو سرسید نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا تھا۔ سرسید جس کا رواں کو لئے بڑھ رہے تھے اس میں مختلف قسم کے لوگ تھے۔ لیکن سمجھوں کے دلوں میں یہ خواہش تھی کہ وقت نے راہ میں جو رکاوٹیں ڈال دی ہیں۔ انہیں عبور کر کے اپنی مادی اور روحانی زندگی کو بہتر بنایا جائے۔ یہی جستجو اور آگے بڑھنے کی یہی خواہش ہے۔ جسے علی گڑھ تحریک کہا جاتا ہے۔“

سرسید ایک بیدار مغز، روشن ضمیر اور باشعور انسان تھے۔ ان کو حالات کی تبدیلی کا گہرا شعور تھا انہوں نے مغلیہ سلطنت کی عظیم الشان عمارت کو خاک بوس ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ مسلمانوں کی پسماندگی، جہالت اور بے چارگی پر ان کی نظر تھی۔ اور ساتھ ہی انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے استحکام کو وہ نظر انداز نہ کر سکے۔ ۱۸۹۶ء میں انہوں نے لندن کا سفر کیا۔ اور وہاں کے لوگوں کی زندگی اخلاق اور طرز معاشرت وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ اور واپسی پر انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے ذہنوں میں تبدیلی کے شعور عام کرنے کے لئے اور نئے حالات سے سمجھوتہ کرنے کے مقصد سے تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ سرسید کی نظر مغربی تہذیب کی خوبیوں پر تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مغربی ادب اور سائنس کی خوبیوں سے فیض یاب ہوں۔ انہوں نے لکھا:-

”جہاں تک ہم سے ہو سکے۔ یورپین لٹریچر اور یورپین سائنس میں اعلیٰ درجے کی ترقی کریں۔ جہاں تک ہم کو یونیورسٹی کے سچے خطابات حاصل ہو سکتے ہیں۔ حاصل کر لیں۔ جب اس سے بھی زیادہ ہم میں ہمت ہو۔ تو آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کو جائیں۔ اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے کو مذہب و تعلیم یافتہ جنٹلمین اس کے اصلی و حقیقی مصنفوں میں بنائیں اور جو فیض تعلیم و تربیت تہذیب ہم نے ان

مہذب ملکوں سے حاصل کیا ہے۔ اس کو اپنے ہم وطنوں اور قوموں میں پھیلائیں۔“

سرسید نے شدید مخالفتوں کے باوجود پوری گرم جوشی ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آہستہ آہستہ انہوں نے لوگوں کو مغربی تعلیم سے بہرہ ور ہونے پر مائل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کی زنجیروں سے آزاد ہونے لگے۔ ان کے دلوں میں اپنے قومی مفادات کے تحفظ کا خیال زور پکڑتا گیا۔ اور وہ لوگ جن کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور جو سرسید کو انگریزی پرستی کا الزام دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ نئی صورت حال سے آگاہ ہونے لگے۔

تہذیب الاخلاق کے ذریعے سرسید نے مذہبی اور اخلاقی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ساتھ ہی انہوں نے ”خطبات احمدیہ“ اور تفسیر قرآن کے ذریعہ مذہبی توہمات کو ختم کرنے کی کوششیں کیں۔ سرسید نے تعلیم یافتہ طبقہ کو جہاں اس کے اعلیٰ اور وسیع تر معنی سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ وہیں انہوں نے شعروادب کا بھی ایک جدید اور روایت شکن نظریہ پیش کیا۔ قدیم دور میں نہ صرف تہذیب کی قدریں آرائش اور تکلیف کے سوا کچھ نہ رہ گئی تھیں۔ بلکہ ادب بھی اپنا حقیقی جوہر کھو بیٹھا تھا۔ شاعری عام طور پر نقالی اور سطحیت کی شکار ہو گئی تھی۔ تصنع کاری اور جذباتیت نے ادب کو ایک دفتر بے معنی بنا دیا تھا۔ غزل فرسودہ اور روایتی خیالات کی تکرار سے ازکار رفتہ ہو چکی تھی۔ سرسید نے ماضی کے سرمایہ شعر پر نظر ڈالی۔ تو انہیں نظم یعنی شاعری نہ صرف ناقص بلکہ غیر مفید بھی نظر آئی۔ چنانچہ لاہور میں انجمن پنجاب کے موضوعاتی مشاعروں کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہوں نے لکھا:-

”ہماری زبان کے علم وادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجویہ قلعوں اور اور قصہ کہانیوں کی مثنویوں میں صرف کی تھی۔ دوسری قسم کے مضامین جو درحقیقت وہی اصلی مضامین ہیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں، نہ تھے۔ نظم کے اوزان بھی وہی معمولی تھے۔ ردیف وقافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی۔ اردو زبان کے علم وادب کی تاریخ میں ۱۸۷۷ء کا وہ دن جب لاہور میں نیچرل پوٹری کا مشاعرہ قائم ہوا۔ یادگار رہے گا۔“

یہ آواز ایک نئی آواز تھی۔ ایک نئے دور کی آواز نے سرسید کی روشن دماغی اور ادبی بصیرت کو نمایاں کیا اور ایک نئے ادبی شعور کی طرف رہنمائی کی۔ نور الرحمن لکھتے ہیں۔

”سرسید نے اصلاح زبان کے ساتھ ہی اصلاح شاعری پر بھی توجہ کی۔ اور اپنے اثر وکوشش سے بے شمار قومی نظمیں

لکھوائیں۔“

علی گڑھ تحریک بنیادی طور پر ایک اصلاحی تحریک تھی۔ اس کے سامنے کئی قومی مقاصد تھے۔ جن کو حاصل کرنے کے لئے شاعری اور نثر نگاری سے کام لیا جانے لگا۔ اور تحریک نے ادب میں سستی جذباتیت کے بجائے عقل اور شعور کو اہمیت دی۔ اور خاص طور پر اردو نثر کو ذریعہ اظہار بنایا۔ چنانچہ اردو نثر کو شعریت، جذباتیت اور آرائش سے پاک و صاف کر کے باوقار اور متوازن بنانے کی کوشش کی گئی۔ نثر میں سیرت نگاری، تاریخ نگاری اور تنقید نگاری کی جانب توجہ کی گئی، سرسید نے آئین اکبری، تزک جہاں گیری اور تاریخ فیروز شاہی دوبارہ مرتب کیں۔ شبلی نے سیرۃ النبیؐ، الفاروق اور المامون لکھیں۔

حالی نے یادگار غالب لکھی۔ تاریخ نگاری میں ”آثار الصنادید“ قابل ذکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک سے پہلے ادبی تنقید صرف تذکرہ نگاری تک محدود تھی۔ ان تذکروں میں صرف ذاتی تاثرات پیش کئے جاتے تھے۔ اور زیادہ تر شعراء کی سوانح حیات پر توجہ کی جاتی تھی۔ سرسید نے پہلی بار ادب کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھا۔ اور اسے زندگی کے مماثل قرار دیا۔ اور اس پر عملی تنقید کی۔ ان کی رفیق کار حالی نے مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر علی گڑھ تحریک کے تنقیدی نظریات کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ شبلی نے ”شعر العجم“ لکھی۔ اور پہلی بار ادب کے موضوع کو اہمیت ملی۔ اور ساتھ ہی طرز ادا کی سادگی اور تاثیر پر زور دیا جانے لگا۔ سرسید لکھتے ہیں:-

”تک بندی سے جو اس زمانے میں مقفی عبارت کہلاتی تھی۔ ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہوسکا۔ سادگی عبارت پر توجہ دی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ مضمون کی ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو۔ وہی دوسرے کے دل میں پڑے۔ تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔“

ظاہر ہے سرسید نے ادب کی موضوعی اور اظہاری حیثیت کو ہی اہمیت نہ دی بلکہ انور سدید قاری کی اساسی حیثیت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ اور یوں مصنف، تخلیق اور قاری کی ایک ہم رشتہ تنبیہ قائم کر دی۔ علی گڑھ تحریک کے ہر پہلو پر سرسید کی شخصیت اور افکار کی گہری چھاپ ہے۔ انہوں نے بدلتے ہوئے حالات میں مذہب، تاریخ، سیاست، سائنس، تعلیم و تہذیب اور ادب کی اہمیت پر زور دیا۔ اور خود بھی ان موضوعات پر لکھا۔ خاص طور پر علی گڑھ تحریک کا اثر اردو ادب پر پڑا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ سرسید کی کوششوں سے اردو ادب ترقی پھیلاؤ اور جدیدیت کے ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:-

”سرسید کے جس قدر کارنامے ہیں۔ ان میں ایک اور دولٹ پرچہ بھی ہے۔... ملک میں آج بڑے بڑے انشاء پرداز

موجود ہیں۔ جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمران ہیں۔ ان میں سے ایک شخص بھی نہیں جو سرسید کے بار احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو۔

علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد میں اردو زبان و ادب کی ترقی بھی شامل تھی۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے اردو نثر کو سادہ، مؤثر اور علمی انداز عطا کیا۔ انہوں نے تحقیق، تنقید، سوانح نگاری، مضمون نگاری اور صحافت کو فروغ دے کر اردو ادب میں جدید رجحانات کی بنیاد رکھی۔ اس طرح علی گڑھ تحریک نے نہ صرف مسلمانوں کی فکری اور تعلیمی بیداری میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اردو ادب کو بھی ایک نئی سمت اور نئی توانائی عطا کی۔

5.2.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک کے بانی _____ تھے۔
- سوال نمبر 2 1857ء کے بعد مسلمان _____ پسماندگی کا شکار ہو گئے۔
- سوال نمبر 3 سرسید احمد خاں نے جدید _____ کے فروغ پر زور دیا۔
- سوال نمبر 4 رسالہ _____ سرسید احمد خاں نے جاری کیا۔
- سوال نمبر 5 علی گڑھ تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں _____ پیدا کرنا تھا۔

5.3 علی گڑھ تحریک کی اہمیت

علی گڑھ تحریک برصغیر کی تاریخ کی ایک ایسی اصلاحی تحریک ہے جس نے مسلمانوں کی فکری، تعلیمی، سماجی اور ادبی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس تحریک نے اس زمانے میں جنم لیا جب مسلمان سیاسی اقتدار، معاشی استحکام اور تعلیمی میدان میں شدید پسماندگی کا شکار تھے۔ سرسید احمد خاں نے اس صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا اور مسلمانوں کو جدید تعلیم، سائنسی شعور، عملی زندگی اور مثبت فکر کی طرف راغب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ تحریک کو برصغیر کے مسلمانوں کی جدید بیداری کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اس تحریک کی اہمیت اس بات میں بھی مضمر ہے

کہ اس نے تعلیم کو ترقی کی بنیاد قرار دیا اور مسلمانوں میں تحقیق، مطالعہ، تنقیدی فکر اور عقلی استدلال کی روایت کو فروغ دیا۔ اس تحریک نے صرف تعلیمی ادارے ہی قائم نہیں کیے بلکہ ایک ایسا فکری ماحول بھی پیدا کیا جس نے نئی نسل کو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا شعور عطا کیا۔ اسی کے نتیجے میں اردو زبان و ادب میں بھی نئے رجحانات نے جنم لیا اور جدید نثر کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو مقصدیت، حقیقت پسندی اور اصلاحی فکر سے آشنا کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر ادب کو معاشرتی اصلاح، قومی بیداری اور علمی ترقی کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ اس طرح علی گڑھ تحریک صرف ایک تعلیمی یا سماجی تحریک نہیں رہی بلکہ اس نے اردو ادب اور برصغیر کی فکری تاریخ پر بھی گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔

علی گڑھ تحریک نے اردو ادب اور معاشرے دونوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اردو ادب میں اس تحریک نے سادہ، سلیس اور بامقصد نثر کو فروغ دیا اور ادب کو عملی زندگی سے قریب تر کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مضمون نگاری، سوانح نگاری، تنقید، تحقیق، صحافت اور ناول نگاری جیسی اصناف نے نمایاں ترقی کی۔ ادیبوں نے معاشرتی مسائل، تعلیمی اصلاح، اخلاقی اقدار اور قومی شعور کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا، جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی اور مقصدیت کو فروغ ملا۔ معاشرتی سطح پر علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں میں تعلیم کی اہمیت، خود اعتمادی، سائنسی سوچ اور سماجی اصلاح کا شعور پیدا کیا۔ اس تحریک نے قدامت پسندی، جہالت اور غیر ضروری رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی اور مسلمانوں کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ترغیب دی۔ یہی اثرات بعد میں برصغیر کے تعلیمی، سماجی اور ادبی ماحول میں واضح طور پر نمایاں ہوئے۔

5.3.1 علی گڑھ تحریک کی نمایاں خدمات

علی گڑھ تحریک کی سب سے بڑی خدمت جدید تعلیم کے فروغ اور مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنا ہے۔ سرسید احمد خاں نے محمدن اینگلو اورینٹل کالج کے قیام، سائنٹیفک سوسائٹی کی سرگرمیوں اور رسالہ تہذیب الاخلاق کی اشاعت کے ذریعے مسلمانوں کو علم، تحقیق اور جدید فکر کی طرف متوجہ کیا۔ اس تحریک نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی اور انہیں قومی ترقی میں مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا۔ ادبی اعتبار سے اس تحریک نے اردو نثر کو نئی زندگی بخشی۔ زبان کو سادہ، مؤثر اور عام فہم بنایا گیا، تحقیق اور تنقید کو فروغ ملا، صحافت کو نئی جہت ملی اور جدید نثری اصناف نے ترقی کی۔ اس تحریک کے زیر اثر اردو ادب میں حقیقت نگاری، اصلاحی فکر، عقلیت اور مقصدیت کو فروغ حاصل ہوا، جس نے بعد کی ادبی تحریکات کے لیے بھی مضبوط بنیاد فراہم کی۔

5.3.3 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک کے بانی کون تھے؟

- الف۔ سر سید احمد خاں
ب۔ حالی
ج۔ شبلی نعمانی
د۔ محمد حسین آزاد

سوال نمبر 2۔ علی گڑھ تحریک کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

- الف۔ جدید تعلیم کا فروغ
ب۔ صرف شاعری کی ترقی
ج۔ صرف مذہبی مباحث
د۔ صرف سیاسی سرگرمیاں

سوال نمبر 3۔ سر سید احمد خاں نے کون سا رسالہ جاری کیا؟

- الف۔ تہذیب الاخلاق
ب۔ الہلال
ج۔ مخزن
د۔ زمانہ

سوال نمبر 4۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں کس چیز کو فروغ دیا؟

- الف۔ مقصدیت اور حقیقت نگاری
ب۔ صرف داستان گوئی
ج۔ صرف قصیدہ نگاری
د۔ صرف مثنوی

سوال نمبر 5۔ محمدن اینگلو اور نیٹل کالج بعد میں کس ادارے کی صورت اختیار کر گیا؟

- الف۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ
ب۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
ج۔ جامعہ عثمانیہ
د۔ دہلی یونیورسٹی

5.4 عمومی جائزہ

علی گڑھ تحریک برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، تعلیمی اور سماجی بیداری کی ایک ہمہ گیر اصلاحی تحریک تھی، جس نے انیسویں صدی کے

نامساعد حالات میں مسلمانوں کو ایک نئی سمت عطا کی۔ اس تحریک نے یہ شعور پیدا کیا کہ بدلتے ہوئے زمانے میں ترقی اور کامیابی کا انحصار جدید تعلیم، سائنسی فکر، تحقیق، محنت اور عملی صلاحیتوں پر ہے۔ اسی سوچ نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی اور انہیں نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا حوصلہ بخشا۔

علی گڑھ تحریک کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس نے تعلیم کو سماجی ترقی اور قومی بیداری کی بنیاد بنایا۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے نہ صرف جدید تعلیمی ادارے قائم کیے بلکہ علمی، ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں کو بھی فروغ دیا۔ اس تحریک نے قدامت پرستی کے بجائے اعتدال، رواداری، عقلیت اور مثبت فکر کو اپنانے کی ترغیب دی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے فکری افق میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ اردو ادب بھی اس تحریک سے گہرے طور پر متاثر ہوا۔ نثر میں سادگی، روانی، مقصدیت اور حقیقت نگاری کو فروغ ملا، جبکہ تحقیق، تنقید، مضمون نگاری، سوانح نگاری اور صحافت جیسی اصناف نے نمایاں ترقی کی۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو عملی زندگی اور معاشرتی مسائل سے جوڑا اور اسے قومی بیداری اور اصلاح معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنایا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد جب ملک پوری طرح انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا تھا تو مسلمانوں کا حال بہت خراب ہو گیا تھا۔ مسلمان نہ تو تعلیم کے میدان میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ڈھنگ کا کاروبار یا روزگار تھا۔ 1857 کے خونی انقلاب کے بعد کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس انقلاب کے بعد نہایت بے خبری و بے حسی کے ساتھ وقت کی گود میں کھیلتے جا رہے تھے۔ آج مسلمانوں کے حالات جیسے بھی ہوں لیکن آج کے مسلمان سمجھدار ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں اور دوسری کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔ نہ جانے مسلمانوں کے حالات اور کیا ہو جاتے اگر سرسید احمد خاں جیسی عظیم اور محترم شخصیت ہمارے درمیان پیدا نہیں ہوتی۔ یہ سرسید احمد خاں ہی تھے جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو تباہی کے غار میں جانے سے بچالیا اور مسلمانوں پر احسان عظیم کیا۔ سرسید نے اپنی زندگی کو قوم کے لیے وقف کر دیا تھا اور اپنی تحریک سے ایک نئے عہد کی شروعات کی۔ ان کی کوششوں کی بدولت ہی مسلمان تعلیم اور دیگر شعبوں کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ ان کی انہی کوششوں کو اردو ادب میں سرسید تحریک یا علی گڑھ تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک نہ صرف یہ کہ ایک تعلیمی تحریک تھی بلکہ اس نے انسان کے مختلف شعبہ ہائے زندگی پر اثر ڈالا۔ صحافت، سیاست، تعلیم و تربیت، ادب اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر علی گڑھ تحریک کا اثر آج بھی قائم ہے۔ ادارہ نویسی کا آغاز بھی سرسید احمد خاں نے ہی شروع کیا تھا۔ با مقصد اور نظریاتی صحافت کو اپنا دستور العمل بنایا۔ ٹائپ کی شروعات کی۔ خبر نگاری اور صحافت کے جدید اصولوں کو فروغ دیا۔ اردو ادب پر سرسید تحریک کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید نے اردو زبان و ادب کو عشق و عاشقی اور رومانیت سے نکال کر ملکی، اصلاحی، معاشرتی،

اخلاقی، تاریخی، سائنسی وغیرہ موضوعات دیے اور سرسید تحریک کی بدولت ہی اردو زبان میں نئے نئے مضامین لکھے جانے لگے۔ سرسید نے اردو زبان میں عام فہم اور آسمان اصطلاحات کو فروغ دیا، ان سے قبل فارسی آمیز نثر اور مقفّع و مسجع نثر کا رواج تھا۔ اردو ادب میں سرسید کی انشا پردازی کا بھی بہت اہم رول رہا ہے۔ سرسید کے مضامین اپنی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر آج بھی ملک و بیرون ملک کی مختلف درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان کے تحریر کردہ نیکی اور امید کی خوشی جیسے مضامین کو آج بھی بہت توجہ سے پڑھا جاتا ہے۔ سرسید نے سائنس، ادب، صحافت، تاریخ، سیاست، مذہب سے متعلق سینکڑوں مضامین لکھے جو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق کی خدمات سے بھلا کیسے انکار ہے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ درجنوں کتابوں کو اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا جس سے اردو ادب کے خزانے میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک نے برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، تعلیمی، سماجی اور ادبی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی خدمات صرف اپنے زمانے تک محدود نہیں رہیں بلکہ اس کے اثرات بعد کی ادبی تحریکات، تعلیمی اداروں اور فکری روایات میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے علی گڑھ تحریک اردو ادب اور برصغیر کی جدید تاریخ کا ایک اہم سنگ میل سمجھی جاتی ہے۔

5.5 فرہنگ

تحریک	:	منظم اصلاحی کوشش
اغراض	:	مقاصد
مقاصد	:	اہداف
پس منظر	:	سابقہ حالات
بیداری	:	شعور پیدا ہونا
اصلاح	:	بہتری
تعلیم	:	علم حاصل کرنے کا عمل
جدید	:	نئے دور سے متعلق

عقل پر مبنی سوچ	:	عقلیت
سائنس سے متعلق	:	سائنسی
گہرائی سے مطالعہ	:	تحقیق
خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ	:	تنقید
معاشرتی	:	سماجی
تمدنی اقدار	:	تہذیب
برداشت	:	رواداری
پرانی روایات سے سخت وابستگی	:	قدامت پرستی
میانہ روی	:	اعتدال
آگہی	:	شعور
آگے بڑھنا	:	ترقی
اپنی صلاحیتوں پر یقین	:	خود اعتمادی
معاشرے کی بہتری	:	اصلاح معاشرہ
حقیقی زندگی کی عکاسی	:	حقیقت نگاری
مقصد پر مبنی انداز	:	مقصدیت
اخبار نویسی	:	صحافت
مضامین لکھنے کا فن	:	مضمون نگاری
سیرت نویسی	:	سوانح نگاری
علم سے متعلق	:	علمی
ادب سے متعلق	:	ادبی

فکری	:	ذہنی
معاشرت	:	سماجی زندگی
ادارہ	:	تنظیم یا تعلیمی مرکز
رجحان	:	فکری میلان
ارتقا	:	تدریجی ترقی
روایت	:	چلی آنے والی رسم یا طریقہ
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار

5.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک کے پس منظر، اغراض و مقاصد اور اہمیت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال نمبر 2 علی گڑھ تحریک کے آغاز کے اسباب اور اس کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 3 اردو ادب اور معاشرے پر علی گڑھ تحریک کے اثرات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 4 علی گڑھ تحریک کی نمایاں خدمات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 5 سرسید احمد خاں کی اصلاحی خدمات اور علی گڑھ تحریک میں ان کے کردار کا جائزہ لیجیے۔
- سوال نمبر 6 علی گڑھ تحریک کو برصغیر کے مسلمانوں کی جدید بیداری کی تحریک کیوں کہا جاتا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

5.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک سے کیا مراد ہے؟
- سوال نمبر 2 علی گڑھ تحریک کے آغاز کے اسباب بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 علی گڑھ تحریک کے اغراض و مقاصد پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات بیان کیجیے۔

- سوال نمبر 5 معاشرتی اصلاح میں علی گڑھ تحریک کا کردار واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 6 علی گڑھ تحریک کی نمایاں خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 7 سرسید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک میں خدمات پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔
- سوال نمبر 8 برصغیر کے مسلمانوں کی فکری اور تعلیمی بیداری میں علی گڑھ تحریک کی اہمیت واضح کیجیے۔

5.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

- 1- سرسید احمد خاں
- 2- سیاسی، تعلیمی اور معاشی
- 3- تعلیم
- 4- تہذیب الاخلاق
- 5- تعلیمی بیداری

جوابات سرگرمی 2

- 1- الف
- 2- الف
- 3- الف
- 4- الف
- 5- ب

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب 1- علی گڑھ تحریک برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی، سماجی، فکری اور اصلاحی بیداری کی ایک اہم تحریک تھی، جس کی بنیاد سرسید احمد

خاں نے رکھی۔

جواب 2- 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سماجی پسماندگی، جدید تعلیم سے دوری اور بدلتے ہوئے حالات علی گڑھ تحریک کے آغاز کے اہم اسباب تھے۔

جواب 3- علی گڑھ تحریک کے بنیادی مقاصد جدید تعلیم کا فروغ، سائنسی شعور کی بیداری، سماجی اصلاح، مذہبی اعتدال، مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنا اور اردو زبان و ادب کو ترقی دینا تھے۔

جواب 4- علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں سادہ اور بامقصد نثر، حقیقت نگاری، تحقیق، تنقید، صحافت اور اصلاحی ادب کو فروغ دیا۔

جواب 5- اس تحریک نے مسلمانوں میں تعلیم کی اہمیت اجاگر کی، فرسودہ رسم و رواج کی مخالفت کی، سماجی شعور پیدا کیا اور اصلاح معاشرہ کی راہ ہموار کی۔

جواب 6- علی گڑھ تحریک کی نمایاں خدمات میں جدید تعلیمی اداروں کا قیام، سائنسی فکر کا فروغ، اردو نثر کی ترقی، تحقیق و تنقید کی ترویج اور مسلمانوں کی فکری بیداری شامل ہیں۔

جواب 7- سر سید احمد خاں نے علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی، محمدن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا، سائنٹیفک سوسائٹی اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے مسلمانوں میں جدید تعلیم اور اصلاحی فکر کو فروغ دیا۔

جواب 8- علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو جدید تعلیم، سائنسی شعور، خود اعتمادی، قومی بیداری اور عملی زندگی کی طرف راغب کیا، جس کے نتیجے میں ان کی فکری، تعلیمی اور سماجی ترقی کی نئی راہیں ہموار ہوئیں۔

5.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	:	علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	:	ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	:	پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	:	مرتبہ نسیم قریشی

اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بہمنی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر۔ 6 اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات

- | | |
|-------|--------------------------------------|
| 6.0 | اغراض و مقاصد |
| 6.1 | تعارف |
| 6.2 | اردو نثر پر علی گڑھ تحریک کے اثرات |
| 6.2.1 | اردو شاعری پر علی گڑھ تحریک کے اثرات |
| 6.2.2 | سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 6.3 | علی گڑھ تحریک کی ادبی خدمات |
| 6.3.1 | سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں |
| 6.4 | عمومی جائزہ |
| 6.5 | فرہنگ |
| 6.6 | نمونہ برائے امتحانی سوالات |
| 6.7 | مشقی سوالات |
| 6.8 | جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات |
| 6.9 | امدادی کتب |

6.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ

یہ جان سکیں گے کہ علی گڑھ تحریک نے اردو نثر اور شاعری کو کس طرح نئی فکر، نئے موضوعات، نئی زبان اور نئے اسلوب سے آشنا کیا۔ اس سبق کے ذریعے آپ اس بات کا بھی ادراک حاصل کریں گے کہ اس تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کی ترقی میں کس قدر اہم کردار ادا کیا اور ادب کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں کس طرح معاون ثابت ہوئی۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ اردو نثر اور شاعری میں رونما ہونے والی فکری اور فنی تبدیلیوں کا تجزیہ کرنے کے قابل ہوں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ علی گڑھ تحریک نے ادب میں مقصدیت، حقیقت نگاری، اصلاح معاشرہ، قومی شعور اور علمی طرز فکر کو فروغ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ تحریک کے نتیجے میں زبان و بیان، اسلوب تحریر اور مختلف ادبی اصناف میں آنے والی مثبت تبدیلیوں سے بھی واقف ہوں گے۔ اس سبق کا مقصد یہ بھی ہے کہ طلبہ میں اردو ادب کی ترقی کے تاریخی مراحل کو سمجھنے کا شعور پیدا ہو اور وہ علی گڑھ تحریک کی ادبی خدمات اور اس کے دیرپا اثرات کا علمی جائزہ لے سکیں۔ اس مطالعے کے ذریعے طلبہ میں تنقیدی بصیرت، تحقیقی ذوق اور ادبی شعور پروان چڑھے گا، جو اردو ادب کے اعلیٰ مطالعے میں ان کے لیے معاون ثابت ہوگا۔

6.1 تعارف

علی گڑھ تحریک اردو ادب کی تاریخ کی ایک ایسی اصلاحی اور تعلیمی تحریک ہے جس نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کی فکری اور تعلیمی زندگی میں نئی روح پھونکی بلکہ اردو ادب کو بھی ایک نئی سمت عطا کی۔ اس تحریک نے ادب کو محض تفریح یا جذبات کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرتی اصلاح، تعلیمی بیداری، قومی شعور اور اخلاقی اقدار کے فروغ کا موثر ذریعہ بنایا۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے ادب کو عملی زندگی سے جوڑا اور اسے قوم کی ترقی کا وسیلہ قرار دیا۔ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر اردو نثر میں سادگی، روانی، مقصدیت اور علمی انداز پیدا ہوا، جبکہ شاعری میں اصلاحی، اخلاقی، قومی اور حقیقت پسندانہ رجحانات کو فروغ حاصل ہوا۔ اس تحریک نے اردو زبان کو جدید علوم کے اظہار کے قابل بنایا اور مختلف ادبی اصناف میں نئے امکانات پیدا کیے۔ تحقیق، تنقید، مضمون نگاری، صحافت، ناول نگاری اور دیگر نثری اصناف کو نئی زندگی ملی، جبکہ شاعری میں بھی موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

اردو ادب کی موجودہ ترقی میں علی گڑھ تحریک کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس تحریک نے ادب کو نئی فکر، نئے نظریات اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا، جس کے نتیجے میں اردو ادب فکری اور فنی اعتبار سے زیادہ مضبوط، موثر اور ہمہ گیر بن کر سامنے آیا۔ اسی لیے اردو ادب کی تاریخ میں علی گڑھ تحریک کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

6.2 اردو نثر پر علی گڑھ تحریک کے اثرات

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو اندھیروں کے بادل سے روشنی میں لاکھڑا کیا۔ وہ اندھیری رات میں ایک ستارے کی مانند روشن ہوئے اور مسلمانوں پر چھائے پسماندگی، جاہلیت کے اندھیرے کو سورج بن کر روشن کر دیا۔ آج بھی سرسید کی حب الوطنی، دوراندیشی، بے تعصبی اور قوم کی محبت کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

”یہ سرسید کی ہستی ہی تھی، اُن کی زندگی سے ہمیں بہت سے بے بہا سبق مل سکتے ہیں۔ ان کا اپنے نصب العین پر آخر دم تک جمے رہنا، اس کے ہر جائز ذریعہ کو کام میں لانا، مخالف قوتوں کا دلیری سے مقابلہ کرنا، محنت و مشقت سے کبھی جی نہ چرانا، دن رات کام میں لگے رہنا تساہل اور کاہلی کو پاس نہ پھٹکنے دینا۔ خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اُنھوں نے اپنے خیالات کو کبھی نہیں چھپایا۔ جودل میں تھا وہی ان کی زبان و قلم پر تھا۔ کبھی اس کی پرواہ نہیں کی کہ اس سے ان کی ذات یا ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی زندگی میں اکثر ایسے موقعے آئے۔ جب ان کے خیر اندیش اور مخلص دوستوں نے ان کو کسی فعل سے باز رہنے کی صلاح دی۔ اعتماد سے معاملے کی اونچ نیچ سمجھائی لیکن انھوں نے وہی کیا جو ان کے ضمیر نے کہا۔ اور ہمیشہ کمال اخلاقی جرأت سے کام لیا۔ بے ریاکی اور صداقت عمر بھر ان کا شعار رہا۔

(عبدالحق، مطالعہ سرسید احمد خاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس بھی گڑھ نئی دہلی، 2001)

سرسید احمد خاں نے اپنے ناتواں کندھوں پر پوری قوم کا بار اٹھایا اور قوم کی کامیابی کے لیے اپنے عیش و آرام، اپنے اوقات اور اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کے بعد بھی ان کے کارنامے اور ان کا فیض زندہ ہے۔ اس زمانے میں جب کہ آج کی طرح نہ تو جدید مشینیں مہیا تھیں اور نہ ہی اخبار کے لیے رپورٹر ہوتے تھے۔ سرسید احمد خاں نے اردو صحافت کو صحافت کی کسوٹی پر پورا اتارا اور اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک نہ صرف یہ کہ ایک تعلیمی تحریک تھی بلکہ اس نے انسان کے مختلف شعبہ ہائے زندگی پر اثر ڈالا۔ صحافت، سیاست، تعلیم و تربیت، ادب اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر علی گڑھ تحریک کا اثر آج بھی قائم ہے۔ ادارہ نویسی کا آغاز بھی سرسید احمد خاں نے ہی شروع کیا تھا۔ با مقصد اور نظریاتی صحافت کو اپنا دستور العمل بنایا۔ ٹائپ کی شروعات کی۔ خبرنگاری اور صحافت کے جدید اصولوں کو فروغ دیا۔ سرسید احمد خاں نے ایسے پر آشوب دور میں جب مسلمانوں پر ہر طرف سے زوال آیا ہوا تھا۔ قوم کے نشیمن کی تعمیر کا خواب دیکھا تھا اور اپنے صحافتی کاموں سے اپنی تحریک سے اسے پورا بھی کیا۔ سرسید نے انہیں اصولوں پر کار بند رہ کر صحافت میں اپنا ایک رخ متعین کیا اور آج بھی کتنے ہی اخبار

نویس سرسید کے اصولوں پر کاربند ہو کر اردو صحافت کے میدان میں پرچم بلند کر رہے ہیں۔

اردو ادب پر سرسید تحریک کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید نے اردو زبان و ادب کو عشق و عاشقی اور رومانیت سے نکال کر ملکی، اصلاحی، معاشرتی، اخلاقی، تاریخی، سائنسی وغیرہ موضوعات دیے اور سرسید تحریک کی بدولت ہی اردو زبان میں نئے نئے مضامین لکھے جانے لگے۔ سرسید نے اردو زبان میں عام فہم اور آسان اصطلاحات کو فروغ دیا، ان سے قبل فارسی آمیز نثر اور مقفّع و مسجع نثر کا رواج تھا۔ اردو ادب میں سرسید کی انشا پردازی کا بھی بہت اہم رول رہا ہے۔ سرسید کے مضامین اپنی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر آج بھی ملک و بیرون ملک کی مختلف درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان کے تحریر کردہ نیکی اور امید کی خوشی جیسے مضامین کو آج بھی بہت توجہ سے پڑھا جاتا ہے۔ سرسید نے سائنس، ادب، صحافت، تاریخ، سیاست اور مذہب سے متعلق سینکڑوں مضامین لکھے جو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے اخبار ”سائنٹفک سوسائٹی“ اور ”تہذیب الاخلاق“ کی خدمات سے بھلا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

علی گڑھ تحریک کے اہم نکات

1857 کی بغاوت نے مسلمانوں کو جاہلیت اور پسماندگی کے پر آشوب دور میں لاکھڑا کیا تھا اور مسلمان اس تباہی سے نکل نہیں پارے تھے۔ اس وقت ایسے حالات بن چکے تھے جب انگریز مسلمانوں کو ہی اس بغاوت کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے۔ ایسی حالت میں سرسید جیسا مرد مجاہد کھڑا ہوتا ہے اور انگریزوں کے سامنے صفائی پیش کرتا ہے کہ مسلمان اس بغاوت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ سید نے ”رسالہ اسباب بغاوت ہند“ لکھا اور انگریزوں کو بغاوت کی وجوہات بتانے کی کوشش کی۔ چپاتیوں کی تقسیم، روس و ایران گٹھ جوڑ، حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش، ان سب معاملوں کے تعلق سے انگریزوں کے خیالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ اس بات کو بھی غلط ثابت کیا کہ مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں باغیوں کا جو جہاد کا فتویٰ چھپا تھا وہ بھی غلط تھا۔ سرسید نے اپنی مثال دی اور کہا کہ میں نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی انگریز حاکموں کی ساری رات پہرے داری کی۔ ان سب باتوں کے علاوہ سرسید نے فساد کے اصل سبب کو سامنے لانے کی کوشش کی۔

اس رسالے کے لکھنے کے بعد سرسید نے ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ولایت بھی بھیجا اور ہندوستانی حکومت کو بھی اس کی کا پیاں روانہ کیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ رقم کرنا بہتر ہوگا۔ رسالہ ”اسباب بغاوت ہند“ لکھ کر اس کی کاپیاں نہ صرف ولایت بھیجیں بلکہ اس کی ایک کاپی گورنمنٹ آف انڈیا کو ارسال کر دی۔ اس موقع پر سرسید کے ایک ہندو دوست رائے شکر داس نے انہیں مشورہ دیتے ہوئے منع کیا تھا کہ: ان تمام کتابوں کو جلا دو، خواہ مخواہ اپنی جان کو کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو۔

اس پر سرسید نے جو جواب دیا وہ ان کی بے تعصبی اور وسیع القلمی کی ایک روشن دلیل ہے۔ انھوں نے کہا کہ:

”میں ان تمام باتوں کو گورنمنٹ پر ظاہر کرنا ملک اور قوم اور خود گورنمنٹ کی خیر خواہی سمجھتا ہوں۔ پس اگر ایک ایسے کام پر جو سلطنت اور رعایا دونوں کے لیے مفید ہو مجھ کوئی گزند بھی پہنچے تو گوارہ ہے۔“

سرسید کی یہ پہلی ایسی کوشش تھی جسے ہم انگریزوں کے سامنے ایک علم بغاوت کا نام دے سکتے ہیں۔ سرسید نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ اس رسالے کے دور نتائج برآمد نہیں ہوں گے اور اس طرح کے الزامات لگتے ہی رہیں گے۔ اس لیے اس سمت میں ایک ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس بات پر پوری تحقیق کی کہ آخر مسلمانوں پر الزام کیوں لگائے گئے اور جو نتائج انھیں حاصل ہوئے وہ مسلمانوں کی حالت زار کی کہانی بیان کر رہے تھے۔ اس حالت کو بدلنے کے لیے اب ایک ہتھیار کی ضرورت تھی۔

سرسید کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی سماجی، سیاسی اور معاشی پسماندگی اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک منظم تحریک یا مشن کی شکل میں کوشش نہ کی جائے۔ اور ایسا کرنے کے لیے عوام کے خیالات میں، ان کے احساسات میں تبدیلی لانا لازمی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نئے خیالات اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ہی تو ہم پرستی اور جہالت کے اندھیرے سے باہر نکلا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں پر چھائے ہوئے پسماندگی کے گہرے کھرے کو دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایک انجمن قائم کی جائے۔ چنانچہ انہیں مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے 1863 میں غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کی شروعات کی۔ اس سوسائٹی کا پہلا جلسہ 9 جنوری کو غازی پور میں ہوا تھا۔ جلسے کا انعقاد سرسید نے اپنے ہی مکان پر کیا تھا۔ اس بارے میں انھوں نے ایک تحریر التماس بخد مت ساکنان ہندوستان در باب تعلیم اہل ہند میں بھی اشارہ کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کو بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ عملی اقدامات کیے جائیں۔ اسی سال جب وہ غازی پور سے علی گڑھ آئے تو سائنٹفک سوسائٹی بھی ان کے ساتھ ساتھ علی گڑھ منتقل ہو گئی۔ ہندوستان میں اس وقت کے پر آشوب دور میں ایک تنظیم قائم کرنا اور وہ بھی ایسی تنظیم جو تمام جدید اصولوں اور سائنٹفک قانونوں پر منحصر ہو۔ جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔

سرسید نے اپنی کوششوں سے سوسائٹی کو کامیاب بنایا ہر مہینہ جلسوں کا اہتمام کرنا، مضامین جن پر لکچر ہوتے تھے وہ خاص طور سے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے ہوتے تھے۔ سائنس کے موضوع پر لکچر کے لیے ایک انگریز ڈاکٹر متعین کیے گئے تھے۔ ایک پورا عملہ تھا جو سوسائٹی کا کام کرتا تھا۔ مترجم، مولوی، پریس مین، چپراسی، مالی وغیرہ اور انھیں باضابطہ تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں:

”سرسید نے قطع نظر اپنی ذاتی کوشش اور محنت کے جس پر فی الحقیقت سوسائٹی کا دار و مدار تھا اور علاوہ ڈونیشن اور

سوسائٹی سے تاریخ، فلسفہ، سائنس، یورپ کے آلات کا شکاری، تاریخ چین، جیا لوجی، تاریخ ایران، تاریخ بھوپال، تاریخ اسپین، علم طبیعیات سنسکرت علم جہاز رانی، رسالہ در باب سڑک، ریل وغیرہ۔ اس وقت کی مشہور کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ اصغر عباس کے مطابق سوسائٹی سے صرف 15 کتابیں ہی شائع ہوئیں۔ جب کہ مولوی عبدالحق چالیس کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

(مولوی عبدالحق مطالعہ سرسید احمد خان، ایجوکیشنل بک ہاؤس پہلی گڑھ نئی دہلی 1994 ص 145)

14 فروری 1866 کو سوسائٹی کے اخبار کی شروعات ہوئی۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا لیکن بعد میں ہفتے میں دو بار نکلنے لگا۔ اس اخبار کا ادارہ سرسید خود ہی لکھا کرتے تھے۔ اس اخبار نے اردو صحافت میں ایک نیا تعمیراتی نظریہ پیش کیا۔ اس اخبار میں سوشل، اخلاقی علمی اور سیاسی ہر طرح کے مضامین چھپتے تھے۔ ساتھ ہی خبروں کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ سرسید احمد خاں نے تین کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ مذہب کی تشریح نو، سماجی اصلاح اور تعلیمی پس ماندگی دور کرنا، انھوں نے تعلیمی آزادی کو عام کرنے کی کوشش کی اور اپنے ان کاموں کو انجام دینے کے لیے سوسائٹی اور اپنے اخبار کا سہارا لیا۔ انھوں نے پورے ملک کے لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہندوستان تعطل کا شکار تھا۔ ملک میں نہ تو کوئی رہبر تھا اور نہ ہی کسی کو ان باتوں کی فکر تھی۔ ایسے وقت میں جب کہ عوام کی بے بسی اور بے کسی دنوں دن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سرسید احمد نے ایسے وقت میں ایک سرسبز و شاداب گلشن کا خواب دیکھا اور اسے پورا کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ جس علی گڑھ تحریک نے ملک میں ایک تعلیمی مہم چھیڑ دی تھی اس کی شروعات سوسائٹی کی علمی کاوشوں سے ہی ہوئی تھی علی گڑھ تحریک کا تذکرہ ہوا اور سوسائٹی زیر بحث نہ آئے ایسا ہو نہیں سکتا۔

سرسید نے جتنی کتابوں کو ترجمہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا اگر وہ ساری ترجمہ ہو جاتیں تو ہندوستانیوں کو اپنی زبان میں مغرب کے بیش بہا خزانے میسر ہو جاتے اور ہندوستانی زبان اور بھی امیر ہو جاتی۔ ان کے بعد مولوی ذکاء اللہ نے بھی اس سلسلے میں کام کیے اور مختلف کتابوں کا ہندوستانی میں ترجمہ کرایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت میں سوسائٹی کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ سرسید احمد خان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں مسلمانوں کے درمیان تعلیم، تہذیب اور ترقی کے میدان میں کسی نے کوئی کارہائے نمایاں انجام دیا ہے تو وہ شخصیت سرسید احمد خاں کی ہے آج ان کے نہیں ہونے کے باوجود ان کی کوششیں اور انکی تحریک نے انہیں زندہ کر دیا ہے اور آج بھی ان کے لگائے ہوئے پودے سے ہندوستان کا معاشرہ شہر آفرین ہو رہا ہے۔

علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور اسے ایک نئی فکری اور فنی بنیاد فراہم کی۔ اس تحریک سے پہلے اردو نثر میں داستانوی انداز، طویل عبارتیں اور تکلف آمیز زبان کا غلبہ تھا، لیکن سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے نثر کو سادہ، رواں، مؤثر اور عام فہم بنانے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ علمی اور اصلاحی خیالات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک آسان زبان میں پہنچ سکیں۔ اسی وجہ سے اردو نثر میں ایک نیا اسلوب پیدا ہوا جس نے بعد کے تمام نثر نگاروں کو متاثر کیا۔ علی گڑھ تحریک کے نتیجے میں مضمون نگاری، تحقیق، تنقید، سوانح نگاری، صحافت، سفر نامہ اور ناول جیسی اصناف کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔ رسالہ تہذیب الاخلاق نے اصلاحی مضامین، سماجی مسائل اور تعلیمی موضوعات کو فروغ دیا، جس سے اردو نثر کا دائرہ کار وسیع ہوا۔ اس تحریک نے اردو نثر کو مقصدیت، حقیقت پسندی اور علمی وقار عطا کیا، جس کے اثرات آج بھی اردو نثر میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

6.2.1 اردو شاعری پر علی گڑھ تحریک کے اثرات

علی گڑھ تحریک نے اردو شاعری کو بھی نئی فکری جہت عطا کی۔ اس تحریک سے پہلے شاعری کا بڑا حصہ روایتی مضامین، عشق و محبت، مبالغہ آرائی اور درباری ماحول کے گرد گھومتا تھا، لیکن سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء کی اصلاحی فکر نے شاعری کو معاشرتی زندگی، اخلاقی اقدار، قومی شعور اور تعلیمی بیداری سے جوڑ دیا۔ شاعروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے قوم کی اصلاح، اتحاد، علم دوستی اور عملی زندگی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اس تحریک کے اثر سے حالی، محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی، شبلی نعمانی اور اکبر الہ آبادی جیسے اہل قلم نے اردو شاعری کو نئے افکار سے آشنا کیا۔ حالی نے اپنی نظموں اور مسدسِ حالی کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح، تعلیمی بیداری، اخلاقی تربیت اور قومی شعور کو فروغ دیا۔ محمد حسین آزاد نے شاعری میں فطری اندازِ اظہار اور سادگی کو اہمیت دی، جبکہ اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے ادب اور اخلاقی شاعری کو نئی جہت عطا کی۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص اسلوب میں اصلاحی اور سماجی شعور کو عام کیا۔

علی گڑھ تحریک کی بدولت اردو شاعری میں نظم کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ شاعری میں مقصدیت، حقیقت پسندی، اخلاقی تعلیم، قومی جذبہ، تعلیمی بیداری اور معاشرتی اصلاح جیسے موضوعات نمایاں ہوئے۔ زبان نسبتاً سادہ، عام فہم اور مؤثر ہوئی، جس سے شاعری عوام کے زیادہ قریب آ گئی۔ اس طرح اردو شاعری محض جذبات کے اظہار کا وسیلہ نہ رہی بلکہ قوم کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کا مؤثر ذریعہ بھی بن گئی۔

6.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1۔ علی گڑھ تحریک نے اردو نثر میں کس خصوصیت کو فروغ دیا؟

الف۔ سادگی اور مقصدیت ب۔ تکلف اور مبالغہ

ج۔ داستانوی انداز د۔ پیچیدہ زبان

سوال نمبر 2۔ رسالہ تہذیب الاخلاق کس سے متعلق تھا؟

الف۔ اصلاحی اور تعلیمی مضامین ب۔ صرف شاعری

ج۔ صرف تاریخ د۔ صرف سفر نامے

سوال نمبر 3۔ مسدس حالی کے خالق کون ہیں؟

الف۔ محمد حسین آزاد ب۔ حالی

ج۔ اکبر الہ آبادی د۔ شبلی نعمانی

سوال نمبر 4۔ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر شاعری میں کس صنف کو زیادہ فروغ ملا؟

الف۔ نظم ب۔ رباعی

ج۔ قصیدہ د۔ مرثیہ

سوال نمبر 5۔ علی گڑھ تحریک نے اردو شاعری میں کس جذبے کو فروغ دیا؟

الف۔ قومی شعور اور اصلاح معاشرہ ب۔ صرف عشقیہ مضامین

ج۔ صرف درباری زندگی د۔ صرف داستانی عناصر

6.3 علی گڑھ تحریک کی ادبی خدمات

علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کی ترقی میں نہایت اہم اور دور رس خدمات انجام دیں۔ اس تحریک نے اردو زبان و ادب کو جدید تقاضوں

سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی اور ادب کو معاشرے کی اصلاح، تعلیمی بیداری اور قومی شعور کا مؤثر ذریعہ بنایا۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے ادب کو عملی زندگی سے وابستہ کیا اور اس میں مقصدیت، حقیقت پسندی، علمی فکر اور اصلاحی جذبے کو فروغ دیا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب کے فکری افق میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو نئی توانائی حاصل ہوئی۔ علی گڑھ تحریک کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو زبان کو جدید علوم، سائنسی معلومات اور علمی مباحث کے اظہار کے قابل بنایا۔ اس تحریک کے زیر اثر تحقیق، تنقید، مضمون نگاری، سوانح نگاری، صحافت، ناول نگاری اور دیگر نثری اصناف نے ترقی کی، جبکہ شاعری میں اصلاحی، اخلاقی اور قومی موضوعات کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اس طرح اردو ادب محض ادبی اظہار تک محدود نہ رہا بلکہ قوم کی فکری، تعلیمی اور سماجی ترقی کا مؤثر وسیلہ بن گیا۔ علی گڑھ تحریک نے اردو زبان، اسلوب بیان اور ادبی فکر میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں زبان زیادہ سادہ، رواں، واضح اور عام فہم ہوئی، جس سے علمی اور ادبی تحریریں وسیع طبقے تک پہنچنے لگیں۔ عبارت میں غیر ضروری تکلف اور پیچیدگی کے بجائے سادگی، روانی اور مقصدیت کو اہمیت دی گئی۔ اس تبدیلی نے اردو نثر کو ایک مضبوط اور مؤثر اظہار کا وسیلہ بنا دیا۔ ادبی فکر کے اعتبار سے بھی علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو نئی جہت عطا کی۔ ادب میں حقیقت پسندی، اصلاح معاشرہ، تعلیمی بیداری، قومی شعور، اخلاقی اقدار اور عملی زندگی سے وابستگی کو فروغ ملا۔ ادیبوں نے قوم کی فکری رہنمائی کو اپنی ذمہ داری سمجھا اور اپنی تحریروں کے ذریعے مثبت سماجی اقدار کو عام کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ناول، مضمون، تحقیق، تنقید، صحافت، سوانح نگاری اور شاعری سمیت مختلف ادبی اصناف نے بھی اس تحریک سے اثر قبول کیا اور فکری و فنی اعتبار سے مزید مستحکم ہوئیں۔

6.3.1 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 علی گڑھ تحریک نے اردو زبان کو زیادہ _____ اور عام فہم بنایا۔
- سوال نمبر 2 اس تحریک نے اردو ادب میں _____ اور حقیقت پسندی کو فروغ دیا۔
- سوال نمبر 3 اردو نثر میں _____ اور تنقید کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔
- سوال نمبر 4 علی گڑھ تحریک نے ادب کو _____ کی اصلاح کا مؤثر ذریعہ بنایا۔
- سوال نمبر 5 علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو نئی _____ اور فکری وسعت عطا کی۔

6.4 عمومی جائزہ

علی گڑھ تحریک اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم اور مؤثر تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحریک نے اردو زبان و ادب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور ادب کو ایک نئی فکری اور عملی سمت عطا کی۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے اردو ادب میں جدید تعلیم، سائنسی شعور، اصلاح معاشرہ، اخلاقی اقدار اور قومی بیداری جیسے موضوعات کو فروغ ملا، جس کے نتیجے میں ادب کی افادیت اور دائرہ کار میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ علی گڑھ تحریک کے اثرات اردو نثر اور شاعری دونوں میں واضح طور پر محسوس کیے جاتے ہیں۔ نثر میں سادگی، روانی، مقصدیت اور علمی انداز بیان کو فروغ ملا، جبکہ شاعری میں اصلاحی فکر، قومی شعور، اخلاقی اقدار اور حقیقت پسندانہ رجحانات نمایاں ہوئے۔ اس تحریک نے تحقیق، تنقید، صحافت، مضمون نگاری، سوانح نگاری، ناول نگاری اور دیگر ادبی اصناف کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا، جس سے اردو ادب فکری اور فنی اعتبار سے مزید مضبوط ہوا۔

علی گڑھ تحریک کی ایک بڑی خدمت یہ تھی کہ اس نے اردو ادب کو معاشرے کی ضروریات اور عصر حاضر کے تقاضوں سے جوڑ دیا۔ اس تحریک کے زیر اثر ادیبوں نے ادب کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے قوم کی تعلیم، تربیت، اصلاح اور شعور کی بیداری کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں حقیقت پسندی، مقصدیت، علمی وقار اور تخلیقی وسعت پیدا ہوئی۔ علی گڑھ تحریک نے سرسید احمد خاں کی قیادت میں اردو ادب میں حقیقت نگاری، سادگی، اور عقلیت پسندی کو فروغ دیا، جس سے نثر میں اصلاحی مضامین اور نظم میں ملی نغموں کا آغاز ہوا۔ اس تحریک نے داستانوی طرز کو ترک کر کے مقصدیت، مضمون نگاری، سوانح نگاری، اور جدید تنقید کی بنیاد رکھی، جس نے اردو ادب کو جدید مغربی رجحانات سے روشناس کرایا۔ اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے نمایاں اثرات کچھ اس طرح سے رونما ہوئے:

نثر میں سادگی و مقصدیت: سرسید نے اردو نثر کو تکلف اور مرصع سازی سے پاک کیا اور اسے "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے سیدھی سادی اور مدعا نگاری پر مبنی بنایا۔ سرسید اور ان کے رفقاء (حالی، شبلی، نذیر احمد) نے سوانح نگاری، مضمون نگاری، اور ناول نگاری جیسے جدید اصناف ادب کو فروغ دیا۔ اسی تحریک کے تحت جدید تنقید کا آغاز ہوا اور الطاف حسین حالی کی کتاب 'مقدمہ شعر و شاعری' اردو تنقید کی پہلی باقاعدہ کتاب اردو ادب کو ودیعت ہوئی۔ سرسید تحریک نے شاعری میں اصلاحی رجحان کو نمایاں کیا۔ غزل کے روایتی حسن و عشق کے بجائے قومی بیداری، حب الوطنی، اور فطری مناظر پر نظمیں لکھی گئیں، جس میں حالی کی 'مسدس' خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اتنا نہیں بلکہ تحقیقی و علمی ادب سائنٹیفک سوسائٹی کے ذریعے مغربی علوم کے تراجم نے اردو میں سائنسی اور تحقیقی ادب کی بنیاد رکھی گئی۔

علی گڑھ تحریک اردو ادب کی تاریخ میں محض ایک اصلاحی مہم نہیں تھی، بلکہ یہ ایک فکری انقلاب تھا جس نے اردو زبان کو قدیم داستانوی فضاؤں سے نکال کر جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ سرسید احمد خان کی قیادت میں اس تحریک نے ادب کو "ادب برائے زندگی" کے تصور سے روشناس کرایا علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو درباروں سے نکال کر عوام تک پہنچایا اور اسے ایک ایسی زبان بنا دیا جو جدید دنیا کے سائنسی اور فکری چیلنجز کا مقابلہ کر سکے۔ اس تحریک نے اردو ادب کو زندگی سے جوڑ کر اسے "زندگی کی ترجمانی" کا ذریعہ بنایا۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو نئی زندگی، نئی فکر اور نئے امکانات عطا کیے۔ اس کے اثرات بعد کی ادبی تحریکات، ادبی رجحانات اور مختلف اصنافِ ادب میں بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اسی لیے اردو ادب کی ترقی اور ارتقا میں علی گڑھ تحریک کو ایک بنیادی سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

6.5 فرہنگ

علی گڑھ تحریک	:	سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک
اصلاح	:	بہتری
تعلیم	:	علم حاصل کرنے کا عمل
بیداری	:	شعور پیدا ہونا
قومی شعور	:	قومی آگہی
فکری	:	ذہنی
ادبی	:	ادب سے متعلق
اسلوب	:	اندازِ بیان
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی انداز
حقیقت پسندی	:	حقیقی زندگی کی عکاسی
تحقیق	:	گہرائی سے مطالعہ
تنقید	:	ادبی جائزہ
صحافت	:	اخبار نویسی

مضمون نگاری	:	مضامین لکھنے کا فن
سوانح نگاری	:	سیرت نویسی
ناول نگاری	:	ناول لکھنے کا فن
شاعری	:	موزوں کلام
نثر	:	غیر منظوم تحریر
اخلاقی اقدار	:	اچھے اخلاقی اصول
اصلاح معاشرہ	:	معاشرے کی بہتری
سائنسی شعور	:	سائنسی آگہی
عقلیت	:	عقل پر مبنی سوچ
ترقی	:	آگے بڑھنا
ارتقا	:	تدریجی نشوونما
جدید	:	نئے دور سے متعلق
روانی	:	آسان بہاؤ
سادگی	:	سہل انداز
ادبی اصناف	:	ادب کی مختلف اقسام
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
تہذیب	:	تمدنی اقدار
روایت	:	قدیم طریقہ
وقار	:	عزت اور اہمیت
اظہار	:	بیان
افادیت	:	اہمیت

6.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب پر علی گڑھ تحریک کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 2 اردو نثر اور اردو شاعری پر علی گڑھ تحریک کے اثرات کو مثالوں کے ساتھ بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 علی گڑھ تحریک کی ادبی خدمات پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 4 اردو زبان، اسلوب اور ادبی فکر کی تشکیل میں علی گڑھ تحریک کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب کے ارتقا میں علی گڑھ تحریک کی اہمیت کو واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 6 علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

6.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو نثر پر علی گڑھ تحریک کے اثرات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 2 اردو شاعری پر علی گڑھ تحریک کے اثرات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 3 علی گڑھ تحریک کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 4 اردو زبان اور اسلوب کی ترقی میں علی گڑھ تحریک کے کردار کو واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب میں فکری اور ادبی تبدیلیوں میں علی گڑھ تحریک کی اہمیت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب کی مختلف اصناف کی ترقی میں علی گڑھ تحریک کے کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 7 علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں مقصدیت اور حقیقت پسندی کو کس طرح فروغ دیا؟
- سوال نمبر 8 اردو ادب کے ارتقا میں علی گڑھ تحریک کی مجموعی اہمیت بیان کیجیے۔

6.8۔ جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

2۔ الف

1۔ الف

3۔ ب 4۔ الف

5۔ الف

جوابات سرگرمی 2

1۔ سادہ 2۔ مقصدیت

3۔ تحقیق 4۔ معاشرہ

5۔ سمت

مشقی سوالات کے جوابات

جواب 1۔ علی گڑھ تحریک نے اردو نثر میں سادگی، روانی، مقصدیت، حقیقت پسندی، تحقیق، تنقید، صحافت، مضمون نگاری اور دیگر نثری اصناف کو فروغ دیا۔

جواب 2۔ علی گڑھ تحریک نے اردو شاعری میں اصلاحی فکر، قومی شعور، اخلاقی اقدار، حقیقت پسندی اور نظم نگاری کو فروغ دیا۔

جواب 3۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو جدید فکر، علمی وقار، اصلاحی شعور، تعلیمی بیداری اور تخلیقی وسعت عطا کی۔

جواب 4۔ اس تحریک نے اردو زبان کو سادہ، با محاورہ اور عام فہم بنایا، جبکہ اسلوب بیان میں روانی، مقصدیت اور علمی انداز کو فروغ دیا۔

جواب 5۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں جدید افکار، حقیقت پسندانہ رویے، تعلیمی شعور اور معاشرتی اصلاح کے تصورات کو مستحکم کیا۔

جواب 6۔ اس تحریک کے نتیجے میں تحقیق، تنقید، مضمون نگاری، سوانح نگاری، ناول، صحافت اور شاعری سمیت مختلف ادبی اصناف نے نمایاں ترقی کی۔

جواب 7۔ علی گڑھ تحریک نے ادب کو معاشرتی اصلاح، اخلاقی تربیت، قومی بیداری اور عملی زندگی سے وابستہ کیا، جس سے مقصدیت اور حقیقت پسندی کو فروغ ملا۔

جواب 8۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری سمت، جدید اسلوب، علمی بنیاد اور تخلیقی وسعت عطا کی، جس کے اثرات آج بھی اردو ادب کی مختلف اصناف اور ادبی روایت میں نمایاں طور پر موجود ہیں۔

6.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	: علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	: ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	: مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر شریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بہمنی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 7۔ سرسید اور ان کے معاصرین: آزاد، حالی، نذیر احمد اور شبلی

7.0	اغراض و مقاصد
7.1	تعارف
7.2	سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین
7.2.1	سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
7.3	اردو ادب میں سرسید اور ان کے معاصرین کی خدمات
7.3.1	سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
7.4	عمومی جائزہ
7.5	فرہنگ
7.6	نمونہ برائے امتحانی سوالات
7.7	مشقی سوالات
7.8	جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
7.9	امدادی کتب

7.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور

شبلی نعمانی کی ادبی، علمی اور اصلاحی خدمات کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ ان شخصیات نے اردو ادب کی ترقی، جدید فکر کے فروغ، اصلاح معاشرہ، قومی بیداری اور تعلیمی شعور پیدا کرنے میں کس طرح اہم کردار ادا کیا۔ اس سبق کے ذریعے آپ ان ادیبوں کی نمایاں تصانیف، ادبی نظریات اور اردو زبان و ادب پر ان کے اثرات سے بھی واقف ہوں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ان شخصیات نے اردو نثر، شاعری، تنقید، تحقیق، سوانح نگاری، ناول نگاری اور تاریخ نویسی کے میدان میں کیا خدمات انجام دیں۔ آپ ان کے اسلوبِ تحریر، فکری رجحانات اور ادبی خصوصیات کا تقابلی جائزہ لینے کے قابل بھی ہوں گے۔ اس سبق کا مقصد طلبہ میں اردو ادب کی جدید روایت، تنقیدی شعور اور تحقیقی ذوق کو فروغ دینا ہے تاکہ وہ علی گڑھ تحریک اور اس سے وابستہ ادبی شخصیات کے کردار کو اردو ادب کے ارتقاء کے تناظر میں بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

7.1 تعارف

انیسویں صدی کا دور اردو ادب کی تاریخ میں ایک نئے فکری اور ادبی انقلاب کا زمانہ تھا۔ اس دور میں سرسید احمد خاں نے مسلمانوں میں جدید تعلیم، سائنسی شعور اور سماجی اصلاح کی بنیاد رکھی۔ ان کی تحریک کو کامیاب بنانے میں کئی ممتاز اہل قلم نے ان کا ساتھ دیا، جن میں محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی نمایاں ہیں۔ ان تمام شخصیات نے اپنی علمی، ادبی اور اصلاحی خدمات کے ذریعے اردو ادب کو نئی فکر، نئی زبان اور نئے موضوعات عطا کیے۔ ان ادیبوں نے اردو ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑا اور ادب کو معاشرے کی اصلاح، اخلاقی تربیت، قومی شعور اور تعلیمی ترقی کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تحریروں میں مقصدیت، سادگی، حقیقت پسندی اور علمی گہرائی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی خصوصیات انہیں اردو ادب کی جدید روایت کے معماروں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔ سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کی خدمات کا اثر صرف ان کے اپنے دور تک محدود نہیں رہا بلکہ بعد کے ادیبوں، شاعروں اور نقادوں نے بھی ان سے رہنمائی حاصل کی۔ اسی لیے اردو ادب کی تاریخ میں ان شخصیات کو جدید ادبی فکر کے اہم نمائندوں کی حیثیت حاصل ہے۔

7.2 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین

نام سرسید احمد، خطاب۔ سر، اعزاز سی ایس آئی اور کے سی ایس آئی، والد۔ میر تقی، والدہ۔ عزیز النساء، دادا۔ سید ہادی، پردادا۔ سید عماد چھپر دادا سید برہان، مورث اعلیٰ۔ سید محمد دوست۔

سید محمد دوست اور نگ زیب عالم گیر کے ہمراہ دکن کی مہم میں شریک ہوئے تھے۔ بعد میں وہ دکن میں ہی بس گئے۔ ان کے لڑکے سید برہان نے دکن سے دہلی آکر سکونت اختیار کر لی۔ ان کے فرزند تھے سید عماد اور ان کے دو بیٹے تھے۔ سید ہادی اور سید مہدی۔ سید ہادی کو خطاب جواد علی خاں اور منصب ہزاری دیا گیا۔ جب شاہ عالم بادشاہ ہوا تو خطاب جواد الدولہ دیا گیا اور عہدہ قضاے لشکر عنایت ہوا۔ سید ہادی کے مرنے کے بعد ان کے دوست خواجہ فرید نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے میر تقی سے کر دی۔ میر تقی شادی کے بعد خواجہ فرید کے ہی گھر میں رہنے لگے۔ وہیں سید احمد کی 17 اکتوبر 1817 کو پیدائش ہوئی۔ بچپن کی تعلیم ایسے ہی بے دلی سے پوری کی۔ خواجہ فرید کے مرنے کے بعد اور بھی آزادی مل گئی اور خوب شرارتیں کرنے لگے۔ پڑھائی سے زیادہ رجحان کھیلوں کی طرف تھا۔ تیراندازی، پتنگ بازی اور تیراکی میں خوب مہارت حاصل تھی۔ سید احمد خاں کی والدہ عزیز النساء بیگم کی شخصیت کافی متاثر کن تھی۔ ان کی پرورش اور تربیت نے سر سید احمد خاں کی زندگی اور انداز فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ ایک مرتبہ سید احمد خاں نے کسی ملازم کو تھپڑ مار دیا۔ اس بات سے ناراض ہو کر ان کی والدہ نے فوراً ان کو گھر سے باہر کر دیا۔ اور تین دن کے بعد اس شرط پر واپسی کی اجازت دی کہ ملازم سے معافی مانگیں۔ سید احمد نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک عام نوجوان کی طرح جوانی کی رنگینیوں میں کھو گئے۔ ہولی کے میلے، پھول والوں کی سیر، بسنت کے میلے، راگ رنگ کی محفلیں غرض کوئی جگہ باقی نہ بچی تھی کبھی بھی طوائفوں کے یہاں بھی جانا ہو جاتا تھا۔ والدہ نے جب یہ کارنامے سنے تو ہکا بکارہ کئیں اور صرف 18 سال کی عمر میں ان کی شادی خالدہ زاد سے کر دی۔ والدہ نے اس لیے شادی کر دی تھی کہ وہ گھر کی ذمہ داری کو سمجھے گا اور باہر کی ہوا سے دور رہے گا لیکن شادی تو ایک دن کی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد سید احمد نے پھر بازار کی رونق کی طرف نظر کی۔ ان سب کے ساتھ ساتھ کتابوں کے مطالعے کا بھی شوق تھا۔ اور دہلی کے امراء و رؤسا کی محفلوں میں بھی جا کر بیٹھتے تھے۔ دہلی کے اس وقت کے مشہور شاعر غالب، صہبائی، آرزو، وغیرہ سے ملنے جاتے تھے اور ان کی علمی مجلسوں میں بھی شامل ہوتے تھے۔ اس وقت ادبی ذوق و شوق رکھنا امیرانہ شان کی پہچان تھی۔

یہی شب و روز تھے کہ والد میر تقی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ والد کی موت کے بعد سید احمد کو گھر کا خیال آیا۔ ایک انگریز افسر مسٹر ہملٹن نے سید احمد کو نائب منشی بنادیا۔ سید احمد کو غالب کی دیکھا دیکھی میں جب لکھنے کا شوق ہوا تو ایک کتاب فارسی میں جام جم کے نام سے 1840 میں مرتب کر دی۔ پھر دھیرے دھیرے مطالعے کا اور شوق بڑھا تو تین مذہبی رسائل تصنیف کیے اور پھر دہلی کی عمارتوں پر تحقیق کرنا شروع کی اور نتیجہ آثار الصنادید کی شکل میں سامنے آیا۔ آثار الصنادید 1847 میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ یہ کتاب انھوں نے دہلی میں منصفی کے زمانے میں لکھی تھی۔ یہ کام انھوں نے جس محنت اور جانفشانی سے کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قطب مینار کے

اکثر کتبے پڑھنے کے لیے انھوں نے باڑھ تک بندھوائے۔ اس کتاب کا ترجمہ مسٹر رابرٹس کلکٹر و مجسٹریٹ نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے ذریعہ کروایا اور سید احمد کو سوسائٹی کا آنریری فیلو مقرر کیا گیا۔ 1861 تک اس کتاب کا فرانسیسی میں بھی ترجمہ ہو چکا تھا۔ جب 1857 کی بغاوت ہوئی تو سید احمد خاں بجنور میں تھے اور صدر امین کے عہدے پر فائز تھے۔ دہلی کے بعد بغاوت کی لہریں بجنور تک پہنچیں اور انگریز حاکموں کو خوف محسوس ہوا تو سر سید ایک جوان مرد بن کر سامنے آئے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں

”مسٹر شیکسپیر جو اس زمانے میں بجنور کے کلکٹر و مجسٹریٹ تھے گو کہ سر سید کو بہ اعتبار عہدے کے ان سے کچھ تعلق نہ تھا مگر مسٹر شیکسپیر اور مسز شیکسپیر سے ان کی بہت راہ ورسم تھی..... جب بجنور میں بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے اور حالت خطرناک ہوئی تو مسز شیکسپیر بہت گھبرائیں۔ سر سید کو جب یہ حال معلوم ہوا تو جا کر ان کی تشفی کی اور کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں آپ کو گھبرانا نہیں چاہتے۔ جب آپ دیکھیں کہ ہماری لاش کوٹھی کے سامنے پڑی ہے اس وقت گھبرانے کا مضائقہ نہیں۔“

اور اس رات سر سید اسلحے سے لیس ہو کر ساری رات پہرہ دیتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ حوصلہ بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ سید احمد نے ہندوستانی حفاظتی دستوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ محمد رحمت اللہ ڈپٹی مجسٹریٹ اپنے مصاحبوں کو لے کر رات بھر گشت کرتے رہے۔ اور پھر سید احمد، سید تراز علی تحصیل کے ساتھ بجنور کی اندھیری راتوں میں جیل خانے اور خزانے اور انگریز حاکموں کی کوٹھی کا دورہ کر۔ ریز حاکموں کی کوٹھی کا دورہ کرتے رہے۔ سید احمد نے بغاوت کے ختم ہونے پر مسلمانوں کی تباہی و بربادی دیکھی تو ان کا دل بھر آیا اور انھوں نے رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھ کر انگریز حکمرانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بغاوت کے ذمہ دار مسلمان نہیں تھے۔ سید احمد نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لیے ایک تحریک شروع کی اور اس لیے وہ ولایت گئے جہاں انھوں نے ولیم میور کی کتاب ”لائف آف محمد“ کا جواب بھی لکھا۔ پیرس، لندن، اسکندریہ وغیرہ ممالک کا دورہ کرنے کے بعد وہ وطن واپس آئے۔ وہاں سے وہ مسلمانوں کی ناخواندگی، ناکامی اور پستی کا حال معلوم کر کے لوٹے تھے۔ ہندوستان واپس آنے پر مسلمانوں نے کافی مخالفت کی اور کرپشن کا خطاب دے ڈالا۔ کئی علماء نے تو کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا لیکن سید احمد کو صرف اور صرف قوم کی فکر تھی۔ انھوں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی اور اپنے کام میں لگے رہے۔

سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد تو انھوں نے ولایت جانے سے پہلے ہی رکھ دی تھی اور اخبار سائنٹفک سوسائٹی بھی شائع ہونا شروع ہو چکے تھے۔ کئی انگریزی کتابوں کے تراجم پر بھی کام ہو رہا تھا۔ لندن سے واپس آنے کے بعد انھوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رسالہ تہذیب

الاخلاق کی شروعات کی۔ اس رسالے میں مسلمانوں کی تعلیم و ترقی، مذہب، سماجی مسائل کے موضوعات پر مضامین شائع کرنے شروع کیے۔ مذہبی عقائد و خیالات جو ترقی میں مانع تھے۔ ان پر بھی کافی کچھ لکھا۔ عبادت کا صحیح مفہوم، پیری مریدی، اہل کتاب کے ساتھ معاملات ان سب پر عقلی دلیل سے روشنی ڈالی جس کی کافی مخالفت کی گئی۔ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ اور مسلمانوں کی ترقی میں حائل دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی پسماندگی جاننے کے لیے اعلان کروایا۔ ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ سرکاری اسکولوں میں مسلمان کم کیوں پڑھتے ہیں۔ اس کے اسباب کا پتہ لگایا جائے اور حل ڈھونڈھا جائے۔ ان سب کاموں کے لیے انگریزوں اور مسلمانوں سے چندہ جمع کیا۔ اس کمیٹی کے جلسے سے ایک دن پہلے سید احمد رات بھر جاگتے رہے تھے اور رورور کر کہتے رہتے تھے کہ مسلمان بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جا رہے ہیں۔ کوئی صورت ان کی بھلائی کی نظر نہیں آتی۔ اس جلسے میں رپورٹ پیش کی گئی جسے گورنمنٹ کو بھی دے دیا گیا۔ اس رپورٹ کے مطابق یہ بات سامنے آئی کہ مسلمانوں کو اپنی تعلیم کی فکر خود کرنی ہوگی۔ سرکار نے کہا کہ اگر کمیٹی کسی کالج کا قیام کرتی ہے تو حکومت اس کی امداد کرے گی۔ سرسید احمد خان نے چندے جمع کر کے مدرسے کو 24 مئی 1875 کو شروع کروادیا۔ اب ایک مسئلہ کالج کی تعمیر کا تھا۔ لیکن یہ حوصلے کا پہاڑ مسلمانوں کی کامیابی کا عزم مصمم دل میں لیے ہوئے اپنے سامنے آنے والے سارے مسائل، ساری بغاوتوں، سارے طوفانوں کا مقابلہ کرتا ہوا اپنی کوششوں میں لگا رہا۔ وہ چندہ مانگنے میں اتنا مشہور تھے کہ لوگ جہاں دیکھتے تھے یہ سوچ لیتے تھے کہ کہیں چندہ نہ مانگ لیں۔ لاٹری تک ڈالی اور لوگوں کے اعتراض کے جواب میں کہا کہ جب ہم اپنے لیے ناجائز کام کرتے ہیں تو قوم کی بھلائی کے لیے کیوں نہیں کر سکتے۔ بھاری آواز میں غزلیں گائیں تاکہ لوگ پیسے دیں۔ کتابیں فروخت کیں۔ قومی رضا کار بن کر گلے میں جھولی ڈال کر پیسے جمع کیے۔ یہاں تک کہ طوائفوں اور سازندوں سے بھی چندہ وصول کیا۔ اتنی محنت اور جانفشانی رنگ لائی اور آخر کار یکم جنوری 1878 کو کالج میں کلاسیں شروع ہو گئیں۔ سرسید کے مخالفین میں سجاد حسین، اکبر الہ آبادی، امداد علی وغیرہ پیش پیش تھے۔

سرسید نے ایک کام یہ کیا کہ انھوں نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے تفسیر القرآن لکھی۔ جس میں اسلام کے ہر عقیدے، قانون، احکامات کو عقلی استدلال و ثبوت کے ساتھ پیش کیا لیکن وہ پوری تفسیر نہیں مکمل کر سکے اور 27 مارچ 1898 کو انتقال فرما گئے لیکن ان کا فیض آج بھی زندہ ہے۔ سرسید احمد خاں کو مولانا آزاد نے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

”مرحوم سرسید اور ان کے ساتھیوں نے علی گڑھ میں صرف ایک کالج ہی قائم نہیں کیا تھا بلکہ وقت کی تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس حلقہ کی مرکزی شخصیت خود ان کا وجود تھا اور ان کے گرد

ملک کے بہترین دماغ جمع ہو گئے تھے۔ اس عہد کا شاید ہی کوئی قابل ذکر اہل قلم ایسا ہوگا جو اس مرکزی حلقہ کے اثرات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اسی حلقہ کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق و تصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں۔

(پروفیسر عایق احمد نظامی، سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے، انجمن ترقی اردو ہندوہی، دہلی 1996 ص 30)

سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو ادب میں ایک نئی فکری روایت کو فروغ دیا۔ ان سب کا مشترکہ مقصد قوم میں تعلیمی بیداری، اخلاقی اصلاح، علمی ترقی اور ادبی شعور پیدا کرنا تھا۔ اگرچہ ہر شخصیت کا انداز فکر اور اسلوب تحریر ایک دوسرے سے مختلف تھا، لیکن سب کی کوششیں اردو زبان و ادب کی ترقی اور معاشرے کی اصلاح کے لیے وقف تھیں۔ سرسید احمد خاں نے جدید تعلیم اور سائنسی فکر کو فروغ دیا، محمد حسین آزاد نے اردو نثر اور ادبی تنقید کو نئی جہت عطا کی، حالی نے نظم، تنقید اور سوانح نگاری کو فروغ دیا، ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا کام انجام دیا، جبکہ شبلی نعمانی نے تحقیق، سیرت نگاری، تاریخ اور تنقید کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان تمام شخصیات نے مل کر اردو ادب کی جدید بنیادوں کو مضبوط کیا۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء، جنہیں "عناصرِ خمسہ" (پانچ ستون) کہا جاتا ہے، اردو ادب کے وہ معمار ہیں جنہوں نے قدیم طرزِ احساس کو جدید فکری ڈھانچے میں ڈھالا۔ ان سب کا مقصد ایک ہی تھا: قوم کی اصلاح، لیکن ہر ایک کا میدانِ عمل مختلف تھا۔

مولانا الطاف حسین حالی: حالی نے اردو ادب کو دو بڑے تحفے دیے۔ ایک "مسدسِ حالی" جس نے سوئی ہوئی قوم کو جگایا، اور دوسرا "مقدمہ شعرو شاعری" جس نے اردو میں جدید تنقید کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ شاعری صرف محبوب کی زلفوں تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے جدید نظم نگاری اور اصلاحی نثر کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے شاعری کو عوامی شعور اور قوم کی ترقی کے لیے استعمال کیا، جبکہ مقدمہ شعرو شاعری کے ذریعے اردو تنقید کو سائنسی بنیادیں فراہم کیں۔ ان کے مایہ ناز کارناموں میں مسدسِ حالی (مدو جزیر اسلام)، حیاتِ جاوید، اور یادگارِ غالب شامل ہیں۔

حالی کی ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ درج ذیل ہے:

۱۔ جدید نظم نگاری اور شاعری

حالی نے اردو شاعری کو روایتی غزل سے نکال کر جدید موضوعات سے روشناس کرایا۔

مسدس حالی: یہ ان کی سب سے مشہور نظم ہے، جو مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان ہے اور قوم کو بیدار کرنے کے لیے لکھی گئی۔
 نظمیں: برکھارت، نشاط امید، حب وطن، مناجات بیوہ، اور چپ کی داد جیسی نظموں کے ذریعے انہوں نے اخلاقی، سماجی اور فطری مناظر کو پیش کیا۔ عورتوں کے حقوق: حالی نے 'چپ کی داد' جیسی نظموں میں خواتین کے معاشرتی مقام اور ان پر ہونے والے مظالم کی نشاندہی کی۔

۲۔ نثری خدمات اور اصلاحی ادب

حالی نے نثر میں بھی اصلاحی اور تعلیمی مقاصد کو فوقیت دی۔ مقدمہ شعر و شاعری: یہ کتاب اردو میں تنقید کی پہلی باقاعدہ کتاب مانی جاتی ہے، جس میں انہوں نے شاعری کے اصول وضع کیے۔
 سوانح نگاری: انہوں نے 'حیات جاوید' (سرسید پر)، 'حیات سعدی' (شیخ سعدی پر) اور 'یادگار غالب' (مرزا غالب پر) لکھ کر اردو میں سوانح نگاری کے نئے معیار قائم کیے۔
 مجالس النساء: یہ کتاب لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے لکھی گئی، جو برسوں نصاب میں شامل رہی۔

۳۔ ادبی تنقید

حالی نے شاعری کے لیے سادگی، اصلیت، اور جوش کو ضروری قرار دیا۔ انہوں نے روایتی قصیدہ گوئی اور محدود غزل کے بجائے حقیقت پسندانہ ادب کی حوصلہ افزائی کی۔
 مختصراً، مولانا حالی نے اردو زبان کو ایک مقصد اور سمت عطا کی، اور ادب کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ آزاد کو اردو کا سب سے بڑا صاحب طرز انشا پرداز مانا جاتا ہے۔ ان کی نثر میں داستانوی انداز، تمثیل نگاری اور شاعرانہ رنگ پایا جاتا ہے۔
 مشہور تصانیف: ان کی نمایاں کتابوں میں آب حیات (تاریخ ادب/ تذکرہ)، نیرنگ خیال (تمثیلی مضامین)، دربار اکبری (تاریخی)، سخن دانِ فارس (لسانیات)، اور قصص الہند (تاریخی کہانیوں کا مجموعہ) شامل ہیں۔

جدید نظم کی تحریک: آزاد نے حالی کے ساتھ مل کر جدید اردو نظم کی بنیاد رکھی اور روایتی غزل کے بجائے فطری شاعری کو فروغ دیا۔
 تحقیق اور تنقید: آب حیات کے ذریعے اردو زبان اور شاعری کی تاریخ مرتب کی۔ اگرچہ ان کے تحقیقی طریقوں پر بعد میں تنقید بھی

ہوئی، لیکن تذکرہ نگاری میں ان کا کام بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو کے پہلے ناول نگار، ماہر تعلیم اور بہترین نثر نگار تھے، جنہوں نے اصلاحی ناولوں کے ذریعے مسلم معاشرے کی اصلاح، خواتین کی تعلیم اور اردو زبان کی ترویج میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کے مشہور ناولوں میں مراۃ العروس، توبۃ النصوح، اور ابن الوقت شامل ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے۔ انہوں نے مراۃ العروس (1869) کے ذریعے اردو میں ناول نگاری کا آغاز کیا۔ ان کے ناولوں کا بنیادی مقصد معاشرتی اصلاح تھا۔ انہوں نے اکبری اور اصغری جیسے کرداروں کے ذریعے گھریلو زندگی اور خواتین کی تعلیم پر زور دیا۔

ان کی نثر سادہ، سلیس اور محاوراتی ہے، جس نے اردو زبان کو ایک نئی وسعت دی۔ انہوں نے انڈین پینل کوڈ کا "تغزیرات ہند" کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا، جو ان کی قانونی اور ادبی مہارت کا ثبوت ہے۔ نذیر احمد کے ناول نہ صرف ان کے دور کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اخلاقی تعلیم کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی اردو کے مایہ ناز مورخ، سوانح نگار، نقاد اور ماہر تعلیم تھے، جنہوں نے اپنی علمی و ادبی خدمات کے ذریعے اردو نثر کو متین، مدلل اور شگفتہ بنایا۔ الفاروق، سیرت النعمان، شعر العجم اور سیرت النبی جیسی تاریخی و سوانحی کتب لکھ کر اسلامی تاریخ کو زندہ کیا۔ شبلی نے حقیقت نگاری پر مبنی سوانح عمریاں لکھیں، جن میں الفاروق (حضرت عمر فاروقؓ)، المامون (مامون الرشید)، سیرت النعمان (امام ابوحنیفہؒ)، اور سوانح مولانا روم شامل ہیں۔ ان کی سب سے بڑی ادبی خدمت سیرت النبی ﷺ ہے۔

شعر العجم (فارسی شاعری کی تاریخ) اور موازنہ انیس و دہیر (اردو مرثیہ نگاری پر تنقید) ان کی تنقیدی شاہکار ہیں، جن میں انہوں نے شعری محاسن و معائب کا منطقی جائزہ لیا۔ اسلام کو جدید فلسفیانہ دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے لیے علم الکلام اور الغزالی جیسی کتب لکھیں۔ شبلی کی نثر پر شکوہ، عالمانہ اور ادبی رنگ لیے ہوئے ہے۔ انہوں نے خٹک تاریخی موضوعات کو بھی دلچسپ اور دلنشین انداز میں لکھا۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا تھا۔

محمد حسین آزاد (اردو کا صاحب طرز انشا پرداز)

آزاد نے اپنی کتاب "آب حیات" کے ذریعے اردو شعراء کی تاریخ کو زندہ کر دیا۔ ان کی نثر میں ایسی جادوگری ہے کہ خٹک تاریخی حقائق بھی داستان کی طرح دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اردو میں تمثیل نگاری (Allegory) کو فروغ دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد

نذیر احمد نے اردو ادب کو ناول جیسی اہم صنف سے روشناس کرایا۔ ان کے ناول محض کہانیاں نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد معاشرے

(خصوصاً خواتین) کی تعلیم و تربیت تھا۔ ان کے کردار (مثلاً نصح یا اصغری) آج بھی اردو ادب میں زندہ جاوید ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی: شبلی نے اردو ادب کو علمی وقار بخشا۔ انہوں نے اسلامی ہیروز کی سوانح عمریاں (جیسے الفاروق) لکھ کر مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی۔ وہ ایک طرف سخت گیر محقق تھے تو دوسری طرف "شعر العجم" جیسی کتاب لکھ کر فارسی شاعری کی تاریخ کے بہترین نقاد ثابت ہوئے۔

7.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 مرآة العروس کے مصنف کون ہیں؟

الف۔ ڈپٹی نذیر احمد

ب۔ حالی

ج۔ شبلی نعمانی

د۔ محمد حسین آزاد

سوال نمبر 2 آب حیات کے مصنف ہیں:

الف۔ حالی

ب۔ محمد حسین آزاد

ج۔ شبلی نعمانی

د۔ سر سید احمد خاں

سوال نمبر 3۔ مقدمہ شعر و شاعری کس کی تصنیف ہے؟

الف۔ سر سید احمد خاں

ب۔ محمد حسین آزاد

ج۔ الطاف حسین حالی

د۔ شبلی نعمانی

سوال نمبر 4 شعر العجم کے مصنف کون ہیں؟

الف۔ ڈپٹی نذیر احمد

ب۔ شبلی نعمانی

ج۔ حالی

د۔ اکبر الہ آبادی

سوال نمبر 5 اردو کے اصلاحی ناول نگار کے طور پر کون زیادہ مشہور ہیں؟

الف۔ شبلی نعمانی

ب۔ محمد حسین آزاد

ج۔ ڈپٹی نذیر احمد

د۔ حالی

7.3 اردو ادب میں سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کی خدمات

سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو ادب کی ترقی میں نہایت اہم اور تاریخی خدمات انجام دیں۔ ان شخصیات نے اردو زبان و ادب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور اسے معاشرتی اصلاح، تعلیمی بیداری، قومی شعور اور علمی ترقی کا موثر ذریعہ بنایا۔ ان کی تحریروں نے اردو ادب میں مقصدیت، حقیقت پسندی، سادگی، علمی استدلال اور فکری پختگی کو فروغ دیا۔ ان کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں اردو ادب کا دائرہ کار وسیع ہوا اور نئی ادبی اصناف کو ترقی کے بہتر مواقع حاصل ہوئے۔ سرسید احمد خاں نے جدید تعلیم، سائنسی فکر اور اصلاح معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ محمد حسین آزاد نے نثر اور ادبی تنقید کو نئی جہت عطا کی، حالی نے نظم، تنقید اور سوانح نگاری کو استحکام بخشا، ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا فریضہ انجام دیا، جبکہ شبلی نعمانی نے تحقیق، تاریخ، سیرت نگاری اور تنقید کو علمی بنیادوں پر فروغ دیا۔ ان تمام شخصیات کی مشترکہ خدمات نے اردو ادب کو ایک مضبوط فکری اور ادبی روایت عطا کی۔

سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو نثر، شاعری اور تنقید تینوں میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اردو نثر کو سادہ، رواں، با مقصد اور عام فہم بنانے میں سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کا کردار نہایت اہم ہے۔ ان کی تحریروں نے مضمون نگاری، تحقیق، صحافت، ناول نگاری اور سوانح نگاری کو فروغ دیا اور اردو نثر کو ایک مضبوط ادبی بنیاد فراہم کی۔ اردو شاعری میں حالی نے نظم کو نئی سمت عطا کی اور شاعری کو اصلاح معاشرہ، اخلاقی تربیت اور قومی بیداری کا موثر ذریعہ بنایا۔ اسی طرح محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی نے بھی شاعری اور ادبی تنقید کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان اہل قلم کی کاوشوں سے اردو تنقید میں معروضیت، تحقیق اور علمی استدلال کو اہمیت ملی، جس کے نتیجے میں اردو ادب فکری اور فنی اعتبار سے مزید مستحکم ہوا۔

7.3.1 سرگرمی: 2: آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 سرسید احمد خاں نے _____ تعلیم کے فروغ پر زور دیا۔
- سوال نمبر 2 محمد حسین آزاد کی مشہور تصنیف _____ ہے۔
- سوال نمبر 3 حالی نے _____ کو نئی سمت عطا کی۔
- سوال نمبر 4 شبلی نعمانی نے _____ اور سیرت نگاری میں نمایاں خدمات انجام دیں۔
- سوال نمبر 5 ڈپٹی نذیر احمد نے اردو _____ نگاری کو فروغ دیا

7.4 عمومی جائزہ

سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو ادب کی ترقی میں ایک تاریخی اور یادگار کردار ادا کیا۔ ان شخصیات نے ادب کو محض تفریح یا جذبات کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے قوم کی تعلیمی، سماجی، اخلاقی اور فکری اصلاح کا مؤثر ذریعہ بنایا۔ ان کی تحریروں میں جدید تعلیم، سائنسی شعور، اخلاقی اقدار، قومی بیداری اور علمی فکر کو نمایاں مقام حاصل ہے، جس کے نتیجے میں اردو ادب کو ایک نئی سمت اور مضبوط بنیاد میسر آئی۔ سرسید احمد خاں نے جدید تعلیم اور اصلاحی فکر کو فروغ دیا، محمد حسین آزاد نے اردو نثر اور تاریخ ادب کو نئی جہت عطا کی، حالی نے شاعری اور تنقید کو مقصدیت اور حقیقت پسندی سے آشنا کیا، ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بنایا، جبکہ شبلی نعمانی نے تحقیق، تنقید، تاریخ اور سیرت نگاری کو علمی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان تمام اہل قلم کی مشترکہ کوششوں سے اردو ادب کے فکری، فنی اور تحقیقی سرمایہ میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ان شخصیات کی خدمات کے نتیجے میں اردو زبان زیادہ سادہ، مؤثر اور علمی اظہار کا وسیلہ بنی۔ ادب میں نئے موضوعات، نئی اصناف اور نئے اسالیب کو فروغ ملا۔ تحقیق، تنقید، صحافت، ناول نگاری، نظم اور سوانح نگاری نے ترقی کی اور اردو ادب ہر اعتبار سے زیادہ مضبوط اور ہمہ گیر ہوتا گیا۔ محمد حسین آزاد اردو نثر کے ممتاز ادیب، نقاد اور محقق تھے۔ انہوں نے اردو زبان کو سادہ، مؤثر اور فطری اسلوب عطا کیا۔ ان کی معروف تصنیف آبِ حیات اردو شاعری کی تاریخ پر ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آزاد نے ادبی تنقید، تاریخ ادب اور نثر نگاری میں نمایاں خدمات انجام

دیں اور اردو ادب میں فطری اندازِ اظہار اور سادگی کو فروغ دیا۔ الطاف حسین حالی اردو کے عظیم شاعر، نقاد اور مصلح تھے۔ انہوں نے شاعری کو قومی بیداری، اخلاقی تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا۔ ان کی مشہور تصانیف مسدسِ حالی، مقدمہ شعر و شاعری اور حیاتِ جاوید اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ حالی نے اردو تنقید کو باقاعدہ اصول عطا کیے اور شاعری میں مقصدیت، حقیقت پسندی اور سادگی کو فروغ دیا۔ ان کی خدمات نے اردو ادب کو ایک مضبوط فکری بنیاد فراہم کی۔ ڈپٹی نذیر احمد اردو کے اولین ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اردو ناول کو اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنایا اور اپنے ناولوں کے ذریعے اخلاقی تربیت، خاندانی نظام، تعلیم کی اہمیت اور معاشرتی اقدار کو فروغ دیا۔ ان کی زبان سادہ، رواں اور عام فہم ہے، جس کی وجہ سے ان کی تحریریں عوام میں بے حد مقبول ہوئیں۔ مرآة العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور فسان؟ مبتلا ان کی نمایاں تصانیف ہیں۔ ان کی ناول نگاری نے اردو نثر کو ایک نئی سمت عطا کی اور اردو ادب میں اصلاحی ادب کی مضبوط روایت قائم کی۔

شبلی نعمانی اردو کے ممتاز محقق، نقاد، مؤرخ، سیرت نگار اور شاعر تھے۔ انہوں نے اردو ادب کو تحقیق، تنقید اور سیرت نگاری کے میدان میں نئی وسعت عطا کی۔ ان کی تحریروں میں علمی گہرائی، تحقیقی بصیرت، متوازن فکر اور دلکش اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ، سوانح نگاری اور ادبی تنقید پر گراں قدر کام کیا اور اردو نثر کو علمی وقار عطا کیا۔ سیرۃ النبیؐ، الفاروق، المأمون، شعر العجم اور الغزالی ان کی اہم تصانیف میں شامل ہیں۔ شبلی نعمانی کی خدمات نے اردو ادب میں تحقیق و تنقید کی روایت کو مستحکم کیا اور آنے والی نسلوں کے لیے علمی رہنمائی کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی دونوں نے اپنے اپنے میدان میں اردو ادب کو نئی جہت عطا کی۔ ایک نے ناول نگاری کو اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا تو دوسرے نے تحقیق، تاریخ اور سیرت نگاری کو علمی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کی خدمات اردو ادب کی ترقی میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو ادب کی جدید روایت کو استحکام بخشا اور ایسی ادبی بنیاد فراہم کی جس سے بعد کی نسلوں نے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ ان کی خدمات اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں مقام رکھیں گی۔

7.5 فرہنگ

معاصرین	:	ہم عصر ادیب
اصلاح	:	بہتری
اصلاحِ معاشرہ	:	معاشرے کی بہتری

تعلیم	:	علم حاصل کرنے کا عمل
جدید	:	نئے دور سے متعلق
شعور	:	آگہی
فکری	:	ذہنی
ادبی	:	ادب سے متعلق
تنقید	:	ادبی جائزہ
تحقیق	:	گہرائی سے مطالعہ
سیرت نگاری	:	سیرت لکھنے کا فن
سوانح نگاری	:	حالاتِ زندگی لکھنے کا فن
تاریخ نویسی	:	تاریخی واقعات کی تحریر
ناول نگاری	:	ناول لکھنے کا فن
مضمون نگاری	:	مضامین لکھنے کا فن
صحافت	:	اخبار نویسی
اسلوب	:	اندازِ بیان
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی انداز
حقیقت پسندی	:	حقیقی زندگی کی عکاسی
اخلاقیات	:	اخلاقی اقدار
قومی بیداری	:	قومی شعور
علمی	:	علم سے متعلق
ادبیات	:	ادب سے متعلق علوم

تہذیب	:	تمدنی اقدار
روایت	:	چلی آنے والا طریقہ
ارتقا	:	تدریجی ترقی
افادیت	:	اہمیت
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیق کار	:	ادب تخلیق کرنے والا
وقار	:	عزت اور اہمیت
عقلیت	:	عقل پر مبنی سوچ
استدلال	:	دلیل سے بات کرنا
ترجمانی	:	نمائندگی

7.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کی اردو ادب کے لیے خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 2 محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی ادبی خدمات پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی کی علمی و ادبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 4 اردو نثر، شاعری اور تنقید کی ترقی میں سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کے کردار کو واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 5 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو ادب کی جدید روایت کو کس طرح استحکام بخشا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب کے ارتقا میں سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی کی مشترکہ خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

7.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 سرسید احمد خاں کی ادبی اور اصلاحی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 2 محمد حسین آزاد کی علمی و ادبی خدمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 3 الطاف حسین حالی کی شاعری اور تنقیدی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری کی خصوصیات واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 5 شبلی نعمانی کی تحقیقی اور ادبی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو نثر کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟
- سوال نمبر 7 اردو ادب کی جدید روایت کے فروغ میں سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کی اہمیت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 8 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین کی مشترکہ ادبی خدمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

7.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

- 1- الف 2- ب
- 3- ج 4- ب
- 5- ج

جوابات سرگرمی 2

- 1- جدید 2- آبِ حیات
- 3- نظم 4- تحقیق
- 5- ناول

مشقی سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 سرسید احمد خاں نے جدید تعلیم، سائنسی فکر، اصلاحِ معاشرہ، اردو نثر کی ترقی اور مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

جواب نمبر 2 محمد حسین آزاد نے اردو نثر، تاریخِ ادب اور ادبی تنقید کو فروغ دیا۔ ان کی تصنیف آبِ حیات اردو ادب کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔
جواب نمبر 3 الطاف حسین حالی نے اردو نظم، تنقید اور سوانح نگاری کو فروغ دیا۔ انہوں نے شاعری میں مقصدیت، اخلاقی اقدار اور قومی شعور کو نمایاں کیا۔

جواب نمبر 4 ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری کو اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا۔ ان کے ناولوں میں اخلاقی تربیت، تعلیم اور خاندانی زندگی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

جواب نمبر 5 شبلی نعمانی نے تحقیق، تنقید، تاریخ، سیرت نگاری اور اسلامی علوم کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی تصانیف علمی تحقیق کا بہترین نمونہ ہیں۔

جواب نمبر 6 سرسید احمد خاں اور ان کے معاصرین نے اردو نثر کو سادہ، بامقصد، مؤثر اور علمی بنایا، جس سے تحقیق، تنقید، صحافت، مضمون نگاری اور ناول نگاری کو فروغ ملا۔

جواب نمبر 7 ان شخصیات نے اردو ادب کو جدید فکر، تعلیمی شعور، اخلاقی اقدار، حقیقت پسندی اور اصلاحی نظریات سے آشنا کیا، جس سے اردو ادب کی جدید روایت مضبوط ہوئی۔

جواب نمبر 8 سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور شبلی نعمانی نے مشترکہ طور پر اردو ادب کی فکری، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی روایت کو استحکام بخشا اور اردو زبان و ادب کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

7.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب : علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر : ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی

اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	: مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بمبئی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 8۔ ادب لطیف اور رومانی رجحان: ایک تعارف

- 8.0 اغراض و مقاصد
- 8.1 تعارف
- 8.2 ادب لطیف کا تصور
- 8.2.1 ادب لطیف کی تعریف، مفہوم اور خصوصیات
- 8.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 8.3 رومانی رجحان: ایک تعارف
- 8.3.1 رومانی رجحان کی خصوصیات اور اہمیت
- 8.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 8.4 عمومی جائزہ
- 8.5 فرہنگ
- 8.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
- 8.7 مشقی سوالات
- 8.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
- 8.9 امدادی کتب

8.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ ادب لطیف کے مفہوم، تعریف، خصوصیات اور اہمیت کو بخوبی سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ ادب لطیف انسانی جذبات، احساسات، حسن ذوق اور جمالیاتی شعور کی تشکیل میں کس طرح اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سبق کے ذریعے آپ ادب لطیف کی ادبی حیثیت، اس کے بنیادی عناصر اور اردو ادب میں اس کی اہمیت سے بھی واقف ہوں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ رومانی رجحان کے آغاز، اس کی نمایاں خصوصیات اور اردو ادب پر اس کے اثرات کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ رومانی رجحان نے اردو شاعری اور نثر میں تخیل، حسن فطرت، جذبات، انفرادیت اور جمالیاتی احساس کو کس طرح فروغ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ادب لطیف اور رومانی رجحان کے باہمی تعلق کو بھی واضح طور پر سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ اس سبق کا مقصد طلبہ میں ادبی جمالیات، تخلیقی شعور اور تنقیدی بصیرت پیدا کرنا ہے تاکہ وہ ادب لطیف اور رومانی رجحان کی ادبی اہمیت اور اردو ادب کی ترقی میں ان کے کردار کا متوازن اور علمی انداز میں جائزہ لے سکیں۔

8.1 تعارف

ادب انسانی جذبات، احساسات، خیالات اور تجربات کا خوب صورت اظہار ہے۔ جب یہی اظہار حسن، لطافت، جمالیات، تخیل اور اعلیٰ انسانی اقدار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو اسے ادب لطیف کہا جاتا ہے۔ ادب لطیف انسان کے ذوقِ جمال کو نکھارتا ہے، اس کے احساسات کو چلا بخشتا ہے اور زندگی کو زیادہ خوب صورت انداز میں سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے ہر زبان کے ادب میں ادب لطیف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ادب لطیف کی مختلف صورتوں میں شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، انشائیہ اور دیگر اصناف شامل ہیں۔ ان تمام اصناف کا بنیادی مقصد انسان کے جذبات، احساسات، حسن فطرت، اخلاقی اقدار اور انسانی تجربات کو مؤثر انداز میں پیش کرنا ہے۔ ادب لطیف محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ انسان کی فکری، اخلاقی اور جمالیاتی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اردو ادب میں رومانی رجحان نے ادب لطیف کو نئی وسعت عطا کی۔ اس رجحان کے زیر اثر ادیبوں اور شاعروں نے تخیل، حسن فطرت، محبت، انفرادی احساسات، آزادی فکر اور جمالیاتی شعور کو اپنی تخلیقات کا مرکز بنایا۔ اس طرح ادب لطیف اور رومانی رجحان نے مل کر اردو ادب کو فکری گہرائی، فنی لطافت اور تخلیقی تنوع عطا کیا۔

8.2 ادب لطیف کا تصور

ادب لطیف سے مراد وہ ادب ہے جو انسانی جذبات، احساسات، تخیل، حسن اور جمالیاتی اقدار کی مؤثر ترجمانی کرے۔ اس کا مقصد انسان کے ذوقِ جمال کو پروان چڑھانا، اس کے احساسات کو لطافت عطا کرنا اور اسے زندگی کے خوب صورت پہلوؤں سے روشناس کرانا ہے۔ ادب لطیف میں زبان کی شائستگی، اسلوب کی دلکشی، خیالات کی پاکیزگی اور اظہار کی خوب صورتی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ ادب قاری کے دل و دماغ پر خوش گوار اثرات مرتب کرتا ہے اور اس کی فکری و جمالیاتی تربیت میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ادب لطیف صرف شاعری تک محدود نہیں بلکہ اس میں افسانہ، ناول، ڈراما، مضمون، انشائیہ اور دیگر ادبی اصناف بھی شامل ہیں، بشرطیکہ ان میں حسنِ بیان، تخلیقی لطافت، انسانی اقدار اور جمالیاتی احساس نمایاں ہوں۔ اردو ادب میں ادب لطیف نے نہ صرف ادبی ذوق کی آبیاری کی بلکہ زبان و بیان کی خوب صورتی، اسلوب کی دلکشی اور فکری وسعت کو بھی فروغ دیا۔ اسی لیے ادب لطیف اردو ادب کا ایک نہایت اہم اور مؤثر شعبہ سمجھا جاتا ہے۔ ادبی تنقید میں شروع ہی سے یہ بحث عام رہی ہے کہ فن کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ کیا فن زندگی کی حقیقتوں سے اس قدر جڑا ہوا ہے کہ اس کی ماہیت کا تعین ان ہی حقیقتوں کی بنیاد پر ہو سکے۔ یا فن اپنے آپ بھی کوئی وجود رکھتا ہے۔ افلاطون اور ارسطو کے نظریاتِ شعر میں جو اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ بھی دراصل فن سے متعلق اسی بحث کو سامنے لاتا ہے۔ افلاطون شاعری کو نقل کی نقل ہی نہیں کہتا بلکہ اس کو مخرب الاخلاق بھی قرار دیتا ہے گویا وہ شاعری سے اخلاقی نوعیت کی مقصدیت کا طلبگار ہے۔ اور زندگی کی خارجی حقیقتوں سے فن کے راست تعلق کا قائل ہے۔ اس کے برعکس ارسطو شاعری کو ایک اعلیٰ فن قرار دے کر اس کے خود مکتفی وجود کی وکالت کرتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی مسرت کو ہی اس کا بنیادی مقصد کہتا ہے اس لحاظ سے ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحث کا آغاز افلاطون اور ارسطو کے شعری نظریات کے اختلاف ہی سے ہوتا ہے۔ ادب سے متعلق یہ نظریات کسی نہ کسی صورت میں ہر دور میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کلاسیکیت، رومانیت، حقیقت نگاری، جمالیات، رمزیت، مثالیت جیسے رجحانات کی بحث بھی بنیادی طور پر ان ہی دو نظریات کو واضح کرتی ہے۔ یا اس سے کسی نہ کسی طور تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ ”ادب لطیف“ کی اصطلاح کا تعلق بھی ان ہی میں سے ایک نظریے یعنی ”ادب برائے ادب“ سے رہا ہے۔

”ادب لطیف“ کی اصطلاح انگریزی میں رائج اصطلاح (Light Literature) کے معنوں میں مستعمل ہوتی رہی ہے۔ اور اردو میں اس اصطلاح کو پہلی بار ناصر علی نے اپنے رسالہ ”صلائے عام“ کے مئی 1910ء کے شمارے میں استعمال کیا۔ رسالے کے دیباچے میں انہوں نے مہدی افادی کے مضمون ”خوابِ طفلی اور آرزوئے شباب“ کے نئے اندازِ بیان کو سراہتے ہوئے اسے ادب لطیف کا نام دیا ہے۔ اس کے بعد ایک

بڑے عرصے تک ان نثری تخلیقات اور تحریرات کے لیے یہ اصطلاح استعمال ہوتی رہی جو ادبی لطافت کی حامل ہیں۔ یہ لطافت زبان و بیان اور مواد اور موضوع ہر اعتبار سے اس قسم کے ادب میں دیکھنے کو ملتی ہے اس طرح ان تحریرات کو ادب لطیف کا نام دیا گیا۔ جو ذوقِ حسن کو عام کرتی ہوں۔ اور جمالیاتی حظ بہم پہنچاتی ہوں۔ اس طرح کے تحریروں میں فلسفے کی خشکی اور فکر کی پیچیدگی کا گزر نہیں اور نہ ہی مقصدیت، افادیت، پند و موعظت اور حقیقت نگاری کا وہ تصور ملتا ہے جو علی گڑھ تحریک سے وابستہ ادیبوں میں اکثر یہاں پایا جاتا ہے۔ جسے بعد میں ترقی پسند تحریک کے تحت تقویت حاصل ہوئی۔ ادب لطیف کے فن کاروں نے اگر کہیں فلسفے اور اخلاقیات کو موضوع بنایا بھی ہے یا مقصدیت اور افادیت کو پیش نظر رکھا بھی ہے تو بھی ان کی تحریروں میں لطافت اور حسن کا پہلو مقدم ہے۔ جمالیاتی قدروں کے دلدادہ ہیں کار ادب کو مجموعی طور پر حسین و جمیل دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے یہاں طرزِ تحریر نفیس و لطیف اور موضوع حسین و دلکش ہے۔ جمیل فکر، رنگین تخیل، لطیف اور شاعرانہ اسلوب، لفظوں کی مینا کاری اور تحریکی شکفتگی ان کے فن کا خاصا ہے۔ ان کا پیش کردہ ادب جسے ہم ادب لطیف کے نام سے جانتے ہیں۔ صرف اسلوب کا نام ہی نہیں بلکہ ایک مخصوص طرزِ تخیل سے بھی تعلق رکھتا ہے یہ وہ ادب ہے کہ جس میں فکر و خیال کے حسن جذبے کی شدت اور خوب صورتی، موضوع کا دل کشی اور اسلوب کی لطافت جیسی خصوصیات جمع ہیں۔ اردو میں ادب لطیف کا رجحان دراصل اس سے قبل کے عقلیت اور مقصدیت کے رجحان کے ردِ عمل میں شروع ہوا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان میں سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی بیداری کا دور شروع ہوا۔ 19 ویں صدی کے اواخر اور 20 ویں صدی کے اوائل میں مختلف سطحوں پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوارنے کے خیالات جنم لینے لگے۔ تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے کے تصورات پھیلنے لگے روشن خیالی عام ہونے لگی۔ سائنس اور فلسفے کے اثرات بڑھنے لگے۔ شعر و ادب پر بھی اس تبدیلی کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے۔ اردو زبان و ادب کے تعلق سے علی گڑھ تحریک اس سلسلے میں سب سے بڑی تحریک ہے۔ جس کے تحت سرسید اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ ادب کو وقت کے نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ نثر میں تصنع، تکلف و بناوٹ کے عناصر کے برعکس سیدھے سادے اندازِ بیان پر زور دیا جانے لگا۔ ادب کے مقصدی اور افادی پہلو پر زور دیتے ہوئے ادیب کے ہاتھوں کو اصلاح کا منصب سونپا گیا۔ یوں تو سرسید اور ان کے رفقاء کے یہاں فن کے مختلف رجحانات اور نثر کے مختلف اسالیب ملتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر جو اسلوب نثر سامنے آیا۔ اس میں علمی رنگ و آہنگ اور عقلیت و منطقیت زیادہ نمایاں ہے۔ اس اسلوب پر ایک غیر معمولی سنجیدگی کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ سادگی اور روانی کی خصوصیات ہونے کے باوجود اس میں جذبے اور تخیل سے پیدا ہونے والی رنگینی نہیں ہے۔ سرسید تحریک کے پیش کردہ اس نثری اسلوب کی روایت کے اثرات بہت بعد تک رہے۔ لیکن خود سرسید کے زمانے

میں ہی عقلیت کے اس رجحان سے بیزاری کے آثار نمایاں تھے۔ چنانچہ محمد حسین آزاد جو نئے دور کے تقاضوں کا شعور رکھتے تھے۔ خشک اور بے رنگ اسلوب کو ناپسند کرتے تھے۔ افادیت اور مقصدیت کے باوجود ان کی تحریریں رنگین اور لطافت سے مملو ہے۔ دوسری طرف شبلی نعمانی نے سرسید کے افادی رجحان کے خلاف ردِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ اور اردو نثر میں رومانی انداز کی بنیاد ڈالی۔ رنگین موضوع اور لطیف نثر کو شہرت نے جس طرح رواج دیا وہ بھی افادی اور مقصدی ادب کے اس رجحان سے انحراف کی مثالیں پیش کرتا ہے۔

سرسید اور ان کے رفقاء کے بعد نثر نگاروں کی جو نئی نسل سامنے آئی اسے غیر ملکی ادبیات اور اسالیب ادب سے گہری واقفیت تھی۔ یہ نسل شبلی اور آزاد کے شگفتہ اسلوب سے بھی مطمئن نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں ان کے یہاں موضوعات کی دل چسپی کا فقدان نظر آیا۔ چنانچہ انہوں نے علی گڑھ تحریک کی عقلیت سے انحراف کیا اور ادب کو اپنا جمالیاتی کردار واپس کرنے کی کوشش کی ۱۹۰۱ء میں سر عبدالقادر کا رسالہ "مخزن" جاری ہوا۔ اس وقت تک سرسید کی تحریک نے نثر لکھنے کی ایک مخصوص فضا قائم کی تھی۔ آسان، سادہ اور رواں نثر مخزن کے لکھنے والے بھی لکھ رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے یہاں ایک تبدیلی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ یہ رومانیت کا آغاز تھا۔ اس رومانی انداز کی بنیاد شبلی بہت پہلے رکھ چکے تھے۔ لیکن سرسید کے دور میں اس کی حیثیت محض ایک تجربے کی سی تھی۔ "مخزن" کی تحریک کے زمانے میں اس تجربے کو روایت کی صورت ملی۔ ابوالکلام آزاد، سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی، سلطان حیدر جوش اور بعض دوسرے ادیب اس رومانی رجحان کے علم بردار بن گئے۔ اور یہ رجحان سرسید کے افادی رجحان کے خلاف ایک ردِ عمل تھا۔ چنانچہ ان ادیبوں کی نثری تحریروں سے ایک مخصوص مزاج اور ایک مخصوص اسلوب متعارف ہوا، جو ادب لطیف کا پیش خیمہ بن گیا۔ جیسا کہ کہا گیا ادب لطیف کے ابتدائی نقوش محمد حسین آزاد اور شبلی کے یہاں ملتے ہیں۔ لیکن ان دونوں ادیبوں کے یہاں یہ چیز صرف اسلوب کی حد تک ملتی ہے۔ موضوع اور اس کے برتاؤ دونوں میں رنگینی اور لطافت پیدا کرنے کی کوششیں شرر اور ناصر علی کے یہاں نظر آتی ہیں۔ ناصر علی نے اپنے رسالہ "تیرہویں صدی" میں اس بات کو مد نظر رکھا کہ وہ ادب پیش ہو۔ جو مغرب کی عقلیت پسندی کے بجائے مشرقی مزاج کا حامل ہو اور اس میں جذبے اور خیال کی حسین آمیزش کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی نیرنگی اور لطافت پائی جاتی ہو۔ اپنے ایک اور رسالہ "صلائے عام" میں بھی انہوں نے اس ادب کی ترویج کی جو جمالیاتی خوبیوں اور حسن کی نیرنگیوں سے مملو ہے۔ تیرہویں صدی اور صلائے عام کے علاوہ دلدراز، مخزن، نقاد، ہمایوں، نگار اور نیرنگ خیال جیسے رسائل نے اس طرح کے ادب کی ترویج و اشاعت میں بڑا اہم حصہ لیا۔ ادب لطیف کے لکھنے والوں کو جن ادیبوں نے متاثر کیا۔ ان میں شرر، ناصر علی، ریاض خیر آبادی، ابوالکلام آزاد اور ٹیگور کے نام اہم ہیں۔ شرر مغربی ادبیات خصوصاً انگریزی اور فرانسیسی ادب سے گہری واقفیت رکھتے تھے اور اس طرح جدید خیالات کے پرزور حامی تھے۔ رومانی

ذہنیت کے قریب تھے اور یہی رومانیت ان کی تخلیقات و تحریرات میں ہر جگہ ملتی ہے انشائیوں، ناولوں اور دیگر مضامین میں ان کی شاعرانہ رنگینی اور لطیف نثر انہیں ادب لطیف لکھنے والوں کے پیش رو کی حیثیت عطا کرتی ہے۔ شرر دیگر مضامین میں ان کی شاعرانہ رنگینی اور لطیف نثر انہیں ادب لطیف لکھنے والوں کے پیش رو کی حیثیت عطا کرتی ہے۔ شرر نے 1887ء میں رسالہ "دلگداز" جاری کیا۔ اور اس کے ذریعے بھی شاعرانہ نثر لکھنے کا رجحان عام کیا۔ ریاض خیر آبادی شاعر، صحافی اور ادیب تھے۔ انہوں نے بھی شرر کی طرح اپنی تحریروں میں لطیف اور شاعرانہ نثر اور حسین و دلکش منظر نگاری سے کام لیا۔ مہدی افادی نے ریاض کو عروسِ سخن کا آشنائے ازل، آقائے نثر اور انشا پردازی کا مسلم الثبوت ہیر و قرار دیا ہے۔ ان کے مضامین اور ترجمہ کئے ہوئے ناول حسن خیال اور حسن اسلوب کی ہم آہنگی کی بدولت ادب لطیف کے لکھنے والوں کے سطحِ نظر رہے۔ ابوالکلام آزاد نے ادب لطیف لکھنے والوں کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ وہ جدت پسند تھے اور انانیتی جذبہ رکھتے تھے عام لوگوں کے راستے پر چلنے کے بجائے وہ انفرادی اور امتیازی حیثیت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کے تحریروں میں جذبے کا فور، جوش کی کیفیت، اسلوب کی لطافت، تخیل کی گہرائی، احساس کی شدت، لفظوں کی مینا کاری اور بیان کی شعریت بعض ایسی خصوصیات ہیں جو بعد میں ادب لطیف لکھنے والوں نے اپنے لئے ضروری سمجھیں ٹیگور کی شاعرانہ ضاعی، شاعری کی نغمگی، تخیل کی گہرائی منظر نگاری اور جمالیاتی حسن نے بھی ادب لطیف کے لئے سامان پیدا کئے اور اس بنگالی شاعر کے اثرات اردو کے ادیبوں پر بڑے گہرے اور جمالیاتی حسن نے بھی ادب لطیف کے لئے سامان پیدا کئے اور اس رجحان نے کئی اہم نام پیدا کئے ہوئے۔ ان تمام ادیبوں کے اثرات کے تحت اردو میں ادب لطیف کا رجحان عام ہوا۔ اور اس رجحان نے کئی اہم نام پیدا کئے جنہوں نے ادب میں جمالیاتی قدروں کو فروغ دیا۔ اور اسلوب و خیال میں پیش بہا اور کامیاب تجربے کئے۔

ادب لطیف کو اردو میں ایک مستقل حیثیت دلانے کے سلسلے میں سجاد حیدر یلدرم کا نام سب سے زیادہ اہم ہے۔ یلدرم نے اس روایت کو فروغ اور استحکام بخشا۔ جس کی بنیاد شرر نے ڈالی تھی۔ یلدرم ترکی زبان و ادب کے شیدائی تھے۔ اور ان کی بیشتر تخلیقات ترکی سے ترجمہ ہیں۔ اپنے طبع زاد تخلیق پاروں اور ترجموں کے ذریعے یلدرم نے اردو میں ایک جدید اسلوب نگارش کو متعارف کرایا یلدرم کی تحریروں میں تخیل کی فراوانی اور جذبے کی شدت پائی جاتی ہے۔ جمالیات پسندی ان کے یہاں ہر جگہ ملتی ہے۔ ان کی تحریروں میں عورت، جنس اور حسن و عشق کا ذکر جس طرح ملتا ہے۔ وہ اس سے قبل اردو میں موجود نہیں تھا۔ "خیالستان" اور "حکایات و احساسات" ان کے طبع زاد اور مترجمہ افسانوں کے دو مجموعے ہیں۔ جن میں حسن و عشق کی نیرنگیاں بھی ہیں۔ مناظر قدرت کا بیان بھی اور تخیل اور احساس کی جمالیات بھی۔ ان کے یہاں عورت کا جو تصور ابھرتا ہے۔ اس کے پیش نظر عورت شعریت و لطافت کا مظہر ہے اور مرد کی زندگی میں تازگی اور شادابی لے کر آتی ہے۔ یلدرم کی تخلیقات میں ایک انجانی اور رومان

پرور فضالیتی ہے جو ان کے تخیل کا کرشمہ ہے۔ یہاں تک کہ ان کے ترجمہ کئے ہوئے افسانوں میں بھی ان کے تخیل کی رنگینی نظر آتی ہے۔ ان کی نثر شعریت سے مملو ہے۔ اور جذبے اور احساس کی شدت کا احساس دلاتی ہے۔

”سحر ماضی کے افق سے خیال کی افون اٹھی اور گھٹابن کے دل سے ٹکرائی اور آنکھوں سے پانی برس گئی“

مہدی افادی کا شمار اردو کے اہم نقادوں اور انشا پردازوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک روشن خیال اور انفرادیت پسند ادیب تھے۔ اور زبان و ادب کی ترقی کے بڑے خواہاں تھے۔ تاہم ان کا کل ادبی سرمایہ ”افادات مہدی“ کے مضامین انشائیے اور مکاتیب ہیں۔ مہدی کی شہرت ان کے لطیف اسلوب کی وجہ سے ہے۔ شبلی جیسے انشا پرداز نے ان کی طرزِ تحریر کی داد دی ہے۔ مجنوں گورکھپوری انہیں مغربی مصنفین کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ مہدی کے انشائیے ان کی لطافتِ مذاق اور جمالِ پرستی کا ثبوت ہیں۔ کوئے و طائرِ شب رنگ کہنے والے مہدی افادی لطیف تشبیہوں، استعاروں اور جمیل تمثیلوں کے استعمال کا فن بخوبی جانتے تھے۔ ان کے یہاں بھی حسن و عشق اور کہیں کہیں جنس کے موضوعات ملتے ہیں۔ لیکن ان موضوعات کی پاکیزگی اور ان کی اخلاقی حیثیت میں کسی کو کلام نہیں۔ مہدی نے جس موضوع پر لکھا اس میں کسی نہ کسی طرح لطیف پہلو پیدا کئے ہیں۔ وہ اردو میں زیادہ سے زیادہ اصطلاحات وضع کرنے کے حق میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے انگریزی الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے۔ اور ان کے لیے اردو میں اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ مہدی اس خیال کو اردو داں طبقے کے دلوں سے نکالنا چاہتے تھے کہ اردو کا سرمایہ الفاظ محدود ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اس سرمائے میں وسعت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر انگریزی یا دوسری زبانوں کے الفاظ کے لئے متبادل الفاظ وضع کئے جائیں کہیں کہیں مہدی نے انگریزی الفاظ کو حسبِ خواہش تحريفات کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ تاکہ وہ اردو کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔ مہدی کے یہاں ایک اور خصوصیت قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ مہدی اپنی تحریروں میں خصوصاً اپنے مکاتیب میں مزاح اور طنز کا لطیف اور خوشگوار عنصر شامل کرتے ہیں۔ ان کے مکاتیب میں ظرافت، شوخی اور بانگین کے جو عناصر ملتے ہیں۔ وہ منفرد ہیں اور اسلوب کی لطافت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ادب لطیف کے رجحان کو فروغ دینے کے سلسلے میں مہدی افادی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

نیاز فتح پوری ادب لطیف کے نمائندہ فنکار ہیں۔ انہوں نے افسانے اور انشائیے بھی لکھے اور تنقید اور شعر و شاعری کی طرف بھی توجہ دی۔ سجاد حیدر یلدرم سے وہ گہرے طور پر متاثر ہوئے۔ نیاز فتح پوری نے یونانی دیو مالاک کی رومانیت اور جمالیت کو ایک تازہ کار اسلوب میں پیش کر کے حسن اور لطافت کو ہر جگہ مد نظر رکھا۔ عورت اور حسن و عشق نیاز کے خاص موضوعات ہیں۔ عورت کا تصور ان کے یہاں مثالی ہے۔ ان کے لفظوں میں ”عورت ایک لذت ہے، مجسم ایک سحر ہے مری، ایک نور ہے مادی“۔ ”ایک شاعر کا انجام“ اور ”شہاب کی سرگزشت“ جیسے طویل افسانوں کی

طرح ”نگارستان“ اور ”جمالستان“ میں شامل ان کے افسانے اور مضامین میں ایسی ساری خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ جو ادب لطیف سے مخصوص ہیں۔ نیاز کے افسانوں میں موضوعی اعتبار سے یہ خصوصیت منفرد ہے کہ ان میں عورت کی نفسیات کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ اس طرح ان کے افسانے خیالی دنیاؤں کی تصویروں سے بڑھ کر عورت کے بے کل باطن کو بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کی نثر کا تعلق ہے وہ رنگین تخیلی اور پر لطف ہے۔ نیاز معرب اور مغرس زبان استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کا جدت طراز ذہن نئی تشبیہات و استعارات اور نئی تراکیب کی تخلیق کراتا ہے۔ وہ فن کے اخلاقی یا غیر اخلاقی ہونے پر حسن بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری نے اسی حسن بیان کی بناء پر نیاز کو جمالیاتی دبستان کا بانی کہا ہے۔ نیاز فتح پوری پر ٹیگور کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس اثر کا ثبوت ٹیگور کی ”گیتا نجلی“ کا وہ اردو ترجمہ ہے۔ جو نیاز نے 1912ء میں شائع کیا۔ نیاز نے اس ترجمہ کو ”عرضِ نغمہ“ کے نام سے موسوم کیا۔ ٹیگور کی بنگالی شاعری کا ترجمہ نیاز نے اردو نثر میں کیا۔ لیکن اس میں شاعری کی تقریباً تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ”گیتا نجلی“ میں تصویریت، ماورائیت، تشبیہات اور استعارات کی جو جدت پائی جاتی نیاز نے اسے اپنی تمام تخلیقات میں اپنایا۔ ادب لطیف کے لکھنے والوں میں نیاز اپنی رومانی نثر کی وجہ سے بڑا اہم مقام رکھتے ہیں۔

مشہور رسالہ ”نگار“ نے ادب لطیف کی ترویج و اشاعت میں اہم حصہ ادا کیا۔ ل۔ احمد۔ اکبر آبادی کی شہرت اسی وقت سے ہونے لگی۔ جب ”نگار“ کے پہلے شمارے میں تھامس مور کی مقبول نظم ”لالہ رخ“ کے ترجمے کی پہلی قسط شائع ہوئی۔ لالہ رخ انگریزی ادبیات میں حسن و جمال کے اعتبار سے بھرپور نظم ہے۔ ل۔ احمد۔ اکبر آبادی نے اسی نظم کو اردو نثر میں اس طرح منتقل کیا کہ یہ بذاتِ خود ایک طبع زاد تخلیق کا درجہ رکھتی ہے۔ ترجمہ کے فن کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ل، احمد کا ترجمہ اس لحاظ سے ناقص ہے کہ مترجم نے جگہ جگہ تصرفات سے کام لیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس تصنیف میں پائے جانے والے اسلوب اور اس کی انشاء کا تعلق ہے یہ بہترین ادب پارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ل، احمد نے لالہ رخ کے افسانوی حسن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اسلوبِ بیان کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ اس کے چاروں قصوں میں انشا پردازی کا حسن تشبیہات و تراکیب کی شدت اور جدت اور الفاظ کی نفاست اور لطافت مسحور کر دیتی ہے۔ کالے جھنڈے یا سیاہ پرچم کے لئے شبِ رنگ پرچم، تیتیری کے لیے شبِ بنی لباس والی دو شیزہ پر آں یا نقاشی فطرت کی اختراع جمیل اور افسردہ رخساروں پر پڑے ہوئے آنسوؤں کو مر جھائے ہوئے گلاب پر شبنم کے قطرے کہنا بعض ایسی مثالیں ہیں۔ جول، احمد کی ترکیب سازی کی پہچان کراتی ہیں۔ ”لالہ رخ“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ل، احمد اکبر آبادی کا منشا ترجمہ کا کم اور انشا پردازی کے جوہر دکھانے کا زیادہ ہے۔ ”لالہ رخ“ نگار کی مختلف اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوا۔ اور بعد میں اسے نیاز کے مقدمے کے ساتھ کتابی شکل دے دی گئی۔ اس ترجمہ کے علاوہ ل، احمد کا ناول ”محبت کا افسانہ“ اور مجموعہ نگارشات یعنی

”انشائے لطیف“ اور ”نعمات“ بھی اسی طرح کی انشا پردازی سے مزین ہیں۔ ”انشائے لطیف“ میں افسانوی خوبیاں کم نثر نگاری کی خوبیاں زیادہ ہیں۔ ”نعمات“ ٹیگور کے اثرات کا پتہ دیتی ہے۔ اس کے ادب پارے ٹیگور کے اسلوب کے طرز پر لکھے گئے ہیں۔ جن میں حسن و عشق اور مہر و محبت کے رموز شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ غرض ل، احمد نے ادب لطیف کے وہ نمونے پیش کئے جن میں فنی خوبیوں، تخیل کی موثکافییوں اور خیال کی رنگینیوں کی ایک دنیا آباد ہے۔ لیکن اپنی ادبی زندگی کے اواخر میں ل، احمد کا نظریہ ادب تبدیل ہو گیا۔ اور وہ ادب لطیف کے رجحان کو چھوڑ کر ترقی پسندی کی طرف مائل ہوئے۔

مجنوں گورکھپوری بھی بعد میں ترقی پسند رجحانات کے قریب ہوئے۔ لیکن ان کا ابتدائی میلان رومانی اور جمالیاتی تھا۔ مجنوں کے یہاں بیدرم کی روایت کا مثبت اثر ملتا ہے۔ تاہم انہوں نے ہیئت پرست بن جانے کے بجائے ہیئت اور موضوع کا حسین امتزاج پیش کرنے کی کوشش کی ادب لطیف کے رجحان میں ان کا نام اس لحاظ سے اہم ہے کہ ان کا اسلوب ادب لطیف کا اسلوب تو ہے۔ لیکن یہ ادب لطیف کے پیش رو ادیبوں کے اسالیب سے مختلف ہے ان کے یہاں تشبیہات، استعارات، تراکیب اس قدر پر تکلف نہیں کہ جو مبالغے کی حد سے گزر کر بے معنویت کا شکار ہو جائیں۔ ان کی تحریر میں بھی شعریت اور لطافت ہے۔ لیکن ایک سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ مجنوں کے افسانے زیادہ تر حزن یہ ہیں۔ اور ان کا انجام المناک ہے۔ اس المناک ہے۔ اس المناکی میں لطافت پیدا کرنا مجنوں کے افراد میں سے ہے۔ مجنوں گورکھپوری ادب لطیف کے ادیبوں میں پہلے ایسے ادیب ہیں جن کے یہاں دور دراز خیالی دنیاؤں میں بھی ہمارے اپنے ماحول اور معاشرے کی فضا ہے۔ اور یہ فضا بعد کی تخلیقات میں حقیقی زندگی کے زیادہ قریب دکھائی دیتی ہے۔ تاہم رومانی اور جمالیاتی رجحان ان کی جملہ تخلیقات میں ایک زیریں لہر کی طرح ملتا ہے مجنوں نے بعض یورپی تخلیقات کا جو ترجمہ کیا ہے ان میں بھی حسن اور لطافت کی خصوصیات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان ادیبوں کے علاوہ ادب لطیف کو فروغ دینے والوں میں جوش ملیح آبادی، سجاد انصاری، میاں بشیر احمد، عبدالعزیز فلک پیا، اختر شیرانی اور قاضی عبدالغفار کے نام بھی اہم ہیں۔ ان ادیبوں کی نثری تخلیقات مثلاً مکاتیب، انشائیوں اور مضامین میں رومانی و فور، جمالیاتی فضا اور شعری لطافت اردو ادب کے اس مخصوص رجحان کا مظاہرہ کرتی ہے جسے ادب لطیف کے مصنفین نے برتا، ادب لطیف کی اس تحریک کے اثرات بہت دیر تک قائم رہے۔ یہاں تک کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ادیبوں میں بھی بعض نے اس روایت کے اثرات اسلوب کی حد تک قبول کئے اور اس قسم کے اثرات جدید دور کے بعض ادیبوں کے یہاں بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔

ادب لطیف کا زمانہ انیسویں صدی کی آخری دہائی اور بیسویں صدی کی ابتدائی چار دہائیوں تک قرار دیا جاسکتا ہے۔ تقریباً پچاس برس

کے عرصہ پر پھیلا ہوا یہ رجحان اردو زبان و ادب خصوصاً اردو نثر کے لیے اہم اور مفید رجحان تھا۔ یہ وہ دور ہے جب رومانی اور جمالیاتی رجحان کے ساتھ ساتھ اردو میں افادی اور مقصدی ادب کا رویہ بھی فروغ پا رہا تھا۔ اور اس رویے کے پیش نظر ادب کی جمالیاتی اقدار پامال ہو رہی تھیں۔ اسی دور میں ادب لطیف کے رجحان کے تحت جمالیاتی اقدار برقرار رہ سکیں۔ ادب لطیف میں عام طور پر حسن و عشق مناظر قدرت اور دوسرے لطیف موضوعات ملتے ہیں۔ تخیل اور جذبے کی فراوانی ملتی ہے۔ عورت اور اس سے متعلق متعدد پہلوؤں پر خامہ فرسائی ملتی ہے۔ رنگین، پر تکلف، شاعرانہ اور تخیلی اسلوب ملتا ہے۔ نشاطیہ کیفیت اور مسحور کن نگہ کی ملتی ہے۔ ان تمام تر پہلوؤں میں سے بعض کو جدید نقاد ہدفِ ملامت بنا سکتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ادب لطیف سے اردو زبان و ادب کی قندیل روشن رہی ہے۔ اس نے مختلف اور متعدد موضوعات کو متعارف کیا۔ اس کی بدولت عالمی ادب سے استفادہ کرنے کی ترغیب بڑھ گئی اور ساتھ ہی انفرادیت پسندی کا میلان بھی پیدا ہوا۔ اس کی بدولت ادب میں نشاطیہ عنصر کی پرورش ہوئی۔ جس سے عزم و استقلال کی راہیں ہموار ہو گئیں ادب لطیف کے مصنفین نے اردو نثر میں موضوع و اسلوب کے بیش بہا تجربے کئے۔ عورت کے کردار کو مختلف زاویوں سے پیش کیا۔ جنس کے موضوع کو ادب میں جگہ دی۔ ترجموں کی روایت کو فروغ دیا۔ اور سب سے بڑھ کر لسانی سطح پر نئے تجربے کئے۔ تشبیہات اور تراکیب کا ایک نادر ذخیرہ فراہم کیا اور اردو زبان کی کم مائیگی کے احساس کو ختم کر دیا۔ افادیت اور مقصدیت کو ثانوی درجہ دے کر ادب کے خود مکتفی وجود اور اس کے جمالیاتی کردار کو بحال کر دیا۔ ادب لطیف نے قارئین کا حلقہ وسیع کر دیا۔ اوریوں ذوقِ ادب کو عام کرنے میں بڑا اہم رول انجام دیا۔ ادب لطیف کے لکھنے والوں نے اردو ادب کی ترکی، مصری، یونانی، جرمنی اور انگریزی ادبیات کے علاوہ ان زبانوں کے مزاج سے بھی آشنا کیا اور ان کے معیار سے بھی۔ یوں اردو زبان کو کئی سطحوں پر وسعتیں نصیب ہوئیں۔ اس لحاظ سے ادب لطیف کے سرمایہ کو فرسودہ اور متروک سرمایہ سمجھ کر اس کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اردو میں ادب لطیف کو ترقی پسند تحریک نے زک پہنچائی۔ لیکن وقت کے ساتھ خود یہ تحریک بھی زوال کا شکار ہوئی اور ایک بار پھر مقصدیت اور افادیت کے غالب رجحان سے انحراف کیا گیا۔ ادب کے جمالیاتی اور تخلیقی کردار پر زور دیا جانے لگا۔ اگرچہ اس تبدیلی کے بعد کا ادب، ادب لطیف سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن جمالیاتی اور فنی قدروں کی بحالی کا رجحان ادب لطیف کے رجحان سے علاقہ رکھتا ہے۔

اردو میں ادب لطیف ایک تحریک کا نام بھی ہے اور ایک ادبی تاریخ کا نام بھی۔ اس کے لکھنے والے آج بھی ادبی تنقید کا مستقل موضوع ہیں۔ اور جدید تناظر اور نئے تنقیدی معیار پر انہیں پرکھنے سے یقیناً ان کی تخلیقات اور ادب لطیف کے بعض نئے اور مستحسن پہلو روشن ہو سکتے ہیں۔

8.2.1 ادب لطیف کی تعریف، مفہوم اور خصوصیات

ادب لطیف انسانی احساسات، جذبات، خیالات اور جمالیاتی شعور کا ایسا خوب صورت اظہار ہے جو انسان کے ذوقِ حسن کو جلا بخشتا اور اس کی فکری و روحانی تربیت میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ لفظ "لطیف" کے معنی ہیں نرم، دلکش، نفیس اور خوش گوار۔ اسی مناسبت سے وہ ادب جو حسنِ بیان، لطافتِ خیال، شائستگیِ زبان اور پاکیزہ جذبات کا آئینہ دار ہو، ادب لطیف کہلاتا ہے۔ یہ ادب انسان کے باطن کو متاثر کرتا ہے اور اس میں حسن، خیر اور محبت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ ادب لطیف کا بنیادی مقصد محض معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ قاری کے احساسات کو بیدار کرنا، اس کے جمالیاتی ذوق کو نکھارنا اور اسے اعلیٰ انسانی اقدار سے آشنا کرنا ہے۔ اس میں زبان کی دلکشی، اسلوب کی شگفتگی، خیالات کی گہرائی، تخیل کی وسعت اور فنی حسن کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی عناصر ادب لطیف کو عام تحریروں سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک مؤثر ادبی فن پارہ بناتے ہیں۔ ادب لطیف کی نمایاں خصوصیات میں حسنِ بیان، سادگی، دلکشی، تخلیقی قوت، جذبات کی پاکیزگی، انسانی اقدار کی ترجمانی، جمالیاتی احساس، تخیل کی وسعت، فکری گہرائی اور مؤثر اسلوب شامل ہیں۔ یہی خصوصیات ادب لطیف کو ہر دور میں زندہ اور مؤثر بناتی ہیں۔ اردو ادب کی بیشتر اصناف، جیسے غزل، نظم، افسانہ، ناول، ڈراما اور انشائیہ، ادب لطیف کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہیں اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو خوب صورت انداز میں اجاگر کرتی ہیں۔ ادب لطیف انسان کے ذوق کو نکھارتا، اس کی شخصیت کو متوازن بناتا اور معاشرے میں محبت، رواداری، اخلاقی اقدار اور حسنِ فکر کو فروغ دیتا ہے۔ اسی لیے اردو ادب میں ادب لطیف کو نہایت اہم مقام حاصل ہے اور اسے انسانی تہذیب و ثقافت کا قیمتی سرمایہ تصور کیا جاتا ہے۔

8.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 ادب لطیف انسان کے _____ کو نکھارتا ہے۔
- سوال نمبر 2 لفظ "لطیف" کے معنی _____ اور نفیس ہیں۔
- سوال نمبر 3 ادب لطیف میں _____ اور حسنِ بیان کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔
- سوال نمبر 4 ادب لطیف انسانی _____ اور جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب میں غزل، نظم اور افسانہ _____ کی اہم اصناف ہیں۔

8.3 رومانی رجحان: ایک تعارف

رومانی رجحان ادب کی ایک اہم فکری اور جمالیاتی تحریک ہے جس میں انسانی جذبات، تخیل، حسنِ فطرت، انفرادی احساسات اور آزادی فکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس رجحان نے ادب کو محض عقل اور منطق کی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے انسان کے باطن، جذبات اور تخیلات کی دنیا سے وابستہ کیا۔ رومانی ادب میں حسن، محبت، فطرت، امید، آرزو اور انسانی احساسات کو نہایت دلکش اور مؤثر انداز میں پیش کیا جاتا ہے، جس سے ادب میں تازگی، لطافت اور دل کشی پیدا ہوتی ہے۔ اردو ادب میں رومانی رجحان نے شاعری اور نثر دونوں کو نئے موضوعات اور نئے اسالیب سے روشناس کرایا۔ اس رجحان کے زیر اثر شاعروں اور ادیبوں نے فطرت کی خوب صورتی، انسانی جذبات، محبت، خواب، انفرادیت اور جمالیاتی احساسات کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں تخلیقی آزادی، فنی لطافت اور اظہار کی وسعت پیدا ہوئی۔ رومانی رجحان نے ادب میں حسنِ فطرت، انسان دوستی، امید، جذب؟ محبت اور جمالیاتی شعور کو مزید مضبوط کیا۔ رومانی رجحان نے اردو ادب کی مختلف اصناف، خصوصاً غزل، نظم، افسانہ اور ناول پر نمایاں اثرات مرتب کیے۔ اس رجحان کے باعث زبان میں نرمی، اسلوب میں دل کشی، تخیل میں وسعت اور اظہار میں تازگی پیدا ہوئی۔ اس نے اردو ادب کو فکری اور فنی اعتبار سے مزید ثروت مند بنایا اور ادب لطیف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

8.3.1 رومانی رجحان کی خصوصیات اور اہمیت

رومانی رجحان کی سب سے نمایاں خصوصیت انسانی جذبات اور تخیل کو اہمیت دینا ہے۔ اس رجحان میں حسنِ فطرت، محبت، انفرادی احساسات، آزادی فکر، جمالیاتی شعور، امید اور تخلیقی اظہار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ رومانی ادیب اپنے احساسات اور مشاہدات کو نہایت دلکش، مؤثر اور فنکارانہ انداز میں پیش کرتا ہے، جس سے ادب میں تازگی اور اثر آفرینی پیدا ہوتی ہے۔ اس رجحان میں فطرت سے محبت، انسان دوستی، حسن پرستی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار بھی نمایاں نظر آتی ہیں۔ رومانی رجحان کی اہمیت اس اعتبار سے بھی مسلم ہے کہ اس نے اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب میں وسعت پیدا کی۔ اس رجحان کے باعث شاعری اور نثر میں تخلیقی آزادی کو فروغ ملا، زبان زیادہ لطیف، شگفتہ اور دل نشیں ہوئی، جبکہ اظہار کے نئے اسالیب سامنے آئے۔ اس نے ادب کو انسانی جذبات اور احساسات سے مزید قریب کیا اور قاری کے ذوقِ جمال کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے رومانی رجحان اردو ادب کی ترقی میں ایک اہم ادبی رجحان تصور کیا جاتا ہے۔

8.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 رومانی رجحان میں کس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے؟

الف۔ انسانی جذبات اور تخیل ب۔ صرف تاریخی واقعات

ج۔ صرف سیاسی موضوعات د۔ صرف سائنسی معلومات

سوال نمبر 2 رومانی رجحان میں حسنِ فطرت کے ساتھ کس جذبے کو نمایاں مقام حاصل ہے؟

الف۔ محبت ب۔ نفرت

ج۔ بے حسی د۔ مقابلہ آرائی

سوال نمبر 3 رومانی رجحان نے اردو ادب میں کس چیز کو فروغ دیا؟

الف۔ تخلیقی آزادی ب۔ صرف تقلید

ج۔ صرف قدیم روایت د۔ صرف قصیدہ نگاری

سوال نمبر 4 رومانی رجحان کا تعلق زیادہ تر کس سے ہے؟

الف۔ جذبات اور جمالیاتی شعور ب۔ صرف سائنسی تحقیق

ج۔ صرف تاریخی دستاویزات د۔ صرف قانونی مباحث

سوال نمبر 5 رومانی رجحان نے اردو ادب کے اسلوب میں کیا پیدا کیا؟

الف۔ لطافت اور دل کشی ب۔ پیچیدگی

ج۔ سختی د۔ غیر ضروری تکلف

8.4 عمومی جائزہ

ادبِ لطیف اور رومانی رجحان اردو ادب کے دو اہم تصورات ہیں جنہوں نے زبان و ادب کی فکری، فنی اور جمالیاتی ترقی میں نمایاں

کردار ادا کیا ہے۔ ادب لطیف نے انسانی جذبات، احساسات، حسن ذوق اور اخلاقی اقدار کو خوب صورت انداز میں پیش کیا، جبکہ رومانی رجحان نے تخیل، حسن فطرت، محبت، انفرادی احساسات اور آزادی فکر کو ادب کا اہم موضوع بنایا۔ ان دونوں کے امتزاج سے اردو ادب میں فکری وسعت، تخلیقی تنوع اور اسلوبی لطافت پیدا ہوئی۔ ادب لطیف نے انسان کے ذوقِ جمال کو نکھارنے اور اس کی ذہنی و روحانی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے ذریعے ادب محض معلومات کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ انسانی شخصیت کی تعمیر، اخلاقی اقدار کے فروغ اور جمالیاتی شعور کی بیداری کا موثر وسیلہ بھی بن گیا۔ اسی طرح رومانی رجحان نے ادب کو فطرت، حسن، محبت اور انسانی جذبات کے قریب کیا، جس کے نتیجے میں شاعری اور نثر دونوں میں اظہار کے نئے اسالیب اور نئے موضوعات سامنے آئے۔ ادب لطیف (Light Literature) "ادب لطیف" رومانیت ہی کی ایک مخصوص اور نکھری ہوئی شکل ہے جسے "انشائیہ نمائندہ" بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس میں لفظوں کی خوبصورتی، جملوں کی ساخت اور آہنگ پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد کوئی سماجی انقلاب لانا نہیں بلکہ قاری کو ایک لطیف جمالیاتی مسرت (Aesthetic Pleasure) فراہم کرنا ہے۔

اس میں نثر میں شاعری کا ساطف پیدا کیا جاتا ہے۔

رومانی رجحان (Romanticism) رومانیت اردو ادب میں ایک ایسی تحریک یا رجحان کے طور پر ابھری جو عقلیت پسندی اور کلاسیکی ضوابط کے خلاف رد عمل تھی۔ یہ رجحان انفرادیت، تخیل کی بلندی، اور فطرت سے لگاؤ پر زور دیتا ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیات میں چند اہم ترین نقطے اس طرح سے ابھارے جاسکتے ہیں مثلاً ماضی کی یادوں اور قصوں سے وابستگی۔ اور انسان کے جذباتی اظہار میں بے باکی اور حسن و جمال کی تعریف کو زیادہ دخل حاصل ہوتا ہے۔ اس میں انسان کی داخلی کیفیات اور شخصی آزادی کو اہمیت دی جاتی ہے اس نقطہ نظر سے وابستہ اہم شخصیات میں سے ہم علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری (بانگ درا) میں بھی رومانی اثرات کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، اور ناصر کاظمی اس رجحان کے اہم نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ اردو ادب میں ادب لطیف اور رومانی رجحان ان اہم اسالیب میں شامل ہیں جنہوں نے روایتی سنجیدگی کے بجائے جمالیات، احساسات اور تخیل کو ترجیح دی۔ ادب لطیف اردو نثر میں اسلوب کی حسن کاری کا وہ انداز ہے جس کی بنیاد "ادب برائے مسرت" پر استوار تھی۔ چنانچہ ادب لطیف پر مبنی تحریر ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جس میں الفاظ کے انتخاب، جملوں کی ساخت اور بیان میں نغمگی اور لطافت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ نیز اس میں منطق اور فلسفے کے بجائے جذبات، تخیل اور حسن و عشق کی کیفیات کا غلبہ ہوتا ہے۔

اس رجحان کو عام کرنے میں لاہور سے 1935 میں جاری ہونے والے ادبی جریدے "ادب لطیف" نے کلیدی کردار ادا کیا، جس کے مدیران میں فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی جیسی شخصیات شامل رہیں۔ ادب لطیف اور رومانویت میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ اگرچہ دونوں میں

جمالیات مشترک ہیں، لیکن رومانیت ایک وسیع تر فکری تحریک ہے جو زندگی کے ہر شعبے (شاعری، نثر، فلسفہ) پر محیط ہے، جبکہ ادبِ لطیف زیادہ تر نثر کے اس اسلوب سے عبارت ہے جو لطافت اور شعریت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اردو ادب میں غزل، نظم، افسانہ، ناول اور دیگر اصناف نے ادبِ لطیف اور رومانی رجحان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کی بدولت زبان میں شگفتگی، اسلوب میں دل کشی، خیالات میں وسعت اور تخلیقی اظہار میں تازگی پیدا ہوئی۔ یہی عوامل اردو ادب کی ہمہ گیری، مقبولیت اور ادبی وقار میں اضافے کا باعث بنے۔

مختصر یہ کہ ادبِ لطیف اور رومانی رجحان نے اردو ادب کو فکری گہرائی، جمالیاتی حسن، تخلیقی آزادی اور فنی پختگی عطا کی۔ ان کی خدمات کے باعث اردو ادب نہ صرف انسانی جذبات کا ترجمان بنا بلکہ حسن، محبت اور اعلیٰ انسانی اقدار کا مؤثر نمائندہ بھی ثابت ہوا۔

8.5 فرہنگ

ادبِ لطیف : لطافت اور حسن پر مبنی ادب

رومانی رجحان : جذبات اور تخیل پر مبنی ادبی میلان

جمالیات : حسن کا شعور

جمالیاتی : حسن سے متعلق

لطافت : نزاکت اور نفاست

تخیل : تصور کی قوت

احساس : جذبہ

جذبہ : دلی کیفیت

حسنِ فطرت : قدرتی خوب صورتی

حسنِ بیان : خوب صورت اندازِ اظہار

اسلوب : اندازِ بیان

شگفتگی : تازگی اور دل کشی

انفرادیت	:	شخصی خصوصیت
آزادی فکر	:	آزادانہ سوچ
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
فطرت	:	قدرت
ذوقِ جمال	:	حسن کو محسوس کرنے کی صلاحیت
اخلاقی اقدار	:	اچھے اخلاقی اصول
ادبی	:	ادب سے متعلق
فکری	:	ذہنی
ترجمانی	:	نمائندگی
وسعت	:	پھیلاؤ
تنوع	:	گونا گونی
اثر آفرینی	:	مؤثر انداز
روایت	:	چلی آنے والا طریقہ
ارتقا	:	تدریجی ترقی
شاعری	:	موزوں کلام
نثر	:	غیر منظوم تحریر
غزل	:	اردو شاعری کی معروف صنف
نظم	:	پابند یا آزاد شعری صنف
افسانہ	:	مختصر نثری کہانی

ناول : طویل نثری کہانی

انشائیہ : ادبی نثری صنف

8.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 ادب لطیف کے مفہوم، خصوصیات اور اہمیت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال نمبر 2 رومانی رجحان سے کیا مراد ہے؟ اس کی نمایاں خصوصیات اور ادبی اہمیت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ادب لطیف اور رومانی رجحان کے باہمی تعلق پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب میں ادب لطیف اور رومانی رجحان کے کردار پر روشنی ڈالیں۔
- سوال نمبر 5 رومانی رجحان نے اردو شاعری اور نثر کو کس طرح متاثر کیا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 6 ادب لطیف کی اہمیت اور اس کے جمالیاتی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

8.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ادب لطیف سے کیا مراد ہے؟
- سوال نمبر 2 ادب لطیف کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 رومانی رجحان کا مفہوم واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 4 رومانی رجحان کی اہم خصوصیات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 5 ادب لطیف کی ادبی اہمیت بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 رومانی رجحان نے اردو شاعری اور نثر کو کس طرح متاثر کیا؟
- سوال نمبر 7 ادب لطیف اور رومانی رجحان کے باہمی تعلق پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کی ترقی میں ادب لطیف اور رومانی رجحان کے کردار کو واضح کیجیے۔

8.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

- 1- ذوقِ جمال
- 2- نزم
- 3- تخیل
- 4- احساسات
- 5- ادبِ لطیف

جوابات سرگرمی 2

- 1- الف
- 2- الف
- 3- الف
- 4- الف
- 5- الف

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب نمبر 1 ادبِ لطیف وہ ادب ہے جو حسنِ بیان، لطافتِ خیال، جمالیاتی شعور اور انسانی جذبات کی مؤثر ترجمانی کرتا ہے۔
- جواب نمبر 2 ادبِ لطیف کی نمایاں خصوصیات میں حسنِ بیان، تخلیقی لطافت، جمالیاتی احساس، فکری گہرائی، شائستہ زبان، انسانی اقدار اور مؤثر اسلوب شامل ہیں۔
- جواب نمبر 3 رومانی رجحان ادب کا وہ رجحان ہے جس میں تخیل، حسنِ فطرت، محبت، جذبات، انفرادی احساسات اور آزادی فکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔
- جواب نمبر 4 رومانی رجحان کی اہم خصوصیات میں تخلیقی آزادی، حسنِ فطرت سے محبت، جمالیاتی شعور، انسانی جذبات کی ترجمانی، انفرادیت اور مؤثر اظہار شامل ہیں۔
- جواب نمبر 5 ادبِ لطیف انسان کے ذوقِ جمال کو نکھارتا ہے، اخلاقی اقدار کو فروغ دیتا ہے اور فکری و جمالیاتی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- جواب نمبر 6 رومانی رجحان نے اردو شاعری اور نثر میں نئے موضوعات، تخلیقی آزادی، حسنِ فطرت، محبت، لطیف اسلوب اور جمالیاتی

احساس کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 7 ادب لطیف اور رومانی رجحان دونوں حسن، جذبات، تخیل اور اعلیٰ انسانی اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں، اس لیے دونوں نے اردو ادب کی فکری اور فنی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جواب نمبر 8 ادب لطیف اور رومانی رجحان نے اردو ادب کو جمالیاتی حسن، فکری وسعت، تخلیقی تنوع، مؤثر اسلوب اور نئے ادبی امکانات عطا کیے، جس سے اردو ادب مزید ثروت مند اور مؤثر بن گیا۔

8.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	:	علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	:	ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	:	پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	:	مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	:	ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	:	ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	:	مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	:	گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	:	ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	:	پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	:	پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	:	پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	:	مولوی عبدالحق

- سر سید اور ان کے نامور رفقاء : سید عبداللہ
- مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات : پروفیسر وہاب اشرفی
- بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات : پروفیسر ظہور الدین
- بمبئی اور ترقی پسند تحریک : صاحب علی
- ترقی پسند تحریک اور اردو ناول : ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 9۔ ترقی پسند تحریک: اغراض و مقاصد

- 9.0 اغراض و مقاصد
- 9.1 تعارف
- 9.2 ترقی پسند تحریک کا پس منظر
- 9.2.1 ترقی پسند تحریک کے قیام کے اسباب
- 9.2.2 ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد
- 9.2.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 9.3 ترقی پسند تحریک کی اہمیت
- 9.3.1 ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصول اور نمایاں خصوصیات
- 9.3.2 ترقی پسند تحریک کی ادبی اور سماجی خدمات
- 9.3.3 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 9.4 عمومی جائزہ
- 9.5 فرہنگ
- 9.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
- 9.7 مشقی سوالات
- 9.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
- 9.9 امدادی کتب

9.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ ترقی پسند تحریک کے تاریخی پس منظر، اس کے قیام کے اسباب، اغراض و مقاصد اور بنیادی نظریات کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت نگاری، انسانی اقدار، سماجی شعور اور ادب کی مقصدیت کو کس طرح فروغ دیا۔ اس سبق کے ذریعے آپ ترقی پسند تحریک کی ادبی اور فکری اہمیت سے بھی واقف ہوں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصولوں، اس کی نمایاں خصوصیات اور اردو ادب کی ترقی میں اس کے کردار کا جائزہ لینے کے قابل ہوں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ اس تحریک نے ادیبوں اور شاعروں کو سماجی مسائل، قومی بیداری، انسانی مساوات، محنت کش طبقے کی زندگی اور معاشرتی اصلاح جیسے موضوعات کی طرف کس طرح متوجہ کیا۔ اس سبق کا مقصد طلبہ میں ترقی پسند تحریک کے متعلق صحیح ادبی شعور پیدا کرنا، اس کی تاریخی اہمیت کو واضح کرنا اور اردو ادب میں اس کی مثبت خدمات سے روشناس کرانا ہے تاکہ وہ اس تحریک کے اثرات کو اردو ادب کے ارتقا کے تناظر میں بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

9.1 تعارف

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو زندگی اور معاشرے سے جوڑنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس تحریک کا آغاز ایسے دور میں ہوا جب دنیا کے مختلف معاشروں میں سماجی، معاشی اور فکری تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے بھی اس بدلتے ہوئے ماحول کو محسوس کیا اور ادب کو انسانی زندگی، سماجی شعور اور اصلاح معاشرہ کا مؤثر ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔ ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد ادب کو عوامی زندگی سے قریب لانا اور ایسے موضوعات کو فروغ دینا تھا جو انسانی زندگی، معاشرتی اقدار، تعلیم، انصاف، مساوات اور قومی شعور سے متعلق ہوں۔ اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندانہ انداز فکر، سادہ زبان، مقصدی ادب اور مثبت سماجی شعور کو فروغ دیا، جس سے اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، تنقید اور دیگر ادبی اصناف کو نئی فکری جہت عطا کی۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں ایسے موضوعات شامل ہوئے جو عام انسان کی زندگی، اس کی امیدوں، آرزوؤں، محنت، اخلاقی اقدار اور معاشرتی بہتری کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی لیے ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک مؤثر اور اہم ادبی تحریک سمجھی جاتی ہے۔

9.2 ترقی پسند تحریک کا پس منظر

اردو ادب میں ترقی پسند تحریک Progressive Writers' Movement سرسید کی تحریک کے بعد ترقی پسند تحریک سب سے طاقتور اور ہمہ گیر ادبی تحریک ثابت ہوئی۔ اس تحریک نے ادب کو "برائے ادبیت" (صرف حسن و عشق) کے محدود دائرے سے نکال کر "برائے زندگی" (سماجی مسائل) کے وسیع میدان میں لاکھڑا کیا۔ اس تحریک نے اردو ادب پر بہت سے نمایاں اثرات مرتب کئے ہیں: حقیقت نگاری (Realism): ادب میں تخیلاتی اور مابعد الطبیعیاتی قصوں کی جگہ گرد و پیش کی تلخ حقیقتوں، غربت، بھوک اور افلاس کو جگہ ملی۔ اس تحریک نے ادب کو سماجی و سیاسی شعور عطا کیا۔ ادیبوں نے مارکسی فلسفے سے متاثر ہو کر استحصالی نظام (سرمایہ داری اور جاگیر داری) کے خلاف آواز اٹھائی۔ آزادی، جمہوریت اور برابری اس تحریک کے بنیادی ستون بنے۔ اس تحریک نے ادب کو عوامی لب و لہجہ سے نوازا۔ ادب صرف خواص یا درباروں تک محدود نہ رہا بلکہ عام آدمی، کسان اور مزدور کی زبان اور ان کے مسائل ادب کا موضوع بنے۔ نئے اصناف اور ہیئتیں معرض وجود میں آئیں افسانے میں سعادت حسن منٹو، کرشن چندر اور عصمت چغتائی نے بے باک حقیقت نگاری کے ذریعے نئے تجربات کیے۔ شاعری میں غزل کے روایتی موضوعات (گل و بلبل) کی جگہ "نظم" کو اہمیت ملی جس میں وطن پرستی اور سماجی جدوجہد نمایاں تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خواتین کے حقوق پر آوازیں بلند ہو گئی اس تحریک کے تحت خواتین ادیبوں (جیسے رشید جہاں اور عصمت چغتائی) نے سماجی بندشوں اور صنفی امتیاز کے خلاف آواز بلند کی۔ اس تحریک سے وابستہ نمایاں شخصیات کی ایک بڑی تعداد اردو ادب میں کارہائے نمایاں انجام دے گئے۔ اس تحریک کو پروان چڑھانے میں سجاد ظہیر، فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، ساحر لدھیانوی، مجاز لکھنوی اور راجندر سنگھ بیدی جیسے قد آور ادیبوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ غرض ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک بے حد موثر تحریک ہے اردو ادب کی تاریخ میں یہ تحریک سب سے زیادہ با اثر اور ہمہ گیر تحریک ثابت ہوئی۔ 1936ء میں منشی پریم چند کی صدارت میں اس کا پہلا باقاعدہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا، جس نے ادب کا رخ "رومانیت اور تخیل" سے موڑ کر "سماج اور پسے ہوئے طبقات" کی طرف کر دیا گیا۔ اس تحریک نے ادب کو محلوں اور خوابوں کی دنیا سے نکال کر کھیتوں، کھلیانوں، ملوں اور عام انسان کے مسائل تک پہنچا دیا۔

۱. ادب برائے زندگی (Art for Life)

ترقی پسندوں نے علی گڑھ تحریک کی مقصدیت کو ایک قدم آگے بڑھایا۔ انہوں نے نعرہ لگایا کہ ادب کا مقصد صرف جمالیاتی تسکین نہیں بلکہ سماجی تبدیلی ہے۔ ادب کو بھوکے ننگے انسانوں، کسانوں اور مزدوروں کی آواز بننا چاہیے۔ اس تحریک پر مارکسزم (Marxism) کے گہرے

اثرات تھے۔ ادیبوں نے معاشرے کو دو طبقات (ظالم اور مظلوم/ سرمایہ دار اور مزدور) میں تقسیم کر کے دیکھا۔ ادب کے کردار اشرافیہ کی زندگی سے نکل کر عام غریب طبقوں کے انسان کی زندگیوں سے مقرر کر دیئے گئے۔ ادب میں اب شہزادوں کے بجائے کسان مزدور کپاس کا کھیت کاٹنے والی عورت اور بھیک مانگنے والا ہیرو بن کر ابھرے۔ اس تحریک کے تحت اردو افسانے اور ناول کا سنہرا دور معرض وجود میں آیا۔ ترقی پسند تحریک نے نثر کو عروج بخشا۔ انسانی نفسیات، جنسی مسائل اور سماجی جبر کو بے باک انداز میں پیش کیا گیا۔ اردو فکشن میں عظیم فنکاروں نے مختلف مسائل کو اپنے فکشن میں آڑے لیا مثلاً سعادت حسن منٹو نے معاشرے کی غلاظت کو بے نقاب کیا۔ کرشن چندر نے سماجی نا انصافیوں کے خلاف خوبصورت نثر لکھی۔ راجندر سنگھ بیدی نے دیہاتی زندگی اور انسانی رشتوں کی گہرائی کو بیان کیا۔ عصمت چغتائی نے متوسط طبقے کے گھرانوں اور خواتین کے نفسیاتی مسائل کو موضوع بنایا۔ اسی طرح اردو شاعری میں نیا آہنگ معرض وجود میں آیا شاعری میں رومانوی لب و لہجے کی جگہ انقلابی اور احتجاجی رنگ شامل ہوا۔

فیض احمد فیض: نے "عشق" کو "غم روزگار" سے جوڑ دیا۔ ان کا مشہور جملہ ہے: "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ"۔ اس کی ترجمانی کے لئے کافی ہے نہ صرف فیض بلکہ ساحر لدھیانوی نے تلخ حقائق اور تاج محل جیسی نشانیوں کو غریب کے استحصال کے طور پر دیکھا۔ اسی طرح جوش ملیح آبادی نے جنہیں "شاعر انقلاب" کہا گیا انہوں نے اپنی نظموں سے عوام کے لہو کو گرمایا۔ ترقی پسند تحریک کے تحت نئی اصناف اور تجربات اردو ادب میں شامل کیئے گئے۔ مثال کے طور پر آزاد نظم نے اس تحریک کے تحت پابند شاعری کے بجائے آزاد نظم (Free Verse) کو فروغ دیا تاکہ خیالات کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ آئے۔ اسی طرح رپورٹاژ نے سماجی واقعات اور فسادات کی آنکھوں دیکھی صورت حال بیان کرنے کے لیے رپورٹاژ جیسی صنف مقبول ہوئی۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو بین الاقوامی شعور سے جوڑا۔ اس نے ادب کو صرف اشرافیہ کا مشغلہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے عام آدمی کی زندگی، اس کی بھوک، اس کے دکھ اور اس کے حقوق کی جنگ کا ہتھیار بنا دیا۔

اردو ادب کی تاریخ میں ترقی پسند تحریک محض ایک ادبی تحریک نہیں تھی، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر فکری انقلاب تھا جس نے اردو ادب کا رشتہ درباروں اور خیالی داستانوں سے توڑ کر براہ راست "زندگی" اور "سماج" سے جوڑ دیا۔ اس تحریک نے ادب کو "ادب برائے ادب" کے بجائے "ادب برائے زندگی" کے سانچے میں ڈھالا۔

ذیل میں اردو ادب میں اس تحریک کی اہم خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش ہے:

۱۔ سماجی حقیقت نگاری (Social Realism): ترقی پسند تحریک نے اردو ادیبوں کو سکھایا کہ وہ گل و بلبل اور حسن و عشق کی خیالی دنیا سے باہر نکل کر اپنے ارد گرد بکھری ہوئی تلخ حقیقتوں کو دیکھیں۔

عوام کا ادب: پہلی بار ادب کا مرکز بادشاہ، شہزادے یا پریوں کے بجائے کسان، مزدور، طوائف اور پسے ہوئے طبقات بنے۔

مسائل کی عکاسی: بھوک، افلاس، جہالت اور معاشی استحصال اس تحریک کے پسندیدہ موضوعات رہے۔

۲۔ افسانوی ادب میں انقلاب: اردو افسانے اور ناول کو اس تحریک نے ایک نئی جہت عطا کی۔ پریم چند کا ورثہ: پریم چند کے افسانے "کفن" کو اس تحریک کا نقطہ آغاز مانا جاسکتا ہے

بڑے نام: سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور عصمت چغتائی نے سماجی منافقت اور جنسی نفسیات پر ایسی بیباک تحریریں لکھیں جنہوں نے اردو نثر کا ڈھانچہ بدل کر رکھ دیا۔

کرشن چندر: انہوں نے اپنے افسانوں میں پسے ہوئے طبقے کے دکھوں کو رومانی لہجے میں بیان کیا، جو بے حد مقبول ہوا۔

۳۔ اردو شاعری کا نیا رخ: ترقی پسند تحریک نے شاعری کو صرف غزل کی قید سے نکال کر نظم کی طرف مائل کیا، اور غزل میں بھی سماجی درد سمودیا۔ فیض احمد فیض: فیض نے انقلاب اور عشق کو اس طرح ملایا کہ "مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ" جیسی شاہکار نظمیں وجود میں آئیں۔ انہوں نے سیاسی جبر کو استعاروں میں ڈھالا۔

جوش ملیح آبادی: انہیں "شاعر انقلاب" کہا گیا، جنہوں نے اپنی خطیبانہ شاعری سے برطانوی سامراج کے خلاف جوش پیدا کیا۔

دیگر شعراء: ساحر لدھیانوی، مجاز لکھنوی اور مخدوم محی الدین نے اشتراکی نظریات اور انسانی برابری کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔

۴۔ تنقید کا سائنسی اسلوب: اس تحریک نے اردو تنقید کو ایک باقاعدہ نظام اور نظریہ دیا۔ اب کسی شاعر یا ادیب کو محض اس کی زبان دانی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس کے سماجی شعور کی بنیاد پر پرکھا جانے لگا۔ احتشام حسین اور ممتاز حسین جیسے ناقدین نے مارکسی تنقید کی بنیاد رکھی اور ادب کو سماجی حالات کے پس منظر میں سمجھنے کا رجحان پیدا کیا۔

۵۔ زبان و بیان کی سادگی: ترقی پسندوں نے ثقیل اور مشکل زبان کے بجائے "عوامی زبان" کو ترجیح دی۔ ان کا مقصد اپنی بات عام آدمی تک پہنچانا تھا، اس لیے انہوں نے سادہ، رواں اور اثر انگیز اسلوب اپنایا۔

ایک تجزیاتی نظر (تنقیدی پہلو) جہاں اس تحریک نے اردو ادب کو زندگی سے قریب کیا، وہاں بعض ناقدین کا خیال ہے کہ اس نے ادب پر "مقصدیت" کا بوجھ اتار دیا کہ بعض جگہوں پر فن کی لطافت مجروح ہوئی۔ کچھ ادیب "پروپیگنڈا" کے زیر اثر آ گئے، جس سے ادب کی آفاقیت پر اثر پڑا۔ تاہم، یہ ماننا پڑے گا کہ آج کا اردو ادب جتنا نڈر اور حقیقت پسند ہے، اس کی بنیاد اسی تحریک نے رکھی تھی۔

مختصر یہ کہ: ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو خوابوں کی دنیا سے نکال کر فٹ پاتھوں، کھیتوں اور فیکٹریوں تک پہنچا دیا۔ اس نے ادب کو ایک ہتھیار بنایا جس سے سماجی نا انصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ ترقی پسند تحریک بیسویں صدی کی ایک اہم ادبی تحریک ہے جس نے اردو ادب میں نئی فکری بیداری پیدا کی۔ اس تحریک کا پس منظر ان سماجی، تعلیمی اور تہذیبی تبدیلیوں سے وابستہ ہے جو اس دور میں مختلف معاشروں میں رونما ہو رہی تھیں۔ ان حالات نے ادیبوں اور شاعروں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ادب کو انسانی زندگی اور معاشرتی مسائل سے زیادہ قریب ہونا چاہیے اور اس کے ذریعے معاشرے میں مثبت شعور پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اردو کے ادیبوں نے محسوس کیا کہ ادب صرف حسن بیان یا تفریح تک محدود نہیں بلکہ وہ انسان کی فکری، اخلاقی اور سماجی رہنمائی کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اسی سوچ کے نتیجے میں ترقی پسند تحریک نے ادب میں حقیقت نگاری، مقصدیت، انسان دوستی، تعلیم، مساوات، محنت کی عظمت اور سماجی اصلاح جیسے موضوعات کو فروغ دیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو نئی وسعت عطا کی اور ادیبوں کو معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی۔ اس تحریک کے اثر سے اردو ادب میں سادگی، حقیقت پسندی، مثبت سماجی شعور اور عوامی زندگی سے وابستگی کو فروغ ملا، جس کے نتیجے میں اردو ادب مزید مؤثر، بامقصد اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔

ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس ۱۰/ اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کے ”رفاہ عام“ کلب ہال میں منشی پریم چند کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ چودھری محمد علی ردولوی کو استقبالیہ کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ اس کانفرنس میں پریم چند کے علاوہ جن ادیبوں، شاعروں اور سیاست دانوں نے شرکت کی۔ ان میں مولانا حسرت موہانی، جے پرکاش نرائن، کملا دیوی چٹوپادھیائے، میاں افتخار الدین، یوسف علی مہر، اندر لال یا جنک اور جتندر کمار وغیرہ نے شرکت کی۔ ان کے علاوہ بنگال، مہاراشٹر، پنجاب، گجرات، بہار اور جنوبی ہند کے بھی ترقی پسند ادیب شریک ہوئے اور اپنی اپنی زبانوں کے ادب کی صورت حال اور مسائل پر تقاریر کیں۔ الہ آباد لکھنؤ، علی گڑھ اور دوسری جگہوں کے نوجوان ادیب اور شاعر بھی شریک ہوئے۔ ان میں ساغر نظامی، ڈاکٹر عبدالعلیم، فراق گورکھپوری، احمد علی اور فیض احمد فیض قابل ذکر ہیں۔ احمد علی محمود الظفر اور فراق گورکھپوری نے مقالے پڑھے اور مختلف لوگوں نے تقریریں کیں۔ یہ کانفرنس اردو ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں پیش کیا جانے والا انجمن ترقی پسند مصنفین کا اعلان نامہ (مینی فیسٹو) اور منشی پریم چند کا خطبہ صدارت، اردو ادب کو سمت و رفتار دینے میں نمایاں کردار انجام کر گیا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس دوروزہ ہونا قرار پائی تھی۔ کانفرنس کا آغاز چودھری محمد علی ردولوی کے استقبالیہ خطبے سے ہوا۔ جس میں انھوں نے ترقی پسند مصنفین کی تحریک کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد منشی پریم چند نے اپنا صدارتی خطبہ نہایت آسان اور سلیس اردو زبان میں پیش کیا۔ انھوں نے اس کانفرنس میں شریک ہونے والوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے قدیم ادبی سرمایہ پر تنقید کی، جدید ادب کا مقصد واضح کیا، انجمن ترقی پسند ادبی مصنفین کے نام اور

اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی، ادبی جمالیات اور افادیت پر بحث کی۔ پریم چند نے ایک اچھے ادب کی بنیاد سچائی، حسن آزادی اور انسان دوستی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

”جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور دینی تسکین نہ ملے۔ ہم میں قوت اور حرارت نہ پیدا ہو، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے۔ وہ آج ہمارے لیے برکار ہے اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔“

پریم چند نے اس یادگار جملے پر اپنے خطبے کو ختم کیا:

”ہماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا ترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو جو ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی پیدا کرے، سلائے نہیں کیوں کہ اب زیادہ سونا موت کی علامت ہوگی۔“

سجاد ظہیر، ”روشنائی“، ص ۱۱۳، سیمپلی کیشنز، دہلی-۱۹۵۸ء)

پریم چند کے اس خطبہ صدارت کو اردو ادب میں ایک نئے موڑ کا نشان راہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ پریم چند کے اس صدارتی خطبے نے جہاں ایک طرف ترقی پسند تحریک کو سمت و رفتار دکھائی وہیں ادب کی غرض و غایت کے تعلق سے غور و فکر کی نئی راہیں بھی استوار کیں۔ بقول سجاد ظہیر: ”ہمارے ملک میں ترقی پسند ادبی تحریک کی غرض و غایت کے متعلق شاید اس سے بہتر کوئی چیز ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ پہلے اجلاس کے اختتام میں سجاد ظہیر نے انجمن کی اس وقت تک کی تنظیمی صورت حال کے متعلق ایک مختصر سی رپورٹ انگریزی میں پیش کی۔ اس کے بعد کے اجلاس میں احمد علی محمود الظفر اور فراق گورکھپوری کے مقالات، حسرت موہانی اور کملا دیوی چٹوپادھیائے کی تقاریر اور انجمن کے اغراض و مقاصد کی حوصلہ افزائی کے ضمن میں سروجنی نائیڈو کا مراسلہ پیغام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں مولانا حسرت موہانی نے ایک موثر تقریر کی۔ مولانا نے اپنی تقریر میں ترقی پسند مصنفین کی تحریک کے منشور اور اس کے اغراض و مقاصد سے پورے اتفاق کا اظہار کیا۔ مولانا نے آخر میں انجمن کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

”آپ کو زندگی کے زیادہ اہم اور سنجیدہ مسائل کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ اور میں اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے خاص طور پر اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ان مقاصد کی طرف داری اور حمایت کا اعلان کروں جو آپ نے

اپنے اعلان نامے میں لکھے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں اس قسم کے ادب کی تخلیق ہو۔ پرانی باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ وہ محض دل بہلانے کی چیزیں ہیں۔ شاعری کے معاملے میں آپ کو میری تقلید کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود اس قسم کے نئے ترقی پسند ادب کی تخلیق میں آپ کی پوری طرح مدد کروں گا۔“

(سجاد ظہیر، روشنائی، ص ۱۱۳، سیما پبلی کیشنز، دہلی-۱۹۸۵)

اس اختتامی کانفرنس میں کملاد یوی چٹوپادھیانے ایک پر جوش تقریر کی جس میں اس نئی تحریک کا خیر مقدم کیا۔ بلبل ہند محترمہ سروجی نائیڈو نے اس کانفرنس کو ایک پیام بھیجا تھا جو پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں انھوں نے ترقی پسند تحریک کے مقاصد کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس کانفرنس میں ترقی پسند مصنفین کا مینی فیسٹو بھی پیش ہوا اور اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ انجمن کا ایک دستور بھی منظور ہوا۔ اس کا مسودہ سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبد العلیم اور محمود الظفر نے مل کر تیار کیا تھا۔ جس میں ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی:

”ہمارے ملک میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ پستی اور رجعت پسندی کو اگرچہ موت کا پروانہ مل چکا ہے لیکن وہ ابھی تک بے بس اور معدوم نہیں ہوئی ہے۔ نت نئے روپ بدل کر یہ مہلک زہر ہمارے تمدن کے ہر شعبے میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ اس لیے ہندوستانی مصنفین کا فرض ہے کہ ملک میں جو ترقی پذیر رجحانات ابھر رہے ہیں ان کی ترجمانی کریں! دوران کی نشوونما میں پورا حصہ لیں۔ ہندوستانی ادب کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ زندگی کی بین اور حقیقی کیفیتوں سے جی چرانا چاہتا ہے۔ حقیقت اور اصلیت سے بھاگ کر ہمارے ادب نے بے بنیاد روحانیت اور تصور پرستی کی آڑ میں پناہ لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عناصر اور قویٰ مضمل ہو گئے ہیں۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ہمارے ادب میں عقلیت مشکل سے پائی جاتی ہے۔ ہماری انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ادبیات اور فنون لطیفہ کو قدامت پرستوں کی مہلک گرفت سے نجات دلائے اور ان کو عوام کے دکھ سکھ اور جدوجہد کا ترجمان بنا کر روشن مستقبل کی راہ دکھائے جس کے لیے انسانیت اس دور میں کوشاں ہے۔

ہم ہندوستانی تمدن کی اعلیٰ قدروں کے وراثت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے زندگی کے جس شعبے میں رد عمل کے آثار پائیں گے انھیں افشا کریں گے۔ ہم انجمن کے ذریعہ سے ہر ایسے جذبے کی ترجمانی کریں گے جو ہمارے وطن کو ایک نئی اور بہتر زندگی کی راہ دکھائے۔ اس کام میں ہم اپنے اور غیر ملکوں کے تہذیب و تمدن سے فائدہ

اٹھائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا نیا ادب ہماری زندگی کے بنیادی مسائل کو اپنا موضوع بنائے۔ یہ بھوک، افلاس، سماجی پستی اور غلامی کے مسائل ہیں۔ ہم ان تمام آثار کی مخالفت کریں گے جو ہمیں لاچار، پستی اور توہم پرستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ہم ان تمام قوتوں کو جو ہماری قوت تنقید کو ابھارتی ہیں اور رسموں اور اداروں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہیں تغیر اور ترقی کے ذریعہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔

(۱) تمام ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین کی امداد سے مشاورتی جلسے منعقد کر کے لٹریچر شائع کر کے اپنے مقاصد کی تبلیغ کرنا۔

(۲) ترقی پذیر مضامین لکھنے اور ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور رجعت پسند رجحانات کے خلاف جدو جہد کر کے اہل ملک کی آزادی کی کوشش کرنا۔

(۳) ترقی پذیر مصنفین کی مدد کرنا۔

(۴) آزادی رائے اور آزادی خیال کی حفاظت کی کوشش کرنا۔“

(بحوالہ خلیل الرحمن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک میں ۴۱-۴۰، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔ ۱۹۹۶)

اس کانفرنس میں سجاد ظہیر کو کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا اور ساتھ ہی ان کو انجمن کے مرکزی دفتر الہ آباد میں قائم کرنے اور چلانے کا کام سپرد ہوا۔ انجمن کی مجلس انتظامیہ کے بارے میں طے ہوا کہ اس کو صوبائی یا لسانی علاقوں کی انجمنیں منتخب کریں گی اور تمام صوبائی اور علاقائی انجمنوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک کل ہند کونسل ہوگی جس کا اجلاس سال میں کم از کم دو مرتبہ ہوگا۔ اس طرح لکھنؤ کی انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کل ہند کانفرنس نے پورے ہندوستان کے ادیبوں اور دانشوروں کو بہت تیزی سے اپنی طرح متوجہ کیا، ہر جگہ اس کے چرچے ہونے لگے۔ جو لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اس انجمن کو مقبول بنانے کے لیے اپنے اپنے علاقوں میں کوششیں کرنے لگے۔ خاص طور پر منشی پریم چند نے اس تحریک کو مقبول بنانے کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اپنے رسالہ ”ہنس“ (جولائی ۱۹۳۶ء) میں اپنے خطبہ صدارت کا ہندی میں ترجمہ شائع کیا اور بنارس، پٹنہ، ناگپور اور ملک کے دوسرے شہروں میں اپنے دوستوں کو خط لکھ کر اس نئی تحریک کی طرف متوجہ کیا، وہ جہاں جہاں کانگریس یا ہندی سہیتہ پریشد کے جلسوں میں جاتے اس تحریک کے مقاصد سے لوگوں کو آگاہ کرتے اور انھیں اس کو تقویت پہنچانے کا مشورہ دیتے۔ انھوں نے سجاد ظہیر کو یہ صلاح دی کہ ترقی پسند مصنفین کا ایک ترجمہ ہندی میں شائع کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی

اور دیگر زبانوں میں بھی ایسے رسالوں کی اشاعت پر زور دیا۔

غرض کہ نجم ترقی پسند مصنفین اردو زبان کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ منظم اور ہمہ گیر ادبی تحریک تھی۔ بظاہر یہ تحریک ایک ادبی تحریک تھی لیکن یہ اپنے پہلو میں سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی تمام عناصر و عوامل کا اشتراک و امتزاج رکھتی تھی۔ کیوں کہ اس تحریک کو ظہور میں لانے کے لیے قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی بحران سے پیدا شدہ صورت حال نے ایک اہم رول ادا کیا۔ اس کے اثرات اتنے ہمہ گیر رہے ہیں کہ اس نے شعر و ادب میں ایک انقلاب رونما کیا۔ اور اس تحریک نے زندگی کے تقریباً تمام شعبوں کو متاثر کیا۔ چنانچہ 1936 سے 1956 تک دو دہائیوں کی مختصر مدت میں ترقی پسند ادبی مصنفین نے اپنے عہد ساز اور تاریخی کردار سرانجام دے کر ایک دور کی تکمیل کی۔

9.2.1 ترقی پسند تحریک کے قیام کے اسباب

ترقی پسند تحریک کے قیام کے پس پشت کئی ادبی، سماجی، تعلیمی اور فکری عوامل کارفرما تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں معاشرے میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، جنہوں نے ادیبوں اور شاعروں کو نئے انداز فکر اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ ادب کو انسانی زندگی سے قریب تر بنانے، معاشرتی شعور بیدار کرنے اور عام انسان کے مسائل کو ادبی موضوع بنانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہی احساس ترقی پسند تحریک کے قیام کا بنیادی محرک ثابت ہوا۔ ترقی پسند ادیبوں کا خیال تھا کہ ادب صرف حسن بیان اور تخیل کا اظہار ہی نہ ہو بلکہ وہ معاشرے میں مثبت تبدیلی، اخلاقی اقدار، تعلیم، انصاف، انسانی مساوات اور قومی شعور کو فروغ دینے کا ذریعہ بھی بنے۔ اسی مقصد کے تحت انہوں نے حقیقت پسندانہ طرز اظہار کو اختیار کیا اور ادب کو انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے وابستہ کیا۔ اس تحریک کے ذریعے عام انسان کی زندگی، اس کی محنت، امید، جدوجہد اور سماجی مسائل کو ادب میں نمایاں مقام ملا۔ اس تحریک کے قیام میں اردو کے متعدد ادیبوں، شاعروں اور نقادوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان اہل قلم نے اردو ادب کو نئے موضوعات، نئے اسلوب اور نئے فکری زاویوں سے روشناس کرایا۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں اردو ادب میں حقیقت نگاری، مقصدیت، انسان دوستی، سماجی شعور اور اصلاحی فکر کو مضبوط بنیاد حاصل ہوئی، جس سے ادب کا دائرہ کار مزید وسیع ہوا۔

9.2.2 ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد

یورپ کے نشاۃ الثانیہ سے لے کر بیسویں صدی کے نصف اول تک کا یہ بحرانی دور صنعتی انقلاب، سائنسی ایجادات اور نئے علوم و فنون کے وجود کا دور تھا۔ یہ نہ صرف نظریاتی سطح پر بلکہ قدیم سماجی، معاشی، تہذیبی، مذہبی اور اخلاقی قدروں اور نظریات کی شکست و ریخت اور اتھل

پتھل کا بھی عہد رہا ہے۔ پہلی جنگ عظیم تک آتے آتے اس صورت حال نے شدت اختیار کر لی۔ اس عہد میں برسرِ پیکار دو قوتیں تھیں جو دو خانوں میں منقسم تھیں۔ ایک قوت تخریبی تھی جس کی رہنمائی رجعت پرست حکمران، سامراجیت، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ جماعتیں کر رہی تھیں۔ دوسری قوت سوشلزم، اشتراکیت اور امن دوستی کی حامی جماعتوں پر مشتمل تھی جو بین الاقوامی سطح پر مختلف ملکوں میں آزادی، سماجی و معاشی مساوات، مظلوموں، مزدوروں اور محکوموں کی حمایت میں تخریبی رجعت پسند اور سامراجی قوتوں سے برسرِ پیکار تھی۔ 1905 میں روسی انقلاب ساری دنیا کے لیے عوامی تحریکات کی سوغات لے کر آیا۔ جسے تقریباً ساری دنیا نے قبول کیا۔ 1917 میں روس میں پھر انقلاب رونما ہوا جس کے اثرات ایک بار پھر پھیلنے لگے۔ اسی زمانے میں ہٹلر کی نسل پرست حکمت عملی اور فاشزم کا ایک زبردست طوفان اٹھ کھڑا ہوا جس سے حقوق انسانی کے پاسداروں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ نازی سپاہیوں کے مظالم اور انسانیت سوز حرکات سے دنیا کانپ اٹھی۔ جرمنی میں ان گنت سیاسی رہنماؤں کو گولیوں سے بھون دیا گیا، بے شمار مفکر، دانش ور، سائنس دان، ڈاکٹر، وکیل اور ادیب جن میں کئی عالم گیر شہرت و مقبولیت کے بھی حامل تھے نسلی امتیاز کی دار پر چڑھائے گئے، بہتوں کو طرح طرح کے الزامات لگا کر جلاوطن کر دیا گیا۔ فاشزم کی یہ آندھی بڑی تیزی سے شاید سارے یورپ کو اپنے اثر میں لے رہی تھی اور ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں یہ خوفانہ ادب اور تہذیب و تمدن کی اعلیٰ قدروں کو برباد نہ کر ڈالے اور ساری دنیا کو جنگ کی اس آگ میں نہ جھونک دے۔ اس اندیشے نے سیاسی حلقے کے ساتھ ساتھ تہذیبی و تمدنی حلقے میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ لہذا یورپ کے روشن خیال اور ترقی پسند دانشوروں اور ادیبوں کو بھی فاشزم کے بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے اور اس کی مخالفت میں آواز بلند کرنے پر اکسایا، یورپ کے بیشتر ممالک کے دانش ور اور ادیب بھی متحد ہو کر ان تمام عوامی تحریک تحریکوں میں شامل ہونے لگے جو اس رجعت پسند اور انسانیت دشمن طاقت کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ یورپ میں رونما ہونے والے ان واقعات کے اثرات ساری دنیا کے ساتھ ہندوستانیوں پر بھی پڑے جو اس وقت اپنے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے کچھ ہندوستانی نوجوان یورپ میں مقیم تھے اور اس طوفان کی تباہ کاریوں کا بہت قریب سے مطالعہ کر رہے تھے۔ ان میں نوجوان طالب علم سجاد ظہیر کے ساتھ، انگریزی زبان کے ادیب و ناول نگار ملک راج آنند، بنگالی کے ادیب ڈاکٹر جیوتی گھوش، پرمودسین گپتا اور محمد دین تاثیر شامل تھے۔ یہ ہندوستانی طلباء بھی اپنے ملک کی آزادی اور امن عالم کی بقا کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی رگوں میں گرم خون دوڑ رہا تھا اور یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے صحیح راہ عمل کے متلاشی تھے۔ لہذا ان نوجوان طلباء کو جس کے وہ متقاضی تھے کارل مارکس کی تحریروں نے رہنمائی کی۔

لندن میں مقیم ان طلباء کا رفتہ رفتہ ایک ادبی حلقہ بن گیا۔ ان طلباء کے ذہن میں ہندوستانی مصنفین کی ایک انجمن تشکیل دینے کا خیال

ہوا۔ انجمن کے قیام کے لیے مینی فیسٹو (Menifesto) تیار کیا اور پھر 1935 میں لندن کے نان لنک ریٹوران میں اس کے پہلے باقاعدہ جلسے کا انعقاد ہوا۔ لندن میں اس انجمن کا نام Progressive Indian Writers Association رکھا گیا۔ جس کے صدر ملک راج آنند منتخب ہوئے۔ لندن میں انجمن قائم ہو جانے کے بعد اس انجمن کے تحت ہر ماہ ایک دو بار ادبی نشستیں ہونے لگیں۔ جن میں ادب اور ادبی تخلیقات کے تخلیقات کے مسائل اور ان سے متعلق مضامین پر بحث و مباحثے ہوا کرتے تھے۔ یہ انجمن ابھی اپنے ابتدائی مراحل ہی میں تھی کہ دنیا بھر کے مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے چند اشتراکی مصنفین نے فاشزم کے خوفناک سیلاب کی زد سے ادب اور تہذیب و کلچر کے تحفظ کے لیے مشہور فرانسیسی ادیب ہنری باربس کی پیہم کوششوں سے جولائی 1935 میں پیرس کے بال بوٹے ہال میں ساری دنیا کے روشن خیال اور انسان دوست "World Congress of Writers for the defence of Culture" ادیبوں کی کانگریس بلائی جس کا نام تھا۔ جس میں میکسم گورکی، روین رولاں، آندرے ژید، ہنری باربس کی پیہم کوشیوں امن مان آندرے مالرو، ایم ایم فاسٹر، ایلیا ایران برگ، پالا پلوا، لوئی آراگان برتول بریخت، آلڈس ہکسلے، بورس پاسترنگ، اور بلڈفرینک جیسے شہرہ آفاق مصنفین نے شرکت کیں۔ اس کانفرنس کا مقصد دنیا بھر کے امن پسند مصنفین اور دانشوروں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا تھا تاکہ اس سیلاب کی مخالفت کی جاسکے۔ اس کانفرنس میں پوری دنیا کے روشن خیال اور ترقی پسند ادیبوں، دانشوروں کو منظم کرنے اور انہیں حرکت و عمل کی ترغیب دینے کے غرض سے روین رولاں نے ان ادیبوں کے نام جوائیل شائع کی تھی اس میں کہا گیا تھا:

”رفیقان قلم! موت کے خلاف زندگی کی ہمنوائی کیجئے۔ ہمارا قلم، ہمارا فن، ہمارا علم، ان طاقتوں کے خلاف رکھنے نہ پائے جو موت کی دعوت دیتی ہیں، جو انسانیت کا گلا گھونٹی ہیں، جو روپے کے بل پر حکومت کرتی ہیں، جو کارخانہ داروں اور زبردستوں کی آمریت قائم کرتی ہیں اور جو بالآخر فاشزم کے مختلف روپ دھار کر سامنے آتی ہیں اور یہی طاقتیں ہیں جو معصوم انسانوں کا خون چوستی ہیں... دنیا بھر کے محنت کشو! ہم اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہمیں متحد ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنی منتشر صفوں کو مجتمع کرنا چاہئے، انسانیت خطرے میں ہے اور غیر جانبداری موت ہے۔“

(بحوالہ خلیل الرحمن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک ص 31، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ 1996)

اس کانفرنس میں ہندوستانی ادیبوں کی نمائندگی ایک پارسی ادیبہ صوفیا واڈیا نے کی۔ مگر غلام ہندوستان سے اس وقت کوئی قابل ذکر

مصنف کو اس میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا۔ لیکن لندن میں نو تشکیل شدہ ہندوستانی ترقی پسند مصنفین کی نمائندگی سجاد ظہیر اور ملک راج آنند نے کی جن کی حیثیت مصنف کی نہیں سامعین جیسی تھی۔ انھوں نے پیرس کی اس کانفرنس میں مختلف ادیبوں اور دانشوروں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے متاثر ہو کر اپنے سینے میں نئی امنگ اور نئے جوش لیے ہوئے لندن واپس روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر لندن کی ترقی پسند مصنفین کی انجمن کو اس تحریک سے ملحق کر دینے کا فیصلہ کیا۔

1935 کے آخر میں سجاد ظہیر اپنی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان واپس آئے تو انھوں نے پورے ملک کا دورہ کر کے مختلف ہندوستانی زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں سے ملاقاتیں کیں مختلف ریاستی اور علاقائی انجمنوں اور اکادمیوں سے رابطہ قائم کیا اور ترقی پسند تحریک کو ملک گیر سطح پر با اثر اور کامیاب بنانے کے لیے تبادلہ خیال کیا۔ ان سب ادیبوں نے سجاد ظہیر کے منصوبے کی تائید کی۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں الہ آباد میں انجمن کے قیام کے فوراً بعد ہی 25 دسمبر 1935ء میں ہندوستانی اکادمی جس کے سکریٹری ڈاکٹر تارا چند تھے، نے ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس میں اردو اور ہندی دونوں کے ادیبوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ جس میں پریم چند، مولوی عبدالحق، جوش ملیح آبادی زمانہ کانپور کے ایڈیٹر منشی دیانرائن نگم، دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مولانا عبدالسلام ندوی اور حیدر آباد کے محی الدین زور وغیرہ شرکت کے لیے آئے تھے۔ موقع غنیمت جان کر سجاد ظہیر نے اپنے یہاں ایک میٹنگ رکھی اور فراق گورکھپوری کے توسط سے پریم چند، مولوی عبدالحق، جوش ملیح آبادی اور منشی دیانرائن نگم کو اپنے گھر شرکت کی دعوت دی۔ جس میں ان سبھی ادیبوں نے شرکت کی۔ اور سجاد ظہیر نے اپنے خیالات و نظریات ان کے سامنے رکھے۔ ان کو اپنا مینی فیسٹو دکھایا۔ ان ادیبوں نے اس کے مقاصد سے اتفاق کیا اور اس پر دستخط کر دیے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر امر ناتھ جھا اور ڈاکٹر تارا چند نے بھی ان کی ہمت افزائی کی۔ اس طرح الہ آباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی سب سے پہلے بنیاد پڑی۔

مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد اردو ادب کو انسانی زندگی اور معاشرتی حقائق سے قریب لانا تھا۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے ادب کو ایک موثر سماجی اور تعلیمی قوت کے طور پر دیکھا اور اس بات پر زور دیا کہ ادب انسان کے شعور کو بیدار کرے، اخلاقی اقدار کو فروغ دے اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مثبت کردار ادا کرے۔ اسی لیے انہوں نے ادب میں حقیقت پسندی، انسان دوستی، تعلیم، مساوات، قومی یکجہتی اور اصلاح معاشرہ جیسے موضوعات کو اہمیت دی۔ ترقی پسند تحریک کا ایک اہم مقصد عام انسان کی زندگی، اس کے احساسات، محنت، امیدوں اور سماجی کردار کو ادب کا موضوع بنانا بھی تھا۔ اس تحریک نے ادیبوں اور شاعروں کو ترغیب دی کہ وہ معاشرے کے مختلف طبقات کی زندگی، انسانی رشتوں، قومی ہم آہنگی، تعلیم، ثقافت اور اخلاقی اقدار کو اپنی تخلیقات میں جگہ دیں۔ اس طرح ادب عوام کے زیادہ قریب ہوا اور

اس کی افادیت میں اضافہ ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں سادہ اور مؤثر زبان، حقیقت پسندانہ انداز بیان، مثبت فکر اور مقصدی ادب کو فروغ دیا۔ اس کے نتیجے میں اردو شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما اور تنقید سمیت مختلف ادبی اصناف میں نئے موضوعات اور نئے اسالیب سامنے آئے۔ اس تحریک کے اغراض و مقاصد نے اردو ادب کو وسعت، تازگی اور فکری استحکام عطا کیا اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

9.2.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

- الف۔ ادب کو معاشرے سے جوڑنا ب۔ صرف تفریح فراہم کرنا
ج۔ صرف قدیم روایت کو فروغ دینا د۔ صرف داستان نگاری

سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک نے کس طرز فکر کو فروغ دیا؟

- الف۔ حقیقت پسندی ب۔ مبالغہ آرائی
ج۔ داستان گوئی د۔ فرضی واقعات

سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک میں کس طبقے کی زندگی کو اہمیت دی گئی؟

- الف۔ عام انسان ب۔ صرف بادشاہ
ج۔ صرف درباری طبقہ د۔ صرف امرا

سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں کس چیز کو فروغ دیا؟

- الف۔ مقصدیت ب۔ غیر ضروری تکلف
ج۔ پیچیدہ زبان د۔ محض تفریح

سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے ادب کو کس کا ذریعہ قرار دیا؟

- الف۔ سماجی شعور اور اصلاح معاشرہ ب۔ صرف تاریخی معلومات
ج۔ صرف تفریح د۔ صرف داستان نویسی

9.3 ترقی پسند تحریک کی اہمیت

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک مؤثر اور با اثر ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو انسانی زندگی، سماجی شعور اور اصلاح معاشرہ سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس تحریک نے ادیبوں اور شاعروں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ادب صرف جذبات یا تخیل کے اظہار کا نام نہیں بلکہ یہ معاشرے میں مثبت فکر، اخلاقی اقدار، تعلیم، قومی یکجہتی اور انسانی ہمدردی کے فروغ کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ اس نظریے نے اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب میں وسعت پیدا کی اور ادب کو عوامی زندگی سے قریب تر کر دیا۔ ترقی پسند تحریک کی ایک نمایاں اہمیت یہ بھی ہے کہ اس نے عام انسان کی زندگی، اس کی محنت، امیدوں، خوابوں، اخلاقی اقدار اور سماجی کردار کو ادب میں نمایاں مقام عطا کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر ادیبوں نے انسانی وقار، بھائی چارے، مساوات، تعلیم اور معاشرتی بہتری جیسے موضوعات کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں مقصدیت، حقیقت پسندی، انسان دوستی اور قومی شعور کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف، جیسے شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما اور تنقید کو نئے موضوعات اور نئے اسالیب عطا کیے۔ اس تحریک نے ادب کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور اردو زبان و ادب کی فکری و فنی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی لیے ترقی پسند تحریک کو اردو ادب کی تاریخ کی ایک اہم اور مؤثر ادبی تحریک تسلیم کیا جاتا ہے۔

9.3.1 ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصول اور نمایاں خصوصیات

ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصولوں میں انسان دوستی، حقیقت پسندی، مقصدیت، سماجی شعور، قومی یکجہتی، تعلیم کی اہمیت، اخلاقی اقدار اور انسانی مساوات شامل ہیں۔ اس تحریک کے ادیبوں کا یقین تھا کہ ادب کو انسان کی فکری، اخلاقی اور سماجی رہنمائی کرنی چاہیے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی تخلیقات میں ایسے موضوعات کو اہمیت دی جو انسان کی زندگی اور معاشرے کی بہتری سے متعلق تھے۔ ترقی پسند تحریک کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ادب کو عام انسان کی زندگی سے جوڑا اور زبان کو سادہ، رواں اور مؤثر بنایا۔ اس تحریک کے نتیجے میں ادب میں حقیقت پسندانہ انداز بیان، مثبت فکر، انسانی ہمدردی، قومی شعور، اصلاحی جذبہ اور تخلیقی وسعت کو فروغ ملا۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ترقی میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

9.3.2 ترقی پسند تحریک کی ادبی اور سماجی خدمات

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو فکری، ادبی اور سماجی اعتبار سے نئی توانائی عطا کی۔ اس تحریک کے نتیجے میں شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما

اور تنقید میں نئے موضوعات شامل ہوئے اور ادب کو عام انسان کی زندگی، اس کے احساسات، اخلاقی اقدار، تعلیم اور معاشرتی ترقی سے جوڑا گیا۔ اس تحریک نے اردو ادب کو زیادہ بامقصد، مؤثر اور حقیقت سے قریب بنایا۔ سماجی سطح پر ترقی پسند تحریک نے تعلیم، انسانی احترام، باہمی تعاون، قومی یکجہتی، سماجی ہم آہنگی اور اخلاقی اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے ادب کو معاشرے کی مثبت تعمیر کا ذریعہ بنایا اور ادیبوں کو ایسی تخلیقات پیش کرنے کی ترغیب دی جو انسان میں شعور، امید، کردار سازی اور بہتر معاشرتی زندگی کے احساس کو فروغ دیں۔ ”ترقی پسند تحریک“ اردو ادب کی سب سے بڑی منظم تحریک تھی۔ اردو زبان میں جدید شعروادب کا بیشتر ادبی ذخیرہ اسی تحریک کی پیداوار ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو زبان و ادب کی تقریباً تمام اصناف فکری و فنی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ اس تحریک نے شاعری، افسانہ، ناول اور تنقید کو زیادہ متاثر کیا۔ ان اصناف کو ترقی پسند ادبی تحریک کے ہاتھوں ایک قلیل مدت میں وہ عروج حاصل ہوا جو کسی بھی ادبی صنف کو صدیوں میں نصیب ہوا کرتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس اکائی میں آپ ترقی پسند تحریک کے پس منظر سے واقف ہوں گے، ترقی پسند تحریک کے آغاز و ارتقا سے آگاہ ہوں گے۔ ترقی پسند تحریک کے ادبی کارناموں سے واقفیت حاصل کریں گے ساتھ ہی ترقی پسند تحریک کے زوال کے اسباب جاننے کی بھی کوشش کریں گے۔

9.3.3 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے ادب میں _____ کو فروغ دیا۔
- سوال نمبر 2 اس تحریک کی ایک اہم خصوصیت _____ پسندی ہے۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے _____ انسان کی زندگی کو ادب کا موضوع بنایا۔
- سوال نمبر 4 اس تحریک نے اردو ادب میں _____ اور سادہ زبان کو فروغ دیا۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے ادب کو _____ کی مثبت تعمیر کا ذریعہ قرار دیا۔

9.4 عمومی جائزہ

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم اور مؤثر ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو انسانی زندگی، معاشرتی شعور اور اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے یہ تصور عام کیا کہ ادب انسان کے جذبات و احساسات کے اظہار کے ساتھ ساتھ معاشرے کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب کے موضوعات، اسالیب اور فکری جہات میں قابل ذکر وسعت پیدا ہوئی۔ ترقی پسند تحریک نے ادب میں حقیقت پسندی، مقصدیت، انسان دوستی، قومی شعور، تعلیم، محنت، سماجی ہم آہنگی اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیا۔ اس تحریک کے زیر اثر ادیبوں اور شاعروں نے عام انسان کی زندگی، اس کے مسائل، اس کی امیدوں اور اس کی مثبت جدوجہد کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ اس سے اردو ادب زیادہ با مقصد، مؤثر اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات اردو ادب کی مختلف اصناف، خصوصاً شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما اور تنقید میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس تحریک نے زبان کو سادہ، اسلوب کو مؤثر اور اظہار کو حقیقت پسندانہ بنایا۔ ادب میں نئے موضوعات اور نئے فکری زاویے سامنے آئے، جنہوں نے اردو ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ مختصر اُپ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو فکری پختگی، ادبی وسعت، مقصدیت اور سماجی افادیت عطا کی۔ اس کی خدمات اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں اور آج بھی اس کے مثبت اثرات اردو ادب کی مختلف اصناف میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

9.5 فرہنگ

ترقی پسند تحریک	:	مقصدی ادبی تحریک
ترقی	:	آگے بڑھنا
پس منظر	:	سابقہ حالات
اغراض	:	مقاصد
مقاصد	:	اہداف
حقیقت پسندی	:	حقیقی زندگی کی عکاسی
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی انداز

انسان دوستی	:	انسان سے محبت
مساوات	:	برابری
اصلاحِ معاشرہ	:	معاشرے کی بہتری
قومی شعور	:	قومی آگہی
ادبی	:	ادب سے متعلق
فکری	:	ذہنی
سماجی	:	معاشرتی
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
اسلوب	:	اندازِ بیان
شعور	:	آگہی
تعلیم	:	علم حاصل کرنا
اخلاقیات	:	اخلاقی اقدار
ہم آہنگی	:	باہمی موافقت
یکجہتی	:	اتحاد
وقار	:	عزت
افادیت	:	اہمیت
جدوجہد	:	مسلل کوشش
روایت	:	چلی آنے والا طریقہ
ارتقا	:	تدریجی ترقی

تقدید	:	ادبی جائزہ
تحقیق	:	گہرائی سے مطالعہ
افسانہ	:	مختصر نثری کہانی
ناول	:	طویل نثری کہانی
ڈراما	:	مکالماتی ادبی صنف
شاعری	:	موزوں کلام
نثر	:	غیر منظوم تحریر

9.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک کے پس منظر، اغراض و مقاصد اور اہمیت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک کے قیام کے اسباب اور اس کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک کی نمایاں خصوصیات اور ادبی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی اور مقصدیت کو کس طرح فروغ دیا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک کی سماجی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کے کردار پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

9.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک سے کیا مراد ہے؟
- سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک کے قیام کے اسباب بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصول اور نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

سوال نمبر 5 اردو ادب کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کی خدمات واضح کیجیے۔

سوال نمبر 6 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی اور مقصدیت کو کس طرح فروغ دیا؟

سوال نمبر 7 ترقی پسند تحریک کی سماجی اہمیت پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔

سوال نمبر 8 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے کردار کا جائزہ پیش کیجیے۔

9.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

1- الف 2- الف 3- الف

4- الف 5- الف

جوابات سرگرمی 2

1- مقصدیت 2- حقیقت 3- عام

4- حقیقت پسندی 5- معاشرہ

مشقی سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک ہے جس کا مقصد ادب کو انسانی زندگی، معاشرتی شعور اور اصلاح معاشرہ سے وابستہ کرنا تھا۔

جواب نمبر 2 ترقی پسند تحریک کے قیام کے اہم اسباب میں بدلتے ہوئے سماجی حالات، تعلیمی بیداری، ادب کو زندگی سے قریب لانے کا احساس اور حقیقت پسندانہ ادب کی ضرورت شامل تھی۔

جواب نمبر 3 ترقی پسند تحریک کے بنیادی مقاصد میں حقیقت پسندی، مقصدیت، انسان دوستی، قومی شعور، اخلاقی اقدار، تعلیم، سماجی ہم آہنگی اور ادب کو عوامی زندگی سے جوڑنا شامل تھا۔

جواب نمبر 4 اس تحریک کے بنیادی اصول انسان دوستی، حقیقت پسندی، مقصدیت، مساوات، سماجی شعور، اخلاقی اقدار اور عوامی زندگی کی

ترجمانی ہیں، جبکہ اس کی نمایاں خصوصیات سادہ زبان، مؤثر اسلوب اور با مقصد ادب ہیں۔

جواب نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، تحقیق اور تنقید کو نئے موضوعات، حقیقت پسندانہ انداز اور مثبت سماجی فکر سے روشناس کرایا، جس سے اردو ادب کی ترقی میں نمایاں اضافہ ہوا۔

جواب نمبر 6 اس تحریک نے ادب کو حقیقی زندگی، انسانی اقدار، معاشرتی شعور اور اصلاحی فکر سے وابستہ کیا، جس کے نتیجے میں حقیقت پسندی اور مقصدیت کو فروغ ملا۔

جواب نمبر 7 ترقی پسند تحریک نے تعلیم، قومی یکجہتی، انسانی احترام، اخلاقی اقدار اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دے کر معاشرے کی مثبت تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

جواب نمبر 8 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری سمت، وسیع موضوعات، حقیقت پسندانہ اسلوب، سادہ زبان اور معاشرتی افادیت عطا کی، جس کی بدولت اردو ادب مزید با مقصد، مؤثر اور ہمہ گیر بن گیا۔

9.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	: علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	: ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	: مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی

سر سید اور علی گڑھ تحریک	:	پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	:	پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	:	پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	:	مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	:	سید عبداللہ
ما بعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	:	پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	:	پروفیسر ظہور الدین
بمبئی اور ترقی پسند تحریک	:	صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	:	ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر-10 اردو ادب پر ترقی پسند تحریک کے اثرات

10.0 اغراض و مقاصد

10.1 تعارف

10.2 ترقی پسند تحریک کے اثرات

10.2.1 اردو نثر پر ترقی پسند تحریک کے اثرات

10.2.2 اردو شاعری پر ترقی پسند تحریک کے اثرات

10.2.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

10.3 ترقی پسند تحریک اور اردو ادب کا ارتقا

10.3.1 اردو ادب میں فکری اور فنی تبدیلیاں

10.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

10.4 عمومی جائزہ

10.5 فرہنگ

10.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

10.7 مشقی سوالات

10.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

10.9 امدادی کتب

10.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ادب پر ترقی پسند تحریک کے اثرات کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ اس تحریک نے اردو نثر اور شاعری کو کس طرح نئی فکری جہت، نئے موضوعات اور نئے اسالیب سے روشناس کرایا۔ اس سبق کے ذریعے آپ ترقی پسند تحریک کی بدولت اردو ادب میں آنے والی فکری، فنی اور موضوعاتی تبدیلیوں کا بھی مطالعہ کر سکیں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی، مقصدیت، انسان دوستی، سماجی شعور، قومی یکجہتی اور اخلاقی اقدار کو کس طرح فروغ دیا۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ اس تحریک نے افسانہ، ناول، شاعری، ڈراما اور تنقید سمیت مختلف ادبی اصناف کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا۔ اس سبق کا مقصد طلبہ میں اردو ادب کے جدید ارتقا کے حوالے سے علمی شعور پیدا کرنا اور انہیں ترقی پسند تحریک کی ادبی خدمات اور اس کے مثبت اثرات سے روشناس کرانا ہے، تاکہ وہ اردو ادب کی ترقی میں اس تحریک کی اہمیت کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔

10.1 تعارف

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو انسانی زندگی، سماجی شعور اور اخلاقی اقدار سے وابستہ کیا۔ اس تحریک نے ادیبوں اور شاعروں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ادب کو معاشرے کی مثبت تعمیر، انسانی احترام، تعلیم، قومی ہم آہنگی اور اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس سوچ نے اردو ادب کے موضوعات، اسالیب اور فکری جہات میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات اردو نثر اور شاعری دونوں پر یکساں طور پر مرتب ہوئے۔ نثر میں حقیقت پسندانہ اندازِ بیان، سادہ زبان، عام انسان کی زندگی اور سماجی مسائل کو اہمیت ملی، جبکہ شاعری میں انسان دوستی، امید، قومی شعور، اخلاقی اقدار اور زندگی کے حقیقی مسائل کو نمایاں مقام حاصل ہوا۔ اس تحریک نے ادب کو زیادہ مؤثر، بامقصد اور عوامی زندگی سے قریب تر بنادیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو نئی وسعت عطا کی اور تخلیقی اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب فکری اور فنی اعتبار سے مزید مضبوط ہوا اور ادب کی افادیت میں اضافہ ہوا۔ اسی لیے اردو ادب کی تاریخ میں ترقی پسند تحریک کو ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

10.2 ترقی پسند تحریک کے اثرات

انجمن ترقی پسند مصنفین اردو ادب میں ایک تاریخ ساز تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحریک نے اردو ادب کو نئے موڑ سے روشناس

کیا۔ اس نے پرانے ڈھانچے کو توڑ کر نئے خیالات، تصورات اور حقیقتوں پر ادب کی عمارت تعمیر کی۔ جدید تنقید کو جنم دیا اور عام تنقید کی سطح کو بلند کیا۔ افسانے، ناول، ڈرامے اور شاعری میں کئی ادبی تجربے بھی کیے جو صرف مواد، موضوعات اور فکر کی سطح پر ہی نہیں بلکہ ہیئت، تکنیک اور فن کی سطح پر بھی تھے۔ اردو میں آزاد نظم کی مقبولیت اور اس میں موضوع کے تجربے ترقی پسندی کی دین ہے۔ گویا آج کے معتبر ادب کا بیشتر ادبی ذخیرہ ترقی پسند مصنفین کی تحریک کی مرہون منت ہے۔

شاعری: ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو شاعری کئی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی۔ بعض قدیم روایات سے انحراف کیا گیا، کئی نئی روایات ادب میں متعارف ہوئے اور نئے موضوعات و خیالات کو شاعری میں جگہ ملی۔ ترقی پسند شعرا نے اپنی تخلیقات کے ذریعے شاعری کو سنوارا، اس میں تنوع پیدا کیا اور اس کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ اس سے ادب میں وسعت پیدا ہوئی۔ ترقی پسند تحریک کے نمائندہ شعرا میں سردار جعفری، مجاز، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، جوش، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، مخدوم محی الدین، اور جذبی قابل ذکر ہیں۔ سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے سب سے فعال اور نمائندہ شاعر ہیں۔ انہوں نے ترقی پسند تحریک کی ہر محاذ پر حمایت کی اور تحریک کے مخالفین کی تنقید اور اعتراضات کا مدلل اور تشفی بخش جواب دیا۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے مغربی افکار، نظریاتی اور سیاسی انقلابات سے متاثر تھے۔ جب ترقی پسند تحریک کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس انجمن سے وابستہ ہو گئے۔ وہ تحریک کے نہ صرف مخلص سپاہی تھے بلکہ اس تحریک کے چند بڑے شاعروں میں سے ایک تھے۔ انہیں شعری روایات اور اصول سے گہری واقفیت تھی، زبان کی نزاکت، الفاظ کے انتخاب اور انداز بیان کے اسلوب پر انہیں کافی مہارت تھی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں ادبی اصولوں اور شعری خوبیوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ تشبیہات میں ندرت کو ملحوظ بھی رکھا۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ خالص سیاسی ہے۔ سردار جعفری کے متعدد مجموعے شائع ہوئے۔ ان کی نظموں میں وجدان اور تخلیقی عناصر کی کمی ہے۔ ٹوٹا ہوا ستارہ آخری محط، اور ”سالِ نوان کی کامیاب نظمیں ہیں۔ بعد میں طویل نظمیں لکھنے لگے، جن میں الفاظ کی تکرار ہونے لگی۔ ان کی طویل نظمیں ”نئی دنیا کو سلام“ کو بہت شہرت ملی۔

فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک کے سب سے زیادہ سلجھے ہوئے اور سنجیدہ شاعر ہیں۔ ”نقشِ فریادی“، ”دستِ صبا“، ”زنداں نامہ“، ”تہہ سنگ“، ”سرِ وادیِ سینا“، ”شامِ شہرِ یاراں“ اور ”میرے دل میرے مسافر“ قابل ذکر شعری مجموعے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اس تحریک کی حمایت کی۔ فیض کی ابتدائی شاعری خطابِ شاعری تھی، شعریت کم تھی۔ سیاسی لیڈر کے نام ہم تار یک راہوں میں مارے گئے زرد کتے ایسی ہی نظمیں ہیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے رمز و ایما کے پیرائے میں اپنے مخصوص انداز کی شاعری کی۔ ”ہم لوگ“، ”تہائی“، ”صبحِ آزادی“ اور

”دریچہ“ لافانی نظمیں ہیں۔ فیض کی شاعری میں ترقی پسندوں کی گھن گرج شعلہ بیانی، بیجانی اور سیاسی نعروں کی تشہیر نہیں ملتی ہے اور نہ ہی انحطاط کا شکار ہوئی۔ بحیثیت ایک انقلابی شاعر انہوں نے اردو کی بہت سی روایات سے بغاوت کی اور نئی روایات کو رواج دیا۔ ان کی شاعری انقلاب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی شعری روایات اور شعری خوبیوں کے ساتھ وجود میں آئی۔ ان کی نظمیں مثلاً ”مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ“، ”چند روز اور مری جان“ اور ”بول“ وغیرہ انقلابی نظمیں ہیں۔

اسرار الحق مجاز بھی ترقی پسند شاعروں میں خاصی اہمیت کے حامل شاعر ہیں۔ لیکن یہ دوسرے ترقی پسندوں سے مخف ہیں۔ عام شاعروں کی طرح کے کلام میں محض گن گرج خیالی اور رومانی انقلاب نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری حقیقی انقلاب اور سماج کی تلخ حقائق کی عکاس ہے۔ مجاز نے اپنی شاعری کو محض ترقی پسندوں کے نظریے کی تشہیر کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنے شعری ذوق، رومانی مزاج تخیلاتی پرواز اور گہری فکر و آگہی سے اپنی تخلیقات کو دلچسپ، پرکشش اور پراثر بنا دیا۔ ”آوارہ“، ”رات اور ریل“، ”ایک جلاوطن کی واپسی“، ”نوجوان خاتون اور اندھیری رات کا مسافر“، انقلابی نظمیں ہیں۔ آج کی رات کس سے محبت ہے، ایک ”غمگیں یاد“، ”طفلی کا خواب“ ان کی رومانی نظمیں ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے اہم شاعروں میں جاں نثار اختر کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ابتدا میں اختر نے ہلکی پھلکی نظمیں لکھی تھیں لیکن ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر وہ انقلابی نظمیں لکھنے لگے جن میں ”روس کو سلام“، ”گولا“ اور ان کے گیت گاتا ہوں اہم نظمیں ہیں۔ ”ستاروں کی صدا“ اور ”امن نامہ“ ان کی طویل نظمیں ہیں۔ ان کی رباعیات کا ”مجموعہ گھر آگن“ کافی مقبول ہوا۔ ان کی غزلوں کے مجموعے پچھلے پہر ان کی شاعری کا نیا آہنگ پیش کرتا ہے۔

مخدوم محی الدین کا شمار صرف اول کے ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ ملازمت ترک کر کے کیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ طالب علمی ہی میں مارکسزم کا گہرا مطالعہ کر لیا تھا۔ نظریاتی ہم آہنگی کے سبب مخدوم ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ حیدر آباد میں انہوں نے ترقی پسند مصنفین کی شاخ کی بنیاد رکھی۔ وہ انقلابی مزاج رکھنے کے ساتھ رومانی بھی تھے۔ ابتدائی زمانے میں مخدوم نے جو عشقیہ اور رومانی نظمیں لکھیں ان میں ایک عجیب تازگی اور شادابی کا احساس ہوتا ہے۔ ان میں عشق کی سپردگی اور حوصلے کی ملی جلی کیفیتیں بھی ہیں جنہوں نے ایک تیور پیدا کر دیا ہے۔ ”محبت کی چھاؤں“، ”سجدہ نامہ“، ”حبیب“، ”وہ نورس“ اور ”پشیمانی“ وغیرہ اسی کیفیت کے اظہار کی مثالیں ہیں۔ ان نظموں میں جمالیاتی کیف اور انداز بیان کی ندرت ہے۔ ذہنی ارتقا کے ساتھ مخدوم کے موضوعات میں بھی تبدیلی آتی چلی گئی۔ اب وہ انقلابی شاعری کرنے لگے۔ مزدوروں کی زبوحالی، نچلے اور دبے کچلے طبقے اور ان کا استحصال ان کے نظموں کے موضوعات تھے۔ ”آتش کدہ“، ”قمر“ اور ”سپاہی“ ان کی انقلابی نظمیں ہیں۔ ”سرخ سویرا“ اور ”گل تر“ ان کے دو شعری مجموعے ہیں۔

افسانہ: ترقی پسند تحریک کے سب سے گہرے اور واضح نقوش اردو افسانے پر سب سے زیادہ نظر آتے ہیں اور تمام تجربات اس دور میں ہوئے۔ یہ دور اردو افسانے کا دور عروج کہلاتا ہے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل و مصائب کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہیئت اور تکنیک کے تجربوں سے اردو افسانے کے دامن کو وسیع کیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ لکھنے والے کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی، اُپندر ناتھ اشک، بلونت سنگھ عصمت چٹائی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور اور قرۃ العین حیدر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں کرشن چندر کا ایک نمایاں اور معتبر نام ہے۔ وہ ایشیا کے عظیم فن کار ہیں اور ان کو ہندوستان کا گور کی کہا جاتا ہے۔ کرشن چندر پہلے ترقی پسند افسانہ نگار ہیں جنہوں نے پریم چند کی روایات اور انگارے کے باغیانہ شعور کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ حقیقت نگاری کے رجحانات کو اپنی تخلیقات میں شامل کر کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ وہ ایک اجتہادی افسانہ نگار تھے۔ اردو افسانہ میں ان سے زیادہ تجربہ کسی افسانہ نگار نے نہیں کیا ہے۔ کرشن چندر جدید خیالات اور گہرے تجربات کے ساتھ افسانوی ادب میں داخل ہوئے اور اپنے فکر و فن سے اردو کے افسانوی سرمائے کو عالمی ادب کے روبرو لا کھڑا کیا۔ ان کے افسانوں کے موضوع کا دائرہ بہت وسیع ہے، تکنیک میں تنوع ہے اور جیتے جاگتے کردار ہوتے ہیں۔ کرشن چندر نے اپنی ادبی زندگی میں تقریباً 32 افسانوی مجموعے تحریر کیے جن میں 500 سے زائد افسانے ہیں۔ ”زندگی کے موڑ پر“، ”اُن داتا“، ”ہم وحشی ہیں“، ”آدھے گھنٹے کا خدا“ اور ”پشاور ایکسپریس“ کرشن چندر کے نمائندہ افسانے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی کا نام صف اول کے ترقی پسند افسانہ نگاروں میں آتا ہے۔ انہوں نے فکر و فن کے ترقی پسند افسانوی روایت کی نہ صرف تعمیر و تشکیل ہی کی بلکہ اسے نئی سمت و رفتار بھی عطا کیا۔ بیدی کسی ایک رجحان کے دائرے میں مقید نہیں رہے بلکہ ان کے فن کا ارتقا مختلف سمتوں میں ہوا ہے۔ بیدی کو جو بات سب سے ممتاز کرتی ہے وہ موضوع مواد اور طرز کی پیش کش ہے۔ ان کی عظمت کا راز اسی رنگ اور نوع بہ نوع فنکاری میں ہے۔ بیدی کا پہلا افسانوی مجموعہ ”دانہ و دام“ ہے۔ ان کے دیگر افسانوی مجموعے ”گرہن“، ”کوکھ چلی“، ”لمبی لڑکی“، ”اپنے دکھ مجھے دے دو“، ”ہاتھ ہمارے قلم ہوئے“ اور ”ملتی بودھ“ قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سب سے زیادہ متنازع فیہ نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ جنہیں کبھی ترقی پسند اور رجعت پسند کہا گیا تو کبھی جنس پرستی، انحطاط اور فحش نگاری کی بدترین مثال قرار دیا گیا اور کسی نے زندگی کی گونا گوں حقیقتوں کو جرات مندی سے پیش کر دینے والا سچا فنکار کہا، ”ٹھنڈا گوشت“، ”دھواں“، ”کالی شلوار“، ”کھول دو“، ”اوپر نیچے درمیان“ اور ”بُو“ جیسے افسانے لکھنے کے جرم میں منٹو پر کئی بار مقدمے چلائے گئے اور انہوں نے عدالتوں میں حاضری دی اور ان پر جرمانہ بھی لگایا گیا۔ منٹو کی مخالفت

زیادہ اور موافقت کم ہوئی ہے۔

منٹو کے افسانوی مجموعوں میں ”دھواں“، ”لذت سنگ“، ”منٹو کے افسانے“، ”نمرود کی خدائی“، ”خالی ڈبے“، ”خالی بوتلیں“، ”ٹھنڈا گوشت“، ”سیاہ حاشیے“، ”یزید“، ”بادشاہت کا خاتمہ“ اور ”سٹرک کے کنارے“ وغیرہ اہم افسانے میں منٹو کے افسانوں کی اہم خصوصیت ان کے کرداروں کی انفرادیت ہے۔ انہوں نے اردو افسانے کو جیتے جاگتے اور نمائندہ کردار دیئے ہیں۔ بابو گوپی ناتھ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، محمد بھائی، موزیل جاکلی تلی، کاتب، نیلم اور حافظ منظور وغیرہ کردار موجودہ دور کے تضادوں کے حامل ہیں۔ منٹو نے اپنی نثر میں فن کارانہ اختصار سے کام لیا ہے۔ ان کے یہاں ایک جملہ تو کیا ایک لفظ بھی فاضل نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر میں بلا کی روانی ہے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سب سے نمایاں نام عصمت چغتائی کا ہے۔ خواتین افسانہ نگاروں میں وہ بلاشبہ صنف اول کی افسانہ نگار ہیں۔ مغربی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ برنارڈ شا سے بے حد متاثر تھیں۔ ان کا ڈراما ”فسادی“ اسی اثر کا نتیجہ ہے۔ بعد میں رشید جہاں کی شخصیت اور فن سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ان کی ابتدائی کہانیوں کی ہیروئن میں انگاروں والی رشید جہاں کا پرتو نظر آنے لگا۔ حق گوئی اور بے باکی میں بھی عصمت نے کسی حد تک انہی سے کسب فیض کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں نفسیاتی اور جنسی مسائل کی پیش کش اسی ادبی وابستگی و دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ منٹو کی طرح بے باک حقیقت نگار مشہور ہوئیں اور انتہائی اعتماد اور حوصلے کے ساتھ ان کا قلم ساری زندگی سماجی حقیقتوں کو بیان کرتا رہا۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں ”کلیاں“، ”ایک بات چوٹیں“، ”دو ہاتھ“، ”چھوٹی موتی“، ”بدن کی خوشبو“ اور ”لحاف“ قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں احمد ندیم قاسمی کا بھی ایک معتبر نام ہے۔ ان کی شناخت ایک شاعر مدیر اور کالم نگار کی بھی ہے۔ قاسمی نے افسانہ نگاری کی ابتدا 1936 میں بد نصیب بت تراش سے کی تھی۔ اس کے بعد قاسمی نے تو اتر سے لکھا، مسلسل لکھا اور اچھا لکھا۔ انہوں نے دیہاتی اور شہری دونوں زندگی کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ قاسمی نے پریم چند کے بعد دیہاتی زندگی کو بڑی گہرائی اور گیرائی اور مشاہدات و تجربات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے اب تک سولہ افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے تقسیم وطن اور فرقہ وارانہ فسادات پر بھی افسانہ لکھے ہیں۔ ”میں انسان ہوں“، ”سناٹا“، ”نمک حلال“، ”ارتقا“، ”الحمد للہ“، ”افق کفارہ“، ”مخبر“، ”سب بھرائی“ اور ”کفن دفن“ وغیرہ یہ سب افسانے فنی اعتبار سے بہترین افسانے ہیں۔ حیات اللہ انصاری ان چند ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سے ہیں، جنہوں نے تھوڑا بہت لکھا اور اردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں اپنا نام رقم کر لیا۔ ادبی زندگی کے ساتھ ساتھ صحافتی اور سیاسی زندگی بھی گزاری۔ ادبی سفر کا آغاز ”بڑھا سود خوار“ سے ہوا۔ ان کے صرف تین افسانوی مجموعے ”انوکھی“، ”مصیبت بھرے بازار میں“ اور ”شکستہ کنگورے“ منظر عام پر آئے۔ ان کی یہ

ادبی کاوشیں ان کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور ادبی حیثیت کو جانچنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے افسانوں کا موضوع سماجی زندگی کے گونا گوں مسائل ہیں۔ جن پر انہوں نے منفرد زاویہ نظر کے تحت روشنی ڈالی ہے۔ حیات اللہ انصاری نے بے شمار اچھے افسانے لکھے۔ ان کا ایک لازوال افسانہ آخری کوشش ہے۔ جس نے کافی شہرت پائی۔ اور بہت سے ناقدین آج بھی انہیں اسی افسانے سے یاد کرتے ہیں۔ ان ترقی پسند افسانہ نگاروں کے علاوہ خواجہ احمد عباس، عزیز احمد، سہیل عظیم آبادی، اختر انصاری، خواتین افسانہ نگاروں میں قرۃ العین حیدر، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور وغیرہ نے اپنے فکر و فن کے ذریعہ ترقی پسند افسانے کو وسعت بھی دی اور اردو افسانے کے خزانے میں بیش بہا اضافہ بھی کیا۔

ناول: ترقی پسندوں نے ناول اس درجے کے نہیں لکھے جس معیار کی شاعری یا افسانے لکھیں۔ ترقی پسند تحریک، ”امراؤ جان ادا“ یا ”گودان“ جیسے بڑے ناول پیش نہ کر سکی۔ ترقی پسند ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت منٹو، بیدی، احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری کے نمایاں نام ہیں۔ ترقی پسند ناول کا نقش اول سجاد ظہیر کا ”لندن کی ایک رات“ (1938) ہے۔ اس ناول میں ان ہندوستانی طلباء کی دلی وجہ باقی کشمکش کی عکاسی کی گئی ہے جو برطانوی حکومت کے دور میں بغرض تعلیم لندن جاتے تھے۔ سجاد ظہیر نے مختلف کرداروں کے ذریعہ ہندوستان کے متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی عکاسی کی ہے اور اس دور کے سیاسی و تہذیبی مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ لندن کی ایک رات تکنیک اور اسلوب بیان کے لحاظ سے ایک کامیاب تجربہ ہے جو جدید اردو ناول نگاری میں ایک نئی راہ متعین کرتا ہے۔ اس ناول میں اپنے زمانے کے مروجہ ناول نگاری کے اصولوں سے انحراف کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ اور پہلی بار تکنیک شعور کی روکا استعمال ہوا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ناول موضوع، مواد، کردار، اسلوب اور اپنی منفرد تکنیک کی وجہ سے اردو ناول نگاری کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ترقی پسندوں میں کرشن چندر بسیار نو پس ناول نگار ہیں۔ انہوں نے تقریباً 47 ناول لکھے ہیں۔ ان میں ”شکست“، ”جب کھیت جاگے“، ”گدھے کی سرگزشت“ اور ”غدار“ کرشن چندر کے نمائندہ ناولوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ناول ”شکست“ میں کرشن چندر نے برہمنی سماج کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ معاشی اور طبقاتی نظام میں محبت کی ناکامی اس ناول کا موضوع ہے۔ کرشن چندر نے اس ناول میں معاشی کشمکش، فرسودہ رسوم و عقائد اور ذات پات کے بندھنوں کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ ناول ”جب کھیت جاگے“ تلنگانہ تحریک سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس میں جاگیردارانہ نظم کے خلف آواز اٹھائی گئی ہے۔ یہ اشتراکی حقیقت پر مشتمل اردو کا پہلا ناول ہے۔ ”گدھے کی سرگزشت“ یہ طنزیہ ناول ہے۔ جس میں ایک گدھے کو انسانی صفات اور قوت گویائی دے دی گئی ہے۔ ناول ”غدار“ تقسیم ہند کے موضوع پر ہے۔ کرشن چندر کے ناولوں کی افادیت ان کی منظر نگاری، جزئیات نگاری اور اسلوب بیان ہے۔

ترقی پسند ناول نگاروں میں ایک اہم نام عزیز احمد کا بھی ہے۔ انہوں نے اردو ناول کو نئے شعور اور امکانات سے روشناس کیا۔ ان کے دو ناول ”ہوس“ اور ”مرمر اور خون“ ان کے ابتدائی ناول ہیں۔ ”گریز“، ”ایسی بلندی ایسی پستی“ اور ”شبِ نیم“ ان کے نمائندہ ناول ہیں۔ عزیز احمد کو کردار نگاری، منظر نگاری اور جزئیات نگاری کا بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں شعور کی رو، ڈائری، سفر نامہ اور مکتوب نگاری جیسی تکنیک کے تجربات کیے۔ جنسی موضوعات پر بڑی بے باکی سے اظہار خیال کیا۔ گریز ایک اہم ناول ہے۔ عزیز احمد نے اس ناول میں یورپ کی زندگی اور وہاں کا اخلاقی و تہذیبی انحطاط اور ہندوستان کے بے بس متوسط طبقے کی ذہنیت کی بہت خوبصورت عکاسی کی ہے۔ ایسی بلندی ایسی پستی میں انہوں نے حیدر آباد کے زوال پذیر جاگیردارانہ نظام کی تصویر کشی کی ہے۔ ناول ”شبِ نیم“ میں یونیورسٹی کے پروفیسروں کی زندگی اور ان کی اخلاقی کمزوریوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عصمت چغتائی ترقی پسند تحریک کی نامور ناول نگار ہیں۔ وہ بے باکانہ انداز بیان نئی زبان اور نئے اسلوب کے لیے جانی جاتی ہیں۔ خاص طور پر نسوانی کردار ان کے ناولوں کے موضوع ہوتے ہیں۔ عصمت کے نمائندہ ناول ”ضدی“، ”ٹپڑھی لکیر“، ”معصومہ“، ”سودائی“، ”ایک قطرہ خون“ منظر عام پر آئے۔ ان کے تین ناولٹ ”اناڑی“، ”نقلی راجکمار“ اور ”دل کی دنیا“ اہم ہیں۔ ”ضدی“ خالص جذباتیت اور رومانی و فوری کی پیداوار ہے اور فلم کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ عصمت کے بیشتر ناول سماجی اور حقیقت نگاری کی بہترین مثال قرار دیے جاسکتے ہیں۔

ترقی پسند ادیبوں میں راجندر سنگھ بیدی کا ایک نمایاں نام ہے۔ ”ایک چادر میلی سی“ ان کا واحد مختصر ناول ہے۔ جو فکری گہرائی، حقیقت نگاری، فنی ہنرمندی، احساسات و جذبات کی تازگی اور گہرے مشاہدے کی وجہ سے اردو ناول کی تاریخ میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ بیدی نے سماج کے فرسودہ رسم و رواج توہمات، عقائد اور اس کے مضر اثرات کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ بیدی کو کرداروں کی نفسیات، ان کے جذبات کا مکمل شعور ہے اور تکنیک میں سب سے نمایاں ان کے کرداروں کی زبان ہے جو بالکل حقیقی اور اپنے ماحول سے مانوس ہوتی ہے۔ جیلانی بانو خاتون ترقی پسند ناول نگاروں میں ایک اہم نام ہے۔ ان کے دو ناول ”ایوان غزل“ اور ”بارش سنگ ہیں“۔ ”ایوان غزل“ میں حیدر آباد کے تہذیبی اور معاشرتی سقوط کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔ ناول ”بارش سنگ“ اس میں جیلانی نے نظام کی حکومت کا آخری زمانہ تلنگا تحریک اور پھر ہندوستان کی آزادی کے حالات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ جس میں اس زمانے کی ریاست کے عوام، مزدور، کسان اور نچلے طبقے کے افراد کے نقوش بہ تمام کمال سامنے آ گئے ہیں۔

ترقی پسند فکشن نگاروں میں جوگندر پال اور حیات اللہ انصاری بھی اہم نام ہیں۔ جوگندر پال کے تین ناول ”ایک بوند لہو کی“، ”نادیہ“

اور ”خوبرو“ بہت مشہور ہوئے۔ انہوں نے ”بیانات“ اور ”آمدورفت“ کے نام سے ناولٹ بھی سپرد قلم کئے ہیں۔ حیات اللہ انصاری کا ناول ”لہو کے پھول“ 2608 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں 1911 سے 1950 تک سماجی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

تنقید: ترقی پسند ادبی تحریک نے اردو ادب میں ایک نئے دور کا آغاز کیا جسے تنقید کا دور کہہ سکتے ہیں۔ اس تحریک کا اردو تنقید پرزبردست اثر پڑا اور اس کے تحت اشتراکی و مارکسی خیالات اور سائنسی عقل پسندی اور حقیقت نگاری کے رجحانات کو تنقید میں جگہ ملی، ان نظریات سے اردو نقادوں کا ایک بہت بڑا حلقہ متاثر ہوا۔ ان میں اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، احتشام حسین علی سردار جعفری، ممتاز حسین، عزیز احمد، اختر انصاری اور ظ انصاری، عبادت بریلوی، محمد حسن، وقار عظیم، اختر اور بیوی، سید محمد عقیل رضوی، شارب ردولوی، قمر رئیس اور اسلوب احمد انصاری کے نام قابل ذکر ہیں۔

اختر حسین رائے پوری ترقی پسند تحریک کے پہلے باضابطہ تنقید نگار ہیں۔ ان کا مضمون ”ادب اور زندگی“ 1935 میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت سے ادبی حلقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ یہ مضمون ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعے ”ادب اور انقلاب“ میں شامل ہے۔ جسے اردو میں ترقی پسند تنقید کا نقش اول کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون کے ذریعہ اپنے وقت کے تاریخی تقاضوں کے پیش نظر ادب میں ایک نئی فکری جہت کی نشاندہی کی اور وہ جہت تھی زندگی کے سماجی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ادب و فن کو پرکھنے کی کوشش۔

سجاد ظہیر ہندوستان کے ان چند دانشوروں اور ادیبوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اردو زبان میں ترقی پسند ادبی تحریک کی بنیاد رکھی۔ ایک طرف انھوں نے ہمارے ملک میں ہم خیال لوگوں کو جمع کر کے تحریک کو منظم اور مستحکم کیا تو دوسری طرف اپنی تحریروں کے ذریعہ ادب و تنقید کے ترقی پسند نقطہ نظر کو عام کیا۔ نظریاتی تنقید کے سلسلے میں ان کی باقاعدہ کوئی تصنیف نہیں ہے لیکن ان کے تنقیدی خیالات و نظریات ہمیں ”روشنائی“، ”ذکر حافظ“ اور ان کے دیگر مضامین میں مل جاتے ہیں۔ وہ مارکس کی جدلیاتی، مادیت پر پورا یقین رکھتے ہیں اور ادب کو طبقاتی کشمکش، سماجی حالات، اور فنکار کے ماحول کا آئینہ سمجھتے ہیں۔ ترقی پسند نقادوں میں احتشام حسین بڑی ہی معتبر اور مستند شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے ادب و فن کے مطالعے میں مارکسی اشتراکی نقطہ نظر کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ اردو تنقید کو سائنٹفک طرز حکیمانہ شعور، سنجیدگی اور وقار بخشا ہے۔ ان کے اہم تنقیدی مضامین کے مجموعے تنقیدی جائزے، روایت اور بغاوت، ادب اور سماج تنقید اور عملی تنقیدی ”ذوق ادب“ اور ”شعور“ اہم تصانیف ہیں۔ یہ بھی نظریاتی اور عملی تنقید کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

علی سردار جعفری اردو شعر و ادب میں ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ ترقی پسندوں میں ان کا شمار ذہین اور باصلاحیت ادیبوں، نقادوں

نیز قابل قدر شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ادبی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ادیبوں میں کم لکھنے والے ایسے ہیں جنہوں نے شاعری، تنقید، افسانہ، ڈرامہ، ترجمہ اور صحافت جیسی مختلف و متنوع اصناف میں طبع آزمائی کی ہو۔ ان کی اہمیت نقاد سے زیادہ ترقی پسند تحریک کے مورخ کی ہے۔ ان کی کتاب "ترقی پسند ادب انھیں کئی حیثیتوں سے ادبی دنیا میں روشناس کراتی ہے۔ خاص طور پر اردو میں ترقی پسند ادب، تنقید کے بنیادی تصورات، مقاصد اور موقف کی وضاحت کے سلسلے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جن میں انھوں نے نہایت ہی تفصیل اور وضاحت سے اپنے ترقی پسند تصورات و نظریات کو مارکسی و اشتراکی طرز فکر کی بنیاد پر پیش کیا ہے اور انھیں کی روشنی میں اردو شعر و ادب کا جائزہ لیا ہے۔ ممتاز حسین کا شمار اردو کے ایک ممتاز ترقی پسند نقادوں میں ہوتا ہے۔ ان کے ادبی نظریات سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کے ادبی مرتبے، ان کی بیش بہا علمی و ادبی خدمات اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ممتاز حسین اردو کے ان چند نقادوں میں سے ہیں جنہوں نے ترقی پسند تنقید پر سنجیدگی سے غور و فکر ملتا، ادب و تنقید کے بنیادی مسائل پر بطور خاص توجہ دی، ان کے متعلق منطقی استدلال علمی گہرائی و گیرائی اور فلسفیانہ بصیرت کے ساتھ غور و فکر کر کے اپنے تنقیدی نظریات و تصورات پیش کیے۔ ان کے انداز بیان میں ایک عالمانہ اور حکیمانہ طرز فکر ملتا ہے۔ وہ مغربی اور مشرقی ادبیات سے یکساں طور پر مستفیض ہوئے ہیں۔ ان سب نے ان کے یہاں غیر معمولی غور و فکر کی صلاحیت، قوت، استدلال، وسعت نظری اور فلسفیانہ بصیرت پیدا کر دی ہے۔ جس سے ترقی پسند تنقید کو ایک نیا شعور اور ایک نیا موڑ ملا۔

ترقی پسندوں میں محمد حسن سب سے اہم نقاد شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک مارکسی نقاد کی حیثیت سے تنقید نگاری کی ابتداء کی لیکن نئے علوم اور اثرات کے تحت انھوں نے اردو تنقید کا مطالعہ کیا ہے اور احتشام حسین کی روایت کو آگے بڑھا کر ترقی پسند نظریہ تنقید کو ایک نئی جہت اور ایک نئی سمت عطا کی ہے۔ محمد حسن نے نظریاتی اور عملی تنقید پر بہت سے مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔ وہ اپنی تنقید میں ادب، زندگی، سماج، ماحول یا زمانے کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے اور نہ کسی فن پارے کے اچھے یا خراب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ جمالیاتی و فنی اقدار کو اہمیت دیتے ہیں۔ محمد حسن کی تصانیف میں ”ادبی تنقید“، ”شعر نو“، ”اردو ادب میں رومانوی تحریک“، ”دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر“، ”جدید اردو ادب“، ”عرض ہنر“، ”ادبی سماجیات“، ”شنا سچہرے“، ”قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ“، ”معاصر ادب کے پیش رو“، ”مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ“ اور ”طرز خیال“ وغیرہ اہم ہیں۔

اس کے علاوہ محمد عقیل رضوی، قمر رئیس اور اسلوب احمد انصاری وغیرہ ناقدین نے بہت ہی اہم تنقیدی کارنامے یا دگار چھوڑے ہیں۔

عرض ترقی پسند تحریک کے تنقید کی ایک عظیم الشان روایت کی داغ بیل ڈالی جو ہر دور میں اردو ادب کے لئے ہر مند ثابت ہوگی۔

ترقی پسند تحریک کے زوال کے اسباب:-

1949 میں بھیمڑی کی پانچویں کل ہند کانفرنس میں اس تحریک نے ایک نیا منشور جاری کیا تھا جس میں ادیبوں کو آزادی سلب کرنے اور اسے ایک مخصوص فکر اپنانے اور ایک متعین اسلوب میں شاعری کرنے کا فرمان جاری کیا گیا اور ترقی پسند تحریک کو پارٹی کا ایک آلہ کار بنادیا گیا۔ تحریک کے ان نئے اصولوں اور بے جا تنقید نے ادیب و شاعر کو بدظن کر دیا۔ بعض ترقی پسند ادیبوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ بہت سے لوگوں نے لکھنا کم کر دیا۔ بعض نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی اور کئی ایسے بھی ہوئے جو تحریک کے مخالف ہو گئے۔ بالآخر 1956 کی کل ہند اردو کانفرنس، حیدرآباد میں سجاد ظہیر نے یہ کہتے ہوئے اس تحریک کے خاتمہ کا اعلان کر دیا کہ ”برایا بھلا جو بھی کام کرنا تھا انجمن کر چکی ہے اب اس تنظیم پر توجہ دینے کے بجائے ایک کل ہند اردو ادیبوں کی انجمن بنائی جائے۔“

10.2.1 اردو نثر پر ترقی پسند تحریک کے اثرات

ترقی پسند تحریک نے اردو نثر کو نئی فکر، نئے موضوعات اور حقیقت پسندانہ اندازِ اظہار سے آشنا کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر نثر نگاروں نے عام انسان کی زندگی، معاشرتی اقدار، تعلیم، اخلاق، قومی شعور اور انسانی ہمدردی جیسے موضوعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں اردو نثر میں مقصدیت، سادگی، روانی اور فکری گہرائی پیدا ہوئی، جس سے نثر عام قاری کے لیے زیادہ مؤثر اور قابلِ فہم بن گئی۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات سے افسانہ، ناول، ڈراما، مضمون نگاری، تحقیق اور تنقید جیسی نثری اصناف نے نمایاں ترقی کی۔ ادیبوں نے اپنے عہد کے حالات، انسانی رشتوں، سماجی اقدار اور مثبت معاشرتی تبدیلیوں کو مؤثر انداز میں پیش کیا۔ زبان میں سادگی، اسلوب میں روانی اور بیان میں حقیقت پسندی نے اردو نثر کو نئی توانائی عطا کی۔ اس تحریک نے اردو نثر کو صرف ادبی اظہار کا ذریعہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے شعور، تعلیم، اخلاقی تربیت اور معاشرتی ہم آہنگی کا ایک مؤثر وسیلہ بھی بنایا۔ یہی خصوصیات ترقی پسند تحریک کے اردو نثر پر گہرے اور دیرپا اثرات کی واضح مثال ہیں۔

10.2.2 اردو شاعری پر ترقی پسند تحریک کے اثرات

ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو نئی فکری وسعت، مقصدیت اور حقیقت پسندانہ اندازِ فکر عطا کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر شاعروں نے انسانی زندگی، قومی شعور، اخلاقی اقدار، تعلیم، محنت، انسان دوستی اور معاشرتی ہم آہنگی جیسے موضوعات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں شاعری محض جذبات کے اظہار تک محدود نہ رہی بلکہ انسان کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کا ایک مؤثر ذریعہ بھی بن گئی۔

ترقی پسند تحریک نے اردو نظم اور غزل دونوں کو متاثر کیا۔ نظم میں زندگی کے حقیقی مسائل، انسانی احساسات، امید، حوصلہ، قومی یکجہتی اور سماجی شعور کو نمایاں مقام ملا، جبکہ غزل میں بھی فکری وسعت، سادگی، حقیقت پسندی اور انسانی اقدار کی ترجمانی کو فروغ حاصل ہوا۔ اس تحریک کے زیر اثر شاعری میں زبان نسبتاً زیادہ سادہ، رواں اور عام فہم ہوئی، جس سے اس کی اثر آفرینی میں اضافہ ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں مثبت فکر، امید، انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ دیا۔ اس تحریک کے باعث شاعری میں نئے موضوعات، تازہ اسالیب اور مؤثر اندازِ اظہار سامنے آئے، جنہوں نے اردو شاعری کو فکری اور فنی اعتبار سے مزید مضبوط بنایا۔ اسی لیے ترقی پسند تحریک کے اثرات اردو شاعری کی ترقی میں نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں۔

10.2.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے اردو نثر میں کس چیز کو فروغ دیا؟

الف۔ حقیقت پسندی ب۔ داستان گوئی

ج۔ مبالغہ آرائی د۔ غیر ضروری تکلف

سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو شاعری میں کس جذبے کو فروغ ملا؟

الف۔ انسان دوستی ب۔ صرف عشقیہ مضامین

ج۔ صرف قصیدہ نگاری د۔ صرف داستانی عناصر

سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں کس زبان کو فروغ دیا؟

الف۔ سادہ اور رواں زبان ب۔ پیچیدہ زبان

ج۔ مشکل اور غیر مانوس زبان د۔ صرف کلاسیکی زبان

سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو کس سے قریب کیا؟

الف۔ انسانی زندگی اور معاشرے سے ب۔ صرف درباری ماحول سے

ج۔ صرف تخیلاتی دنیا سے د۔ صرف تاریخی واقعات سے

سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں کس چیز کو اہمیت دی؟

الف۔ مقصدیت اور سماجی شعور ب۔ صرف مبالغہ

ج۔ صرف حسن بیان د۔ صرف تفریح

10.3 ترقی پسند تحریک اور اردو ادب کا ارتقا

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے ارتقا میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے ادب کو نئی فکری جہت، وسیع موضوعات اور مؤثر اسلوب اظہار سے آشنا کیا۔ ادب کو زندگی کے عملی تقاضوں سے جوڑنے کا رجحان مضبوط ہوا اور ادیبوں نے انسانی کردار، اخلاقی اقدار، تعلیم، قومی یکجہتی اور معاشرتی شعور کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب زیادہ بامقصد، حقیقت پسند اور عوام سے قریب تر ہو گیا۔ ترقی پسند تحریک کے اثر سے اردو ادب کی مختلف اصناف، مثلاً افسانہ، ناول، شاعری، ڈراما، تحقیق اور تنقید میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ ادیبوں نے زبان کو زیادہ سادہ، رواں اور عام فہم بنایا، جبکہ اسلوب بیان میں فکری پختگی، مقصدیت اور اثر آفرینی پیدا ہوئی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو نئی توانائی بخشی اور اس کے ارتقا کی رفتار کو مزید مضبوط کیا۔

10.3.1 اردو ادب میں فکری اور فنی تبدیلیاں

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں فکری اور فنی دونوں سطحوں پر نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ فکری اعتبار سے ادب میں حقیقت پسندی، انسان دوستی، تعلیم، قومی شعور، اخلاقی اقدار، سماجی ہم آہنگی اور مثبت فکر کو فروغ ملا۔ ادیبوں اور شاعروں نے ایسے موضوعات اختیار کیے جو انسانی زندگی، معاشرے کی بہتری اور قومی ترقی سے متعلق تھے، جس سے اردو ادب کی فکری وسعت میں اضافہ ہوا۔ فنی اعتبار سے اردو ادب کی زبان زیادہ سادہ، شائستہ اور مؤثر ہوئی۔ اسلوب بیان میں روانی، سادگی اور مقصدیت پیدا ہوئی، جبکہ مختلف ادبی اصناف میں اظہار کے نئے انداز سامنے آئے۔ افسانہ، ناول، نظم، غزل، ڈراما، تحقیق اور تنقید نے ترقی کی نئی منزلیں طے کیں۔ ان تبدیلیوں نے اردو ادب کو زیادہ جامع، مؤثر اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنا دیا۔

10.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں _____ اور مقصدیت کو فروغ دیا۔
- سوال نمبر 2 اس تحریک کے زیر اثر اردو ادب کی _____ میں نمایاں ترقی ہوئی۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے زبان کو زیادہ _____ اور عام فہم بنایا۔
- سوال نمبر 4 اس تحریک نے ادب کو _____ کی زندگی سے قریب کیا۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے _____ میں اہم کردار ادا کیا۔

10.4 عمومی جائزہ

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک مؤثر اور ہمہ گیر ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو انسانی زندگی، سماجی شعور اور اخلاقی اقدار سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس تحریک نے اردو نثر اور شاعری دونوں کو نئی فکری وسعت، حقیقت پسندانہ اندازِ فکر اور مقصدیت عطا کی۔ اس کے نتیجے میں ادب عام انسان کی زندگی، اس کے احساسات، اس کی امیدوں اور معاشرتی زندگی کی مثبت اقدار کا مؤثر ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو ادب کی مختلف اصناف، جیسے افسانہ، ناول، ڈراما، شاعری، تحقیق اور تنقید نے نمایاں ترقی کی۔ زبان زیادہ سادہ، رواں اور عام فہم ہوئی، جبکہ اسلوبِ بیان میں مؤثریت، حقیقت پسندی اور فکری گہرائی پیدا ہوئی۔ اس تحریک نے ادیبوں کو ایسے موضوعات اختیار کرنے کی ترغیب دی جو معاشرے کی تعمیر، تعلیم، انسانی وقار، قومی یکجہتی اور اخلاقی شعور سے متعلق تھے۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں تخلیقی اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے اور مختلف اصناف کو وسعت بخشی۔ اس تحریک کی بدولت اردو ادب میں انسان دوستی، مثبت فکر، سماجی ہم آہنگی، قومی شعور اور اخلاقی اقدار کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ اس کے اثرات بعد کے ادبی رجحانات میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

مختصر اُپہ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری سمت، ادبی وقار، تخلیقی تازگی اور سماجی افادیت عطا کی۔ اسی لیے اردو ادب کی تاریخ میں اس تحریک کو ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

10.5 فرہنگ

ترقی پسند تحریک	:	مقصدی ادبی تحریک
حقیقت پسندی	:	حقیقی زندگی کی عکاسی
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی انداز
انسان دوستی	:	انسان سے محبت
قومی شعور	:	قومی آگہی
اخلاقیات	:	اخلاقی اقدار
سماجی شعور	:	معاشرتی آگہی
ہم آہنگی	:	باہمی موافقت
یکجہتی	:	اتحاد
وقار	:	عزت
ارتقا	:	تدریجی ترقی
فکری	:	ذہنی
فنی	:	فن سے متعلق
ادبی	:	ادب سے متعلق
اسلوب	:	اندازِ بیان
تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
تحقیق	:	گہرائی سے مطالعہ

تقید	:	ادبی جائزہ
افسانہ	:	مختصر نثری کہانی
ناول	:	طویل نثری کہانی
غزل	:	اردو شاعری کی معروف صنف
اظہار	:	بیان
جدت	:	نیا پن
وسعت	:	پھیلاؤ
سادگی	:	آسانی
روانی	:	بہاؤ
اثر آفرینی	:	مؤثر انداز

10.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب پر ترقی پسند تحریک کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 2 اردو نثر اور اردو شاعری پر ترقی پسند تحریک کے اثرات کو مثالوں کے ساتھ بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں آنے والی فکری اور فنی تبدیلیوں پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو کس طرح متاثر کیا؟
- سوال نمبر 6 اردو ادب کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کی اہمیت اور اس کے اثرات پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔

10.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک کے اردو نثر پر اثرات بیان کیجیے۔

- سوال نمبر 2 ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو کس طرح متاثر کیا؟
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک اور اردو ادب کے ارتقا پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں آنے والی فکری تبدیلیاں بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں اردو ادب کی فنی ترقی پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 6 اردو ادب کی مختلف اصناف پر ترقی پسند تحریک کے اثرات واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 7 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو کس طرح حقیقت پسند اور بامقصد بنایا؟
- سوال نمبر 8 اردو ادب کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کی مجموعی اہمیت بیان کیجیے۔

10.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

1۔ الف 2۔ الف

3۔ الف 4۔ الف

5۔ الف

جوابات سرگرمی 2

1۔ حقیقت پسندی 2۔ اصناف

3۔ سادہ 4۔ عام انسان

5۔ ارتقا

مشقی سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے اردو نثر میں حقیقت پسندی، سادگی، مقصدیت، عام انسان کی زندگی کی عکاسی، تحقیق، تنقید، افسانہ اور ناول نگاری کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 2 ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں حقیقت پسندانہ فکر، انسان دوستی، قومی شعور، اخلاقی اقدار، امید، محنت اور معاشرتی ہم آہنگی جیسے موضوعات کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری وسعت، حقیقت پسندانہ اسلوب، بامقصد موضوعات اور تخلیقی تازگی عطا کی، جس سے اردو ادب کے ارتقا میں نمایاں اضافہ ہوا۔

جواب نمبر 4 اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی، انسان دوستی، قومی شعور، اخلاقی اقدار، تعلیم، سماجی ہم آہنگی اور مثبت فکر کو فروغ دیا۔

جواب نمبر 5 ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں زبان زیادہ سادہ اور مؤثر ہوئی، اسلوب میں روانی پیدا ہوئی اور مختلف ادبی اصناف میں اظہار کے نئے انداز سامنے آئے۔

جواب نمبر 6 ترقی پسند تحریک نے افسانہ، ناول، شاعری، ڈراما، تحقیق اور تنقید سمیت اردو ادب کی مختلف اصناف کو نئے موضوعات، حقیقت پسندانہ انداز اور فکری وسعت عطا کی۔

جواب نمبر 7 اس تحریک نے ادب کو عام انسان کی زندگی، اخلاقی اقدار، تعلیم، معاشرتی شعور اور مثبت سماجی فکر سے وابستہ کیا، جس کے نتیجے میں اردو ادب زیادہ حقیقت پسند اور بامقصد بن گیا۔

جواب نمبر 8 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری سمت، تخلیقی وسعت، ادبی وقار، سماجی افادیت اور مؤثر اسلوب عطا کیا، جس کے باعث اردو ادب کی مختلف اصناف نے نمایاں ترقی حاصل کی۔

10.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	: علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	: ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	: مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی

ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سر سید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر ثریا حسین
سر سید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سر سید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سر سید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بمبئی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 11۔ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات

11.0 اغراض و مقاصد

11.1 تعارف

11.2 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی اہمیت و افادیت۔

11.2.1 اردو نثر اور شاعری کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کا کردار

11.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

11.3 ترقی پسند تحریک کی ادبی اہمیت

11.3.1 اردو ادب میں فکری، فنی اور موضوعاتی خدمات

11.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

11.4 عمومی جائزہ

11.5 فرہنگ

11.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

11.7 مشقی سوالات

11.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

11.9 امدادی کتب

11.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات کو تفصیل سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ اس تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف، زبان، اسلوب، موضوعات اور فکری روایت کی ترقی میں کس طرح اہم کردار ادا کیا۔ اس سبق کے ذریعے آپ ترقی پسند تحریک کی ادبی خدمات اور اردو ادب پر اس کے مثبت اثرات کا جامع مطالعہ بھی کر سکیں گے۔ اس سبق کے مطالعے سے آپ اردو نثر، شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، تحقیق اور تنقید میں ترقی پسند تحریک کی خدمات کا تجزیہ کرنے کے قابل ہوں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی، مقصدیت، انسان دوستی، قومی شعور اور سماجی آگہی کو کس طرح فروغ دیا۔ اس سبق کا مقصد طلبہ میں ترقی پسند تحریک کی ادبی اہمیت سے متعلق صحیح اور متوازن شعور پیدا کرنا ہے تاکہ وہ اردو ادب کی ترقی میں اس تحریک کے کردار کو علمی اور ادبی نقطہ نظر سے بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

11.1 تعارف

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو زندگی، معاشرے اور انسانی اقدار سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس تحریک کے نتیجے میں اردو ادب میں ایسے موضوعات کو فروغ ملا جو عام انسان کی زندگی، اخلاقی اقدار، قومی شعور، تعلیم، باہمی تعاون اور معاشرتی ہم آہنگی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح ادب صرف تخلیقی اظہار کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ فکری اور سماجی رہنمائی کا ایک مؤثر وسیلہ بھی بن گیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو نئی توانائی عطا کی۔ شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، تحقیق اور تنقید میں نئے موضوعات، سادہ زبان، حقیقت پسندانہ اسلوب اور مقصدی اظہار کو فروغ ملا۔ اس تحریک کے باعث اردو ادب کے دائرہ کار میں وسعت پیدا ہوئی اور ادب زیادہ مؤثر، بامقصد اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔ ترقی پسند تحریک کی خدمات اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ اس تحریک نے اردو زبان و ادب کی ترقی، ادبی شعور کی بیداری اور تخلیقی اظہار کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا، جس کے اثرات بعد کی ادبی تحریکات اور رجحانات میں بھی واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

11.2 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی اہمیت و افادیت۔

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی فکری، فنی اور موضوعاتی ترقی میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ اس تحریک نے ادب کو انسانی زندگی

کے حقیقی مسائل، اخلاقی اقدار، تعلیم، قومی شعور، انسان دوستی اور معاشرتی ہم آہنگی سے جوڑ کر اس کی افادیت میں اضافہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں مقصدیت، حقیقت پسندی، سادگی اور مؤثر اظہار کو فروغ ملا، جس سے ادب عام انسان کے زیادہ قریب آ گیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو نئی سمت عطا کی۔ افسانہ، ناول، شاعری، ڈراما، تحقیق اور تنقید میں نئے موضوعات شامل ہوئے اور ادیبوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے انسانی کردار، اخلاقی تربیت، تعلیم، محنت، قومی یکجہتی اور مثبت سماجی اقدار کو نمایاں کیا۔ اس تحریک نے اردو ادب کی تخلیقی وسعت اور فکری پختگی میں نمایاں اضافہ کیا اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنایا۔ ”ترقی پسند تحریک“ اردو ادب کی سب سے بڑی منظم تحریک تھی۔ اردو زبان میں جدید شعروادب کا بیشتر ادبی ذخیرہ اسی تحریک کی پیداوار ہے۔ اس کی پہلی کانفرنس، اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کے ”رفاہ عام“ کلب ہال میں منشی پریم چند کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو سمت و رفتار دینے میں نمایاں کردار انجام دیا۔ اس نے پرانے ڈھانچے کو توڑ کر نئے خیالات، تصورات اور حقیقتوں پر ادب کی عمارت تعمیر کی۔ جدید تنقید کو جنم دیا۔ افسانے، ناول، ڈرامے اور شاعری میں کئی ادبی تجربے بھی کیے جو صرف مواد، موضوعات اور فکری سطح پر ہی نہیں بلکہ ہیئت، تکنیک اور فن کی سطح پر بھی تھے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو شاعری کئی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی۔ بعض قدیم روایات سے انحراف گیا کیا، کئی نئی روایات ادب میں متعارف ہوئیں اور نئے موضوعات و خیالات کو شاعری میں جگہ ملی۔ ترقی پسند تحریک کے نمائندہ شعرا میں سردار جعفری، مجاز، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، جوش، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی، مخدوم محی الدین، اور جذبی قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے سب سے گہرے اور واضح نقوش اردو افسانے پر نظر آتے ہیں، اور تمام تجربات اسی دور میں ہوئے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل و مصائب کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور اردو کو ہیئت کے تجربوں سے مالا مال کیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ لکھنے والے کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، احمد ندیم قاسمی، اور پندرنا تھ، اشک، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، اور جیلانی بانو وغیرہ ہیں۔ لیکن ترقی پسند تحریک میں ناول اس درجے کے نہیں لکھے گئے جس معیار کی شاعری یا افسانہ نگاری کی گئی۔ ترقی پسند ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت منٹو، بیدی، احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری کے نمایاں نام ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے اردو تنقید میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس تحریک نے پہلی بار شعوری طور پر ادب کو زندگی، سماج، ماحول اور زمانے کے پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس تحریک کے تحت اشتراکی و مارکسی خیالات، سائنسی عقل پسندی اور حقیقت نگاری کے رجحانات کو تنقید میں جگہ ملی، ان نظریات سے اردو نقادوں کا ایک بہت بڑا حلقہ متاثر ہوا۔ ان میں اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، احتشام حسین، علی سردار جعفری، ممتاز حسین، عزیز احمد، اختر انصاری اور عبادت بریلوی کے نام قابل ذکر ہیں

11.2.1 اردو نثر اور شاعری کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کا کردار

ترقی پسند تحریک نے اردو نثر اور شاعری دونوں کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نثر میں اس تحریک نے افسانہ، ناول، ڈراما، مضمون نگاری اور تنقید کو نئے موضوعات اور حقیقت پسندانہ اسلوب سے روشناس کرایا۔ ادیبوں نے عام انسان کی زندگی، تعلیم، اخلاقی اقدار، قومی شعور، باہمی تعاون اور معاشرتی ہم آہنگی کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا، جس سے اردو نثر زیادہ بامقصد، مؤثر اور زندگی سے قریب تر ہو گئی۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی اور دیگر افسانہ نگاروں نے اردو افسانے کو نئی فکری وسعت عطا کی۔ ان کی تخلیقات میں انسانی کردار، معاشرتی زندگی، اخلاقی اقدار اور زندگی کی حقیقتوں کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا، جس سے اردو افسانہ فنی اور فکری اعتبار سے مزید مستحکم ہوا۔ اردو شاعری میں بھی ترقی پسند تحریک نے نئی روح پیدا کی۔ شاعروں نے محبت، انسان دوستی، قومی یکجہتی، امید، اخلاقی اقدار اور معاشرتی شعور کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری اور دیگر شعرا نے اردو نظم اور غزل کو نئے موضوعات اور مؤثر اسلوب سے آشنا کیا۔ ان کی شاعری میں انسانی وقار، امید، حوصلہ، امن اور بہتر معاشرے کی خواہش نمایاں نظر آتی ہے۔ ترقی پسند تحریک کی ان خدمات کے نتیجے میں اردو نثر اور شاعری دونوں میں زبان زیادہ سادہ، اسلوب زیادہ مؤثر اور موضوعات زیادہ وسیع ہوئے۔ اس تحریک نے اردو ادب کو نئی فکری تازگی عطا کی اور مختلف ادبی اصناف کو ترقی کی نئی راہوں سے آشنا کیا۔

11.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل معروضی سوالات کے درست جواب منتخب کیجیے۔

سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اردو افسانے کو فروغ دینے والوں میں کون شامل ہیں؟

الف۔ کرشن چندر ب۔ راجندر سنگھ بیدی

ج۔ عصمت چغتائی د۔ مذکورہ بالا تمام

سوال نمبر 2 فیض احمد فیض کا تعلق بنیادی طور پر کس صنفِ ادب سے ہے؟

الف۔ شاعری ب۔ ناول

ج۔ ڈراما د۔ سفر نامہ

سوال نمبر 3

ترقی پسند تحریک نے اردو نثر میں کس چیز کو فروغ دیا؟

- الف۔ حقیقت پسندانہ اسلوب ب۔ صرف داستان گوئی
ج۔ صرف قصیدہ نگاری د۔ مبالغہ آرائی

سوال نمبر 4

ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں کس چیز کو اہمیت دی؟

- الف۔ انسان دوستی اور قومی شعور ب۔ صرف عشقیہ مضامین
ج۔ صرف مدحیہ شاعری د۔ صرف قصیدہ

سوال نمبر 5

ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں اردو ادب کی زبان زیادہ:-

- الف۔ سادہ اور مؤثر ہوئی ب۔ پیچیدہ ہوئی
ج۔ مشکل ہوئی د۔ غیر مانوس ہوئی

11.3 ترقی پسند تحریک کی ادبی اہمیت

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو فکری، فنی اور موضوعاتی اعتبار سے نئی وسعت عطا کی۔ اس تحریک نے ادب کو انسانی زندگی، اخلاقی اقدار، قومی شعور، تعلیم، انسان دوستی اور معاشرتی ترقی سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب محض تفریح یا جذبات کے اظہار تک محدود نہ رہا بلکہ معاشرے کی مثبت رہنمائی اور فکری تربیت کا ایک مؤثر ذریعہ بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کو اردو ادب کی اہم اور بااثر تحریکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندانہ اسلوب، سادہ زبان، واضح اظہار اور مقصدی فکر کو فروغ دیا۔ اس کے زیر اثر شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما، تحقیق اور تنقید جیسی اصناف میں نئے موضوعات سامنے آئے۔ ادیبوں نے انسانی کردار، اخلاقی اقدار، تعلیم، قومی یکجہتی اور باہمی تعاون جیسے موضوعات کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ اس سے اردو ادب کا دائرہ کار وسیع ہوا اور اس کی افادیت میں اضافہ ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے متعدد ممتاز ادیبوں اور شاعروں کو اردو ادب میں نمایاں مقام عطا کیا۔ سجاد ظہیر، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی اور مجنوں گورکھپوری نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو ادب کو فکری گہرائی، ادبی وقار اور تخلیقی وسعت عطا کی۔ ان کی ادبی خدمات آج بھی اردو ادب کے قیمتی سرمائے کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

11.3.1 اردو ادب میں فکری، فنی اور موضوعاتی خدمات

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو فکری، فنی اور موضوعاتی لحاظ سے نمایاں ترقی دی۔ فکری اعتبار سے اس تحریک نے ادب میں انسان دوستی، حقیقت پسندی، قومی شعور، اخلاقی اقدار، تعلیم، باہمی احترام اور معاشرتی ہم آہنگی جیسے تصورات کو مضبوط کیا۔ اس کے نتیجے میں اردو ادب میں مثبت سوچ، اعلیٰ انسانی اقدار اور تعمیری فکر کو فروغ ملا۔ فنی اعتبار سے اس تحریک نے اردو زبان کو زیادہ سادہ، مؤثر اور عام فہم بنایا۔ اسلوب بیان میں روانی، سادگی اور اثر آفرینی پیدا ہوئی، جبکہ افسانہ، ناول، نظم، غزل، ڈراما، تحقیق اور تنقید جیسی اصناف نے نئی ترقی حاصل کی۔ مثال کے طور پر کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی نے اردو افسانے کو، فیض احمد فیض اور علی سردار جعفری نے اردو شاعری کو، جبکہ سجاد ظہیر نے ترقی پسند ادبی فکر کو استحکام بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ موضوعاتی اعتبار سے ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں انسانی زندگی، اخلاقی تربیت، قومی یکجہتی، تعلیم، ثقافت، امن، محبت، امید اور تعمیری سوچ جیسے موضوعات کو فروغ دیا۔ ان خدمات کے باعث اردو ادب زیادہ جامع، مؤثر، بامقصد اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوا۔

11.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

- سوال نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں _____ پسندی کو فروغ دیا۔
- سوال نمبر 2 فیض احمد فیض بنیادی طور پر ایک ممتاز _____ تھے۔
- سوال نمبر 3 کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی نے اردو _____ کو ترقی دی۔
- سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک نے اردو زبان کو زیادہ _____ اور مؤثر بنایا۔
- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو _____ اور موضوعاتی وسعت عطا کی۔

11.4 عمومی جائزہ

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک مؤثر، ہمہ گیر اور بامقصد ادبی تحریک ہے جس نے ادب کو انسانی زندگی، سماجی شعور، اخلاقی اقدار اور

تعمیری فکر سے وابستہ کیا۔ اس تحریک نے اردو ادب کو نئے موضوعات، نئی فکری جہات اور حقیقت پسندانہ اندازِ اظہار عطا کیا، جس کے نتیجے میں ادب عام انسان کی زندگی، اس کے جذبات، احساسات اور معاشرتی اقدار کا مؤثر ترجمان بن کر سامنے آیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو نثر اور شاعری دونوں کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ افسانہ، ناول، ڈراما، نظم، غزل، تحقیق اور تنقید جیسی اصناف میں نئے رجحانات پیدا ہوئے اور زبان زیادہ سادہ، شگفتہ اور عام فہم ہوئی۔ سجاد ظہیر، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری، احمد ندیم قاسمی اور دیگر ادیبوں و شاعروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو ادب کے فکری اور فنی سرمائے میں نمایاں اضافہ کیا۔ ترقی پسند تحریک کی خدمات کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس نے ادب کو زندگی سے قریب کیا اور انسانی وقار، تعلیم، قومی شعور، باہمی احترام، اخلاقی اقدار اور تعمیری فکر کو فروغ دیا۔ اس تحریک نے اردو ادب کو وسعت، گہرائی، مقصدیت اور فکری استحکام عطا کیا، جس کے اثرات بعد کی ادبی تحریکات اور رجحانات میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس، اپریل ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کے رفاہ عام کلب ہال میں منشی پریم چند کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس اردو ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں پیش کیا جانے والا ترقی پسند تحریک کا اعلان نامہ (مینی فیسٹو) اور منشی پریم چند کا خطبہ صدارت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس نے اردو ادب کو سمت و رفتار دینے میں نمایاں کردار انجام دیا۔ ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس دوروزہ ہونا قرار پائی تھی۔ کانفرنس کا آغاز چودھری محمد علی ردو لوی کے استقبالیہ خطبے سے ہوا۔ جس میں انھوں نے ترقی پسند مصنفین کی تحریک کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد منشی پریم چند نے اپنا صدارتی خطبہ نہایت آسان اور سلیس اردو زبان میں پیش کیا۔ انھوں نے اس کا نفرنس میں شریک ہونے والوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے قدیم ادبی سرمایہ پر تنقید کی، جدید ادب کا مقصد واضح کیا، انجمن ترقی پسند ادبی مصنفین کے نام اور اسکے مفہوم پر روشنی ڈالی ادبی جمالیات اور افادیت پر بحث کی اس کانفرنس میں پریم چند کے علاوہ مولانا حسرت موہانی، جے پرکاش نرائن، کملا دیوی چٹوپادھیائے، میاں افتخار الدین، یوسف علی مہر، اندر لال یا جنک اور جتیندر کمار وغیرہ نے شرکت کی تھی۔ اس کے علاوہ بنگال، مہاراشٹر، پنجاب، گجرات، بہار اور جنوبی ہند کے بھی ترقی پسند ادیب شریک ہوئے اور اپنی اپنی زبانوں کے ادب کی صورت حال اور مسائل پر تقاریر کیں۔ الہ آباد، لکھنؤ علی گڑھ اور دوسری جگہوں کے نوجوان ادیب اور شاعر بھی شریک ہوئے۔ ان میں ساغر نظامی، ڈاکٹر عبد العظیم، فراق گورکھپوری، احمد علی اور فیض احمد فیض قابل ذکر ہیں۔ احمد علی محمود الظفر اور فراق گورکھپوری نے مقالے پڑھے اور مختلف لوگوں نے تقریریں کیں۔

ترقی پسند تحریک نے ہندوستان کی تقریباً ساری اہم زبانوں کو متاثر کیا۔ لیکن اس کے سب سے گہرے اور واضح نقوش اردو زبان و ادب پر نظر آتے ہیں اور اس تحریک کے زیر اثر اردو کی تقریباً تمام اصناف ادب فکری و فنی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ بالخصوص اردو افسانے پر سب سے

زیادہ اپنے اثرات مرتب کیے اور تمام تجربات اسی دور میں ہوئے۔ جس کے تحت ترقی پسند ادیبوں نے خارجی زندگی کے مسائل و مصائب کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا اور ہیئت اور تکنیک کے تجربوں سے اردو افسانے کے دامن کو وسیع کیا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ لکھنے والے کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، منٹو، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی، اور پندرنا تھ، اشک، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، باجرہ مسرور، خدیجہ مستورا و قرۃ العین حیدر وغیرہ ہیں۔

انجمن ترقی پسند تحریک کے مقاصد تھے:-

- ۱۔ تمام ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین کی امداد سے مشاورتی جلسے منعقد کر کے لٹریچر شائع کر کے اپنے مقاصد کی تبلیغ کرنا۔
- ۲۔ ترقی پذیر مضامین لکھنے اور ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور رجعت پسند رجحانات کے خلاف جدوجہد کر کے اہل ملک کی آزادی کی کوشش کرنا۔
- ۳۔ ترقی پذیر مصنفین کی مدد کرنا۔
- ۴۔ آزادی رائے اور آزادی خیال کی حفاظت کی کوشش کرنا۔

ادیبوں کو آزادی سلب کرنے اور اسے ایک مخصوص فکر اپنانے اور ایک متعین اسلوب میں شاعری کرنے کا فرمان جاری کیا گیا اور ترقی پسند تحریک کو پارٹی کا ایک آلہ کار بنا دیا گیا جو اس تحریک کے زوال کا سبب بنا۔ تحریک کے ان نئے اصولوں اور بے جا تنقید نے ادیب و شاعر کو بدظن کر دیا۔ بعض ترقی پسند ادیبوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ بہت سے لوگوں نے لکھنا کم کر دیا۔ بعض نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی اور کئی ایسے بھی ہوئے جو تحریک کے مخالف ہو گئے۔ بالآخر 1956 کے کل ہند اردو کانفرنس حیدرآباد میں سجاد ظہیر نے تحریک کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ ترقی پسند تحریک کے متوازی ”حلقہ ارباب ذوق“ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اس نے اردو شعر و ادب میں ایک ایسے رجحان کو فروغ دیا جو جدید ادب یا جدید شاعری سے موسوم ہوئی۔ حلقہ ان صالح فکر، غیر اشتراکی نظریات کے حامل شعراء، ادا با اور فنکاروں کی جماعت تھی جو اشتراکی نظریات کے مخالف تھی۔ حلقہ کے شاعروں کی اصل شناخت ان کی نظم نگاری ہے۔ ان حضرات نے قدیم روایت سے انحراف کرتے ہوئے نظم کے مروجہ تصور میں بھی تبدیلی پیدا کی جو ان کے نظریہ شعر سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، بلکہ اس کا فطری نتیجہ بھی۔ اس سے وابستہ جن شاعروں نے اپنی شناخت قائم کی، ان میں یوں تو تصدق حسین خالد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ن م راشد اور میراجی وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن ان میں نمایاں مقام میراجی اور ان م۔ راشد کو حاصل ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ترقی میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے نہ صرف اردو ادب کے موضوعات اور اسالیب کو وسعت دی بلکہ ادب کو معاشرے کی مثبت تعمیر اور انسانی شعور کی بیداری کا موثر وسیلہ بھی بنایا۔

11.5 فرہنگ

ترقی پسند تحریک	:	ایک مقصدی ادبی تحریک
ترقی	:	آگے بڑھنا
خدمات	:	نمایاں کارنامے
حقیقت پسندی	:	حقیقی زندگی کی عکاسی
مقصدیت	:	مقصد پر مبنی انداز
انسان دوستی	:	انسان سے محبت
ادبی	:	ادب سے متعلق
فکری	:	ذہنی
فنی	:	فن سے متعلق
موضوعاتی	:	موضوع سے متعلق
سماجی شعور	:	معاشرتی آگہی
قومی شعور	:	قومی آگہی
اخلاقیات	:	اخلاقی اقدار
ہم آہنگی	:	باہمی موافقت
یکجہتی	:	اتحاد
اسلوب	:	اندازِ بیان

تخلیق	:	نیا ادبی اظہار
تخلیقی	:	تخلیق سے متعلق
تنقید	:	ادبی جائزہ
تحقیق	:	گہرائی سے مطالعہ
ڈراما	:	مکالماتی صنف
نظم	:	شاعری کی ایک صنف
غزل	:	اردو شاعری کی معروف صنف
روانی	:	آسان بہاؤ
سادگی	:	آسان انداز
اثر آفرینی	:	مؤثر انداز
افادیت	:	اہمیت
ارتقا	:	تدریجی ترقی
وقار	:	عزت اور اہمیت
جمالیت	:	حسن کا شعور

11.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 2 اردو نثر اور شاعری کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کے کردار کو مثالوں کے ساتھ بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 3 ترقی پسند تحریک کی ادبی اہمیت پر جامع مضمون تحریر کیجیے۔
- سوال نمبر 4 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی فکری، فنی اور موضوعاتی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

- سوال نمبر 5 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر 6 سجاد ظہیر، فیض احمد فیض، کرشن چندر اور عصمت چغتائی کی ترقی پسند تحریک میں خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیجیے۔

11.7 مشقی سوالات

- سوال نمبر 1 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 2 اردو نثر کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کے کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر 3 اردو شاعری پر ترقی پسند تحریک کی خدمات واضح کیجیے۔
- سوال نمبر 4 ترقی پسند تحریک کی ادبی اہمیت پر اظہار خیال کیجیے۔
- سوال نمبر 5 اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کی فکری خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر 6 ترقی پسند تحریک کی فنی اور موضوعاتی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر 7 سجاد ظہیر، فیض احمد فیض اور کرشن چندر کی ادبی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر 8 اردو ادب کی ترقی میں ترقی پسند تحریک کی مجموعی اہمیت بیان کیجیے۔

11.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی 1

- 1-د 2-الف
- 3-الف 4-الف
- 5-الف

جوابات سرگرمی 2

- 1-حقیقت 2-شاعر
- 3-افسانے 4-سادہ

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب نمبر 1 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندی، مقصدیت، انسان دوستی، سماجی شعور اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیا۔ اس تحریک نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو نئے موضوعات اور نئی فکری جہت عطا کی۔
- جواب نمبر 2 ترقی پسند تحریک نے اردو نثر کو سادہ، رواں اور حقیقت پسند بنایا۔ افسانہ، ناول، ڈراما، تحقیق اور تنقید کو نئی وسعت ملی اور عام انسان کی زندگی ادب کا اہم موضوع بنی۔
- جواب نمبر 3 ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں انسان دوستی، قومی شعور، امید، اخلاقی اقدار اور حقیقت پسندانہ اظہار کو فروغ دیا۔ نظم اور غزل دونوں میں نئے موضوعات اور مؤثر اسلوب سامنے آئے۔
- جواب نمبر 4 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو زندگی سے قریب کیا، ادب کی افادیت میں اضافہ کیا اور اسے معاشرے کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کا مؤثر ذریعہ بنایا۔
- جواب نمبر 5 اس تحریک نے اردو ادب میں حقیقت پسندانہ فکر، مثبت سماجی شعور، قومی یکجہتی، تعلیم، انسان دوستی اور اخلاقی اقدار کو فروغ دے کر فکری ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔
- جواب نمبر 6 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں سادہ زبان، مؤثر اسلوب، نئے موضوعات اور تخلیقی وسعت پیدا کی۔ افسانہ، ناول، شاعری، ڈراما، تحقیق اور تنقید سبھی اصناف اس سے مستفید ہوئیں۔
- جواب نمبر 7 سجاد ظہیر نے ترقی پسند تحریک کی تنظیم اور فکری رہنمائی میں اہم کردار ادا کیا۔ فیض احمد فیض نے اپنی شاعری کے ذریعے انسان دوستی، امید اور اعلیٰ انسانی اقدار کو فروغ دیا، جبکہ کرشن چندر نے اپنے افسانوں اور ناولوں کے ذریعے اردو نثر کو نئی وسعت اور حقیقت پسندانہ انداز عطا کیا۔
- جواب نمبر 8 ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو فکری استحکام، ادبی وسعت، تخلیقی تازگی اور سماجی افادیت عطا کی۔ اس کی بدولت اردو ادب کی مختلف اصناف نے نمایاں ترقی کی اور ادب زیادہ با مقصد، مؤثر اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔

11.9 امدادی کتب

ترقی پسند ادب	: علی سردار جعفری
ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر	: ڈاکٹر قمر رئیس، عاشور کاظمی
اردو ادب میں تحریکات و رجحانات کا حصہ	: پروفیسر منظر اعظمی
علی گڑھ تحریک نمبر۔ علی گڑھ میگزین	: مرتبہ نسیم قریشی
اردو ادب میں ترقی پسند تحریک	: ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی
ترقی پسند تحریک، جدیدیت، مابعد جدیدیت	: ڈاکٹر ندیم احمد
جدیدیت اور اردو ادب	: مرتبہ آل احمد سرور
جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ	: گوپی چند نارنگ
جدیدیت کی فلسفیانہ اساس	: ڈاکٹر شمیم حنفی
سرسید اور علی گڑھ تحریک	: پروفیسر خلیق احمد نظامی
سرسید احمد خاں اور ان کا عہد	: پروفیسر شریا حسین
سرسید اور ان کے کارنامے	: پروفیسر نور الحسن نقوی
مطالعہ سرسید احمد خاں	: مولوی عبدالحق
سرسید اور ان کے نامور رفقاء	: سید عبداللہ
مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات	: پروفیسر وہاب اشرفی
بیسویں صدی کے اردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات	: پروفیسر ظہور الدین
بہمنی اور ترقی پسند تحریک	: صاحب علی
ترقی پسند تحریک اور اردو ناول	: ڈاکٹر ریاض احمد

سبق نمبر 12۔ حلقہ اربابِ ذوق: ایک تعارف

- 12.0 اغراض و مقاصد
- 12.1 تعارف
- 12.2 حلقہ اربابِ ذوق کا پس منظر اور قیام
- 12.2.1 حلقہ اربابِ ذوق کے اغراض و مقاصد
- 12.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 12.3 حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی خدمات
- 12.3.1 اردو ادب میں حلقہ اربابِ ذوق کی فکری اور فنی خدمات
- 12.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 12.4 عمومی جائزہ
- 12.5 فرہنگ
- 12.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
- 12.7 مشقی سوالات
- 12.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
- 12.9 امدادی کتب۔

12.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ حلقہ اربابِ ذوق کے تاریخی پس منظر، قیام، بنیادی اغراض و مقاصد اور اردو ادب میں اس کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ حلقہ اربابِ ذوق نے اردو ادب کے فکری اور فنی ماحول کو کس طرح متاثر کیا اور اس کے ذریعے کن ادبی رجحانات کو فروغ ملا۔ آپ حلقے سے وابستہ اہم ادیبوں اور شاعروں، خصوصاً ن۔م۔راشد، میراجی اور دیگر اہل قلم کی ادبی خدمات کو بھی سمجھ سکیں گے۔ اس سبق کے ذریعے آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی نشستوں نے تخلیق اور تنقید کے درمیان کس طرح ایک مضبوط تعلق قائم کیا اور جدید اردو شاعری اور نثر کے لیے کس طرح ایک سازگار ماحول پیدا کیا۔

12.1 تعارف

حلقہ اربابِ ذوق اردو ادب کی ان اہم ادبی انجمنوں میں شمار ہوتا ہے جس نے بیسویں صدی کے اردو ادب کے فکری اور فنی ارتقا میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس حلقے کی ادبی نشستوں نے شاعروں، افسانہ نگاروں اور دوسرے اہل قلم کو اپنی تخلیقات پیش کرنے اور ان پر سنجیدہ ادبی گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح حلقہ اربابِ ذوق محض ایک ادبی مجلس نہیں رہا بلکہ اردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی مکالمے کی ایک اہم روایت بن گیا۔ حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز 1939ء میں لاہور میں ہوا۔ اس زمانے میں اردو ادب میں مختلف فکری اور ادبی رجحانات سرگرم تھے۔ 1936ء میں لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس کے بعد ترقی پسند ادبی فکر ایک نمایاں قوت بن چکی تھی۔ ایسے ماحول میں حلقہ اربابِ ذوق کی نشستوں نے تخلیقی اظہار، فنی تجربے اور جمالیاتی شعور کے لیے ایک الگ ادبی فضا فراہم کی۔ اس حلقے سے وابستہ ادیبوں نے ادب میں موضوع کے ساتھ ساتھ ہیئت، زبان، اسلوب اور فنی تشکیل کو بھی اہمیت دی۔ خاص طور پر جدید نظم کے فروغ میں اس ادبی ماحول کا کردار نمایاں رہا۔ ن۔م۔راشد اور میراجی کی شاعری میں نئے فنی تجربات، علامتی اظہار اور داخلی احساسات کی ترجمانی اسی جدید ادبی فضا کی اہم مثالیں ہیں۔

12.2 حلقہ اربابِ ذوق کا پس منظر اور قیام

حلقہ اربابِ ذوق کا آغاز لاہور کے ادبی ماحول میں ہوا۔ اس کی نشستوں میں ابتدا ہی سے تخلیقات پیش کرنے اور ان پر گفتگو کرنے کا سلسلہ رہا۔ اس اعتبار سے اس حلقے کی بنیادی شناخت کسی ایک جامع نظریاتی منشور کے بجائے اس کی ادبی نشست اور تخلیقی مکالمے کی روایت سے

قائم ہوئی۔ 1939ء میں شروع ہونے والی ان نشستوں نے رفتہ رفتہ اردو کے نئے لکھنے والوں اور معروف اہل قلم دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہاں نظم، غزل، افسانہ اور نثر کی مختلف صورتوں پر گفتگو ہوتی تھی۔ تخلیق پیش کرنے کے بعد اس پر اظہار خیال کا مقصد ادیب کی حوصلہ شکنی نہیں بلکہ اس کے فنی پہلوؤں کو سمجھنا اور ادبی معیار کے حوالے سے گفتگو کرنا تھا۔ حلقہ اربابِ ذوق کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی کہ اس نے اردو ادب میں تخلیقی انفرادیت کو اہم مقام دیا۔ ادیب کو اپنے تجربے اور احساس کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کی آزادی حاصل ہوئی۔ یہی فضا بعد میں جدید اردو شاعری اور جدید افسانے کے کئی اہم تجربات کے لیے سازگار ثابت ہوئی۔ اس حلقے سے وابستہ اہم اہل قلم میں ن۔م۔ راشد، میراجی، قیوم نظر، مختار صدیقی اور دوسرے شاعروں اور ادیبوں کے نام آتے ہیں۔ ان میں ن۔م۔ راشد اور میراجی کی خدمات خاص طور پر اردو نظم کے جدید ارتقا کے حوالے سے اہم ہیں۔

12.2.1 حلقہ اربابِ ذوق کے اغراض و مقاصد

حلقہ اربابِ ذوق کا بنیادی مقصد اردو ادب میں تخلیقی صلاحیت اور فنی شعور کو فروغ دینا تھا۔ اس مقصد کے لیے ادبی نشستوں کا اہتمام کیا جاتا جہاں اہل قلم اپنی نئی تخلیقات پیش کرتے اور حاضرین ان پر گفتگو کرتے۔ اس عمل نے ادیبوں کو اپنی تخلیقات کے مختلف پہلوؤں پر دوبارہ غور کرنے اور اپنے فنی اظہار کو بہتر بنانے کا موقع دیا۔ حلقے نے ادبی تنقید اور تخلیقی عمل کے باہمی تعلق کو مضبوط کیا۔ کسی نظم، افسانے یا نثری تخلیق پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے موضوع کے ساتھ اسلوب، زبان، ہیئت، علامت اور فنی ساخت کو بھی زیر بحث لایا جاتا تھا۔ اس طرح تنقید محض خامیوں کی نشان دہی تک محدود نہیں رہی بلکہ تخلیق کی تفہیم کا ذریعہ بنی۔

حلقہ اربابِ ذوق کا ایک اہم مقصد ادبی ذوق کی تربیت بھی تھا۔ مختلف اہل قلم کی تخلیقات سننے اور ان پر گفتگو کرنے سے نئے لکھنے والوں کو ادب کے فنی تقاضوں کو سمجھنے میں مدد ملتی تھی۔ اس ماحول نے ادیبوں میں مطالعے، غور و فکر اور تخلیقی تجربے کی حوصلہ افزائی کی۔ ترقی پسند تحریک کے متوازی ”حلقہ اربابِ ذوق“ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اس نے اردو شعر و ادب میں ایک ایسے رجحان کو فروغ دیا جو جدید ادب یا جدید شاعری سے موسوم ہوئی۔ حلقہ ان صالح فکر، غیر اشتراکی نظریات کے حامل شعراء، ادبا اور فنکاروں کی جماعت تھی جو اشتراکی نظریات کے مخالف تھی۔ حلقے کے شاعروں کی اصل شناخت ان کی نظم نگاری ہے۔ ان حضرات نے قدیم روایت سے انحراف کرتے ہوئے نظم کے مروجہ تصور میں بھی تبدیلی پیدا کی جو ان کے نظریہ شعر سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، بلکہ اس کا فطری نتیجہ بھی۔ اس سے وابستہ جن شاعروں نے اپنی شناخت

قائم کی، ان میں یوں تو تصدق حسین خالد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ن م راشد اور میراجی وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن ان میں نمایاں مقام میراجی اور ان-م-راشد کو حاصل ہے۔

حلقہٴ ارباب ذوق کا ابتدائی نام ”بزم افسانہ گوئیوں“ یا ”بزم داستان گوئیوں“ تھا۔ یہ بزم 29 اپریل 1939 کو شنبہ کے روز قائم ہوئی۔ اس کی صدارت حفیظ ہوشیار پوری نے کی۔ حلقے کے اولین سکریٹری سید نصیر احمد جمعی کے علاوہ دیگر شرکائے اجلاس تابلش صدیقی محمد فاضل، اقبال احمد محمد سعید عبدالغنی اور شیر محمد اختر تھے۔ شروع میں حلقہ کی نشستیں گھر گھر ہوئیں مگر 1944 سے حکومت کی اجازت کے بعد اس کی باقاعدہ نشستیں ہونے لگیں۔ یکم اکتوبر 1939 میں ”بزم داستان گوئیوں“ کا نام تبدیل کر کے حلقہٴ ارباب ذوق رکھ دیا گیا۔ حلقہٴ ارباب ذوق باقاعدہ طور پر کوئی منظم ادارہ نہیں تھا اور نہ ہی اسے شروع کرتے وقت انتظامی اصولوں کے مطابق قواعد و ضوابط بنائے گئے تھے۔ حلقے کی تنظیم مکمل طور سے ایک خالص ادبی تنظیم تھی۔ اس کا مذہب، سیاست، کسی مخصوص ضابطہٴ حیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میراجی کی شمولیت سے حلقے کا رخ شاعری کی طرف ہو گیا۔ انہوں نے اردو نظم میں داخلیت کا رجحان پیدا کیا، آزاد نظم اور معری نظم کو اہمیت دی اور شعر اکونہ صرف نئے اسلوب شعر سے روشناس کرایا بلکہ جدید غزل اور نئی نظم کو فروغ دینے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ حلقہ سے وابستہ میراجی، قیوم نظر، ان-م-راشد، یوسف نظر مختار صدیقی، ضیا جالندھری، مجید امجد، اختر ہوشیار پوری، تابلش دہلوی، بلراج کول، اختر الایمان، سلام مچھلی شہری، شاد عارفی، منیر نیازی، وزیر آغا اور جیلانی کامران وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح حلقہ کے افسانہ نگاروں نے نفسیاتی مطالعے کے ذریعہ اپنے ارگرد موجود کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کیا اور اسے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ انہوں نے کئی شاہکار علامتی اور تجربی افسانے لکھے۔ حلقہٴ ارباب ذوق سے کئی معتبر افسانہ نگار وابستہ تھے۔ ان میں شیر محمد اختر، حسن عسکری منٹوسیم جازی ممتاز مفتی، انتظار حسین، قدرت اللہ شہاب اور انور سجاد کے نام قابل ذکر ہیں۔ اردو ادب میں نفسیاتی تنقید کو روشناس کرانے میں حلقہٴ ارباب ذوق کے ادب و شعر کا اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے اردو شاعری اور شعرا کے ایسے تجزیے پیش کیے گئے جن میں تحلیل نفسی کا طریقہ اور فرائڈ اور یونگ کے نظریات کو عملی طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ حلقہ نے حسن کی دائمی قدروں کو اجاگر کرنے کی سعی کی۔ چنانچہ تنقید فن میں یہی زاویہ حلقہٴ ارباب ذوق کا امتیازی شان بن گیا۔ ”ادب برائے زندگی کے نعرے کے دوران حلقے نے ادب برائے ادب کے نظریے کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ جس سے حلقے کی تنقید میں فن کا جمالیاتی پہلو زیادہ نمایاں ہوا۔ میراجی، ریاض احمد محمد حسن عسکری، مولانا صلاح الدین احمد سلیم احمد، شبیہ الحسن، وزیر آغا وغیرہ حلقہٴ ارباب ذوق کے اہم ناقدین ہیں۔

حلقہٴ ارباب ذوق اردو ادب کی ایک اہم اور فعال ادبی تحریک ہے، جس کا آغاز 1939ء (بقول دیگر 1941ء) میں لاہور میں ہوا۔ یہ

تنظیم ترقی پسند تحریک کے رد عمل میں ابھری، جس نے ادب برائے ادب، داخلی جذبات، انفرادیت، اور فن کے جمالیاتی پہلوؤں پر زور دیا۔ اس کے بانیوں اور اہم ارکان میں میراجی، ن۔م۔راشد، اور قیوم نظر شامل ہیں۔

تو حلقہ ارباب ذوق نے "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے ذات" کا نعرہ بلند کیا۔ یہ اردو ادب کی وہ تحریک ہے جس نے سماجی نعروں کے بجائے انسانی نفسیات، داخلی کیفیات اور فنی باریکیوں پر توجہ دی۔ پہلے اس کا نام "مجلس داستان گویاں" تھا، جو بعد میں "حلقہ ارباب ذوق" پڑ گیا۔ حلقہ ارباب ذوق کے ادیبوں کا ماننا تھا کہ ادب کو کسی مخصوص سیاسی یا سماجی نظریے (جیسے مارکسزم) کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک ادیب کی اپنی ذات اور اس کے انفرادی تجربات اہم ہیں۔ انسان کے اندر کی دنیا، اس کے خواب، تہائی اور الجھنیں ادب کا اصل موضوع ہیں۔ یہ ادب کی ہیئت پر زور دیتے ہیں یعنی ادب میں "کیا کہا جا رہا ہے" سے زیادہ اہم یہ ہے کہ "کیسے کہا جا رہا ہے"۔ انہوں نے فن اور اسلوب کی پختگی پر زور دیا۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کو حلقہ ارباب ذوق کے ادیبوں کے یہاں ترجیح دی گئی۔ انہوں نے اردو ادب کو فرائڈ (Freud) اور دیگر ماہرین نفسیات کے نظریات سے روشناس کرایا۔ انہوں نے انسان کے شعور اور لاشعور کی تہوں کو کریدا اور جنسی و نفسیاتی پیچیدگیوں کو فنکارانہ مہارت سے پیش کیا۔ حلقے کا سب سے بڑا کارنامہ جدید اردو نظم کی آبیاری ہے۔ انہوں نے روایتی قافیہ اور ردیف کی پابندیوں سے ہٹ کر نئے تجربات کیے۔ اور جدید نظم کو فروغ دیا۔ اور آزاد نظم اور نظم معریٰ کو مقبول بنایا۔ حتیٰ کہ علامات (Symbols) اور استعاروں کا ایسا استعمال کیا جو پہلے اردو شاعری میں موجود نہ تھا۔ علاوہ ازیں تنقید کا نیا معیار قائم کیا۔ حلقہ ارباب ذوق کی ہفتہ وار نشستوں میں تحریروں پر جو تنقید ہوتی تھی، اس نے اردو میں "تکنیکی تنقید" کو جنم دیا۔ یہاں کسی کی شخصیت کے بجائے اس کے فن پارے کے عیوب و محاسن پر بے لاگ گفتگو ہوتی تھی۔ اسی روایت نے اردو کو محمد حسن عسکری جیسا بڑا نقاد دیا، جنہوں نے اردو ادب کو عالمی ادب کے تناظر میں دیکھا۔

اسی طرح حلقے نے تخلیقی آزادی اور انفرادی اسلوب کو اہمیت دی۔ کسی ایک ہی طرزِ اظہار کو لازمی قرار دینے کے بجائے مختلف ادبی تجربات کے لیے گنجائش پیدا کی گئی۔ جدید نظم، علامتی اظہار اور داخلی تجربے کے فروغ میں اس ماحول کی اہمیت کو اسی پس منظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

12.2.2 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے:

1- حلقہ ارباب ذوق کی ادبی نشستوں کا آغاز کس شہر میں ہوا؟

الف۔ دہلی ب۔ لاہور

ج۔ لکھنؤ د۔ حیدرآباد

2- حلقہ ارباب ذوق کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز کس سال ہوا؟

الف۔ 1936ء ب۔ 1939ء

ج۔ 1947ء د۔ 1950ء

3- حلقہ ارباب ذوق میں بنیادی طور پر کس سرگرمی کو اہمیت حاصل تھی؟

الف۔ سیاسی جلسوں کو ب۔ تخلیقات کی پیش کش اور ادبی گفتگو کو

ج۔ صرف مشاعروں کو د۔ صرف اخباری صحافت کو

4- ن۔م۔راشد کی اہم ادبی شناخت کیا ہے؟

الف۔ داستان نگار ب۔ جدید نظم کے شاعر

ج۔ مورخ د۔ سفرنامہ نگار

5- حلقہ ارباب ذوق نے کس چیز کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا؟

الف۔ تخلیقی آزادی اور فنی شعور ب۔ صرف قدیم قصیدہ

ج۔ صرف تاریخی نثر د۔ صرف لغت نویسی

12.3 حلقہ ارباب ذوق کی ادبی خدمات

حلقہ ارباب ذوق کی سب سے نمایاں خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی مکالمے کو مضبوط کیا۔ اس کی نشستوں میں

نئی تخلیقات پیش ہونے اور ان پر گفتگو ہونے سے ادب کے فنی پہلوؤں پر سنجیدہ توجہ پیدا ہوئی۔ اس ماحول نے شاعروں اور ادیبوں کو اپنے اظہار

کے نئے امکانات تلاش کرنے کی تحریک دی۔ اردو شاعری کے میدان میں حلقہ اربابِ ذوق کی اہمیت خاص طور پر نمایاں ہے۔ جدید نظم کے فروغ میں ن۔م۔راشد اور میراجی کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ن۔م۔راشد نے آزاد نظم کو ایک سنجیدہ اور فکری شعری اظہار کے طور پر مستحکم کیا، جبکہ میراجی نے علامت، اساطیر، نفسیاتی تجربے اور داخلی احساسات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ ان دونوں کی شاعری نے اردو نظم کو روایتی شعری اظہار سے آگے بڑھنے کے نئے امکانات فراہم کیے۔ حلقہ اربابِ ذوق نے اردو نثر کے جدید رجحانات کے لیے بھی ادبی ماحول فراہم کیا۔ افسانہ نگاروں نے انسانی شخصیت، باطن، نفسیاتی تجربے اور پیچیدہ انسانی احساسات کو نئے انداز میں پیش کیا۔ اس طرح اردو افسانہ محض واقعہ نگاری سے آگے بڑھ کر انسانی باطن کے مطالعے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس حلقے کی ایک اہم خدمت فنی شعور کی بیداری بھی تھی۔ ادب کے موضوع کے ساتھ اس کی زبان، ہیئت، اسلوب، علامت اور ساخت پر توجہ دی گئی۔ یہی رویہ بعد میں جدیدیت کے ادبی مباحث میں زیادہ واضح صورت اختیار کرتا ہے۔

12.3.1 اردو ادب میں حلقہ اربابِ ذوق کی فکری اور فنی خدمات

حلقہ اربابِ ذوق نے اردو ادب میں فکری آزادی اور فنی تجربے کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کیا۔ اس حلقے کے ادبی ماحول میں تخلیق کار کو اپنی شخصیت اور تجربے کے مطابق اظہار کی آزادی حاصل ہوئی۔ اس سے اردو شاعری میں داخلی تجربے، علامتی اظہار، تجربہ اور نئے شعری اسالیب کے امکانات پیدا ہوئے۔ ن۔م۔راشد کی شاعری اس فنی تبدیلی کی اہم مثال ہے۔ ان کے مجموعوں "(ماورا" 1941ء)، "ایران میں اجنبی" (1955ء) اور بعد کی شاعری میں آزاد نظم، جدید حسیت اور فکری پیچیدگی نمایاں ہے۔ ان کی شاعری نے اردو نظم کو ہیئت اور اظہار کے نئے امکانات سے آشنا کیا۔ میراجی نے اردو شاعری میں داخلی تجربے، نفسیاتی احساس اور علامتی اظہار کو نئی قوت عطا کی۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی اساطیر، تہذیبی عناصر اور انسانی باطن کے تجربات ایک نئے شعری انداز میں سامنے آتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اردو نظم کے دائرے کو وسیع کیا۔ حلقہ اربابِ ذوق کی فکری اہمیت صرف شاعری تک محدود نہیں تھی۔ اس کے ادبی ماحول نے تخلیق کار کو فنی معیار، انفرادی اسلوب اور ادبی خود آگہی کی طرف متوجہ کیا۔ اسی ماحول میں تخلیق اور تنقید کے درمیان ایک ایسا تعلق پیدا ہوا جس نے بعد کے جدید ادبی مباحث کے لیے بنیاد فراہم کی۔ اس حلقے کی ادبی روایت نے یہ احساس مضبوط کیا کہ ادب کو سمجھنے کے لیے صرف اس کے موضوع کو دیکھنا کافی نہیں؛ زبان، اسلوب، ہیئت، علامت، ساخت اور تخلیق کار کے انفرادی تجربے کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہی فنی شعور جدید اردو ادب کی ایک اہم خصوصیت بن گیا۔

12.3.2 سرگرمی: 2 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے

1- حلقہ ارباب ذوق کی ادبی نشستوں کا آغاز کس شہر میں ہوا؟

الف۔ دہلی ب۔ لاہور

ج۔ لکھنؤ د۔ حیدرآباد

2- حلقہ ارباب ذوق کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز کس سال ہوا؟

الف۔ 1936ء ب۔ 1939ء

ج۔ 1947ء د۔ 1950ء

3- حلقہ ارباب ذوق کی نشستوں میں بنیادی طور پر کس سرگرمی کو اہمیت حاصل تھی؟

الف۔ سیاسی مباحث ب۔ تخلیقات کی پیش کش اور ادبی گفتگو

ج۔ صحافتی سرگرمیاں د۔ تاریخی تحقیق

4- ن۔م۔راشد اردو ادب میں کس صنف کے حوالے سے نمایاں ہیں؟

الف۔ ناول ب۔ آزاد نظم

ج۔ مرثیہ د۔ داستان

5- میراجی کی شاعری کی نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

الف۔ صرف رزمیہ انداز ب۔ علامتی اور نفسیاتی اظہار

ج۔ صرف قصیدہ د۔ صرف مدحیہ شاعری

12.3 حلقہ ارباب ذوق کی ادبی خدمات

حلقہ ارباب ذوق نے اردو ادب کے ارتقا میں خصوصاً فنی شعور، تخلیقی آزادی اور ادبی تنقید کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا۔ اس حلقے کی

نشستوں میں تخلیق کار اپنی نظم، افسانہ یا دوسری ادبی تحریر پیش کرتے اور اہل ادب اس پر گفتگو کرتے تھے۔ اس طرح تخلیق کے ساتھ اس کے فنی محاسن، زبان، اسلوب، ہیئت اور اظہار کے طریقوں پر بھی غور کیا جاتا تھا۔ اس روایت نے اردو ادب میں سنجیدہ ادبی مکالمے کو فروغ دیا۔ حلقہ اربابِ ذوق کی اہم خدمات میں جدید اردو نظم کی پذیرائی نمایاں ہے۔ ن۔م۔راشد اور میراجی جیسے شاعروں نے نظم کے روایتی سانچوں سے آگے بڑھ کر آزاد نظم، علامتی اظہار اور داخلی تجربے کو شعری اظہار کا حصہ بنایا۔ ن۔م۔راشد کا مجموعہ کلام "ماورا" (1941ء) اردو آزاد نظم کی تاریخ میں اہم سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ میراجی نے بھی اپنی شاعری میں انسانی باطن، نفسیاتی تجربات اور علامتوں کے ذریعے اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے۔ حلقہ اربابِ ذوق کا اثر صرف شاعری تک محدود نہیں رہا۔ جدید اردو افسانے اور نثر کے فروغ کے لیے بھی اس نے ایک ایسا ادبی ماحول پیدا کیا جس میں روایتی قصہ گوئی کے ساتھ انسانی شخصیت، داخلی احساسات اور نفسیاتی تجربات پر توجہ بڑھتی گئی۔ اس طرح اردو ادب میں موضوع کے ساتھ فنی تشکیل کو بھی اہمیت حاصل ہوئی۔ اس حلقے کی ایک بڑی خدمت یہ بھی ہے کہ اس نے ادبی اختلاف کو علمی گفتگو میں تبدیل کرنے کی روایت کو مضبوط کیا۔ کسی تخلیق پر مختلف آرا کا سامنے آنا ادیب کے لیے اپنی تخلیقی روش پر غور کرنے کا موقع بنتا تھا۔ یوں حلقہ اربابِ ذوق نے اردو ادب میں تخلیق اور تنقید کے درمیان ایک مؤثر رشتہ قائم کیا۔

12.3.1 اردو ادب میں حلقہ اربابِ ذوق کی فکری اور فنی خدمات

حلقہ اربابِ ذوق کی فکری خدمات کا بنیادی پہلو انفرادی تخلیقی شعور اور ادبی آزادی کی حوصلہ افزائی ہے۔ اس حلقے کے ادیبوں نے ادب کو محض کسی ایک اجتماعی یا نظریاتی مقصد تک محدود رکھنے کے بجائے فرد کے تجربے، احساس اور تخلیقی شخصیت کو بھی اہمیت دی۔ اس رویے نے اردو ادب میں نئے موضوعات اور نئے طرزِ احساس کے لیے گنجائش پیدا کی۔ فنی سطح پر حلقہ اربابِ ذوق نے ہیئت، اسلوب، علامت اور زبان کے نئے تجربات کی حوصلہ افزائی کی۔ جدید نظم میں آزاد ہیئت کا استعمال، علامتی اندازِ اظہار اور داخلی تجربات کی ترجمانی اسی فنی شعور کے اہم مظاہر ہیں۔ ن۔م۔راشد نے آزاد نظم کو ایک سنجیدہ فنی اور فکری اظہار کے طور پر مستحکم کیا، جبکہ میراجی نے علامت، اساطیر اور نفسیاتی تجربے کو اپنی شاعری کا حصہ بنا کر اردو نظم کے امکانات وسیع کیے۔ حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی روایت کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی تسلسل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ 1939ء میں لاہور سے شروع ہونے والی اس ادبی نشست نے آگے چل کر جدید اردو ادب کے کئی اہم مباحث کو جگہ دی۔ بعد کے زمانے میں جدیدیت کے فروغ، خصوصاً 1960ء کی دہائی میں، اس حلقے سے وابستہ ادبی روایت کی اہمیت مزید نمایاں ہوئی۔ تاہم حلقہ اربابِ ذوق کو براہِ راست جدیدیت کا مترادف سمجھنا درست نہیں؛ دونوں کی تاریخی اور نظریاتی حیثیت الگ ہے۔ اس حلقے کی فنی خدمات میں تخلیق پر سنجیدہ

تنقیدی گفتگو کی روایت بھی شامل ہے۔ اس روایت نے ادیبوں کو یہ احساس دلایا کہ اچھی ادبی تخلیق کے لیے صرف خیال کافی نہیں بلکہ زبان، ساخت، اسلوب اور فنی اظہار بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی شعور جدید اردو ادب کی تشکیل میں ایک اہم عنصر ثابت ہوا۔

12.3.2 سرگرمی: 2: آپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے:

1- حلقہ ارباب ذوق نے اردو ادب میں کس چیز کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا؟

الف۔ صرف داستان گوئی ب۔ تخلیقی آزادی اور فنی شعور

ج۔ صرف تاریخی ادب د۔ صرف صحافت

2- "ماورا" کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟

الف۔ فیض احمد فیض ب۔ ن۔ م۔ راشد

ج۔ میراجی د۔ مجاز

3- ن۔ م۔ راشد کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت کیا ہے؟

الف۔ آزاد نظم ب۔ قصیدہ

ج۔ مرثیہ د۔ مثنوی

4- میراجی کی شاعری میں کون سا پہلو نمایاں ہے؟

الف۔ علامتی اور نفسیاتی اظہار ب۔ صرف رزمیہ اظہار

ج۔ صرف مدحیہ شاعری د۔ صرف تاریخی موضوعات

5- حلقہ ارباب ذوق کی ادبی نشستوں نے کس روایت کو مضبوط کیا؟

الف۔ تخلیق اور تنقید کے باہمی مکالمے کی ب۔ صرف مشاعرے کی

ج۔ صرف صحافتی تحریر کی د۔ صرف داستان گوئی کی

12.4 عمومی جائزہ

حلقہ ارباب ذوق اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم ادبی روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ 1939ء میں لاہور سے شروع ہونے والی اس ادبی سرگرمی نے تخلیق کاروں کو اپنی تخلیقات پیش کرنے اور ان پر سنجیدہ ادبی گفتگو کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح حلقے نے تخلیق اور تنقید کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم کیا اور اردو ادب میں فنی شعور کو فروغ دینے میں مدد دی۔ حلقہ ارباب ذوق کی ادبی فضا میں تخلیقی آزادی، انفرادی اظہار، جمالیاتی شعور اور فنی تجربے کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اس کے اثرات خصوصاً جدید اردو نظم کے ارتقا میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ن۔م۔راشد نے آزاد نظم کو فکری اور فنی سطح پر مستحکم کیا، جبکہ میراجی نے علامتی، اساطیری اور نفسیاتی اظہار کے ذریعے اردو نظم کے امکانات کو وسیع کیا۔ "ماورا" ن۔م۔راشد کا اہم شعری مجموعہ ہے جو جدید اردو شاعری کے مطالعے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کی اہمیت صرف اس کے چند نمایاں شعرا تک محدود نہیں۔ اس کی اصل خدمت ایک ایسی ادبی روایت کی تشکیل ہے جس میں تخلیق کو سنجیدگی سے پڑھا، سنا اور پرکھا جاتا تھا۔ اس ماحول نے ادیبوں میں فنی خود آگہی پیدا کی اور زبان، اسلوب، ہیئت اور اظہار کے نئے امکانات کی تلاش کو تقویت دی۔ ترقی پسندوں اور حلقہ ارباب ذوق کے درمیان طویل عرصے تک فکری جنگ رہی۔ ترقی پسند انہیں "قنوطی" اور "فراری" (Escapist) کہتے تھے، جبکہ حلقہ والوں کا اعتراض تھا کہ ترقی پسند ادب کو "پروپیگنڈا" بنا رہے ہیں،

حلقہ ارباب ذوق نے اردو زبان کو وہ وسعت دی کہ اس میں انسان کے پیچیدہ ترین نفسیاتی رویے بیان ہونا شروع ہوئے۔ اس نے اردو شاعری کو علامتی حسن اور اردو نثر کو گہری معنویت عطا کی۔ اس نے اردو شعروادب میں ایک ایسے رجحان کو فروغ دیا جو جدید ادب یا جدید شاعری سے موسوم ہوئی۔ حلقہ ان صالح فکر، غیر اشتراکی نظریات کے حامل شعراء، ادا باور فنکاروں کی جماعت تھی جو اشتراکی نظریات کے مخالف تھی۔ حلقہ کے شاعروں کی اصل شناخت ان کی نظم نگاری ہے۔ ان حضرات نے قدیم روایت سے انحراف کرتے ہوئے نظم کے مروجہ تصور میں بھی تبدیلی پیدا کی جو ان کے نظریہ شعر سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، بلکہ اس کا فطری نتیجہ بھی۔ اس سے وابستہ جن شاعروں نے اپنی شناخت قائم کی، ان میں یوں تو صدق حسین خالد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ن۔م۔راشد اور میراجی وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن ان میں نمایاں مقام میراجی اور ان۔م۔راشد کو حاصل ہے۔ مختصراً، حلقہ ارباب ذوق نے اردو ادب میں تخلیقی آزادی، فنی پختگی، ادبی مکالمے اور جدید شعری شعور کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی ادبی روایت نے بعد کے جدید اردو ادب کے لیے بھی ایک موثر فکری اور فنی پس منظر فراہم کیا۔

12.5 فرہنگ

حلقہ	:	ادبی یا علمی مجلس
ارباب ذوق	:	ادبی ذوق رکھنے والے اہل علم
تخلیقی آزادی	:	آزادانہ ادبی اظہار
فنی شعور	:	فن کے اصولوں اور تقاضوں کا ادراک
جمالیتی شعور	:	حسن اور فن کی قدر کا احساس
ادبی مکالمہ	:	ادبی موضوع پر باہمی گفتگو
فنی پختگی	:	فن میں مہارت اور معیار
انفرادی اظہار	:	اپنی شخصیت اور تجربے کے مطابق اظہار
ہیئت	:	ادبی تخلیق کی ظاہری ساخت
علامت	:	کسی خیال یا کیفیت کا اشارتی اظہار
اساطیر	:	قدیم روایتی داستانیں اور تصورات
نفسیاتی	:	انسانی ذہن اور باطن سے متعلق
آزاد نظم	:	ایسی نظم جس میں روایتی شعری پابندیوں سے آزادی ہو
تجربہ	:	غیر محسوس یا مجرّد خیال کو فنی انداز میں پیش کرنا
اسلوب	:	اظہار اور تحریر کا مخصوص انداز
تنقید	:	ادبی تخلیق کا تجزیاتی مطالعہ
تخلیق	:	ادبی یا فنی کاوش
جدیدیت	:	جدید فکری اور ادبی رجحان
ادبی روایت	:	ادب میں جاری رہنے والا فکری اور فنی سلسلہ

12.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر: 1 حلقہ اربابِ ذوق کے پس منظر اور قیام پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
- سوال نمبر: 2 حلقہ اربابِ ذوق کے اغراض و مقاصد بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 3 اردو ادب میں حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر: 4 حلقہ اربابِ ذوق نے اردو شاعری کے فکری اور فنی ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟
- سوال نمبر: 5 ن۔م۔راشد اور میراجی کی ادبی خدمات کے حوالے سے حلقہ اربابِ ذوق کی اہمیت واضح کیجیے۔
- سوال نمبر: 6 حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی نشستوں اور تنقیدی روایت کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
-

12.7 مشقی سوالات

- 1- حلقہ اربابِ ذوق کے قیام اور پس منظر پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- 2- حلقہ اربابِ ذوق کے بنیادی اغراض و مقاصد بیان کیجیے۔
- 3- اردو ادب میں حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
- 4- حلقہ اربابِ ذوق نے اردو نظم کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟
- 5- ن۔م۔راشد کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
- 6- میراجی کی شاعری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔
- 7- حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی نشستوں کی اہمیت واضح کیجیے۔
- 8- حلقہ اربابِ ذوق نے اردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی شعور کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟
-

12.8 جواباتِ سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جواباتِ سرگرمی: 1

- 1-ب 2-ب

3-ب 4-ب

5-ب

جوابات سرگرمی: 2

1-ب 2-ب

3-الف 4-الف

5-الف

مشقی سوالات کے جوابات

جواب: 1 حلقہ ارباب ذوق کی ادبی نشستوں کا آغاز 1939ء میں لاہور میں ہوا۔ ان نشستوں میں ادیب اور شاعر اپنی تخلیقات پیش کرتے اور اہل ادب ان پر گفتگو کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ نشستیں اردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی مکالمے کی اہم روایت بن گئیں۔

جواب: 2 حلقہ ارباب ذوق کے بنیادی مقاصد میں تخلیقی آزادی، فنی شعور، جمالیاتی ذوق، ادبی مکالمے اور تعمیری تنقید کو فروغ دینا شامل تھا۔ اس نے ادیبوں کو اپنی تخلیقات پیش کرنے اور ان پر مختلف ادبی آرا سننے کا موقع فراہم کیا۔

جواب: 3 حلقہ ارباب ذوق نے اردو ادب میں فنی تجربات، انفرادی اظہار، جدید شعری شعور اور تنقیدی مکالمے کو فروغ دیا۔ خصوصاً جدید نظم کے ارتقا میں اس کی ادبی فضا اہم ثابت ہوئی۔

جواب: 4 حلقہ ارباب ذوق نے اردو نظم میں نئے موضوعات اور فنی تجربات کی حوصلہ افزائی کی۔ ن۔م۔راشد نے آزاد نظم کو فکری اور فنی استحکام دیا، جبکہ میراجی نے علامتی، نفسیاتی اور اساطیری عناصر کو نظم کا حصہ بنایا۔

جواب: 5 ن۔م۔راشد جدید اردو نظم کے اہم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام "ماورا" (1941ء) اردو نظم کو نئے فکری اور فنی امکانات سے آشنا کرنے والی اہم کتاب ہے۔ ان کی شاعری میں آزاد نظم، فکری گہرائی اور جدید حسیت نمایاں ہے۔

جواب: 6 میراجی نے اردو شاعری میں داخلی تجربے، نفسیاتی کیفیات، علامتی اظہار اور اساطیری عناصر کو اہمیت دی۔ انہوں نے نظم کے موضوع اور اسلوب دونوں میں نئے تجربات کیے اور جدید اردو شاعری کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جواب: 7 حلقہ ارباب ذوق کی نشستیں تخلیقات کی پیش کش، ادبی گفتگو اور تعمیری تنقید کا اہم ذریعہ تھیں۔ ان نشستوں نے ادیبوں کو اپنی تخلیقات کے

فنی پہلوؤں پر غور کرنے اور مختلف ادبی آراسے استفادہ کرنے کا موقع دیا۔

جواب: 8 حلقہ ارباب ذوق نے تخلیق اور تنقید کے درمیان مضبوط تعلق قائم کیا۔ اس نے ادیبوں میں فنی خود آگہی پیدا کی اور زبان، اسلوب، ہیئت، علامت اور اظہار کے نئے امکانات کی تلاش کو فروغ دیا۔

12.9 امدادی کتب

- 1- جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو
- 2- شمس الرحمن فاروقی : شعر، غیر شعر اور نثر
- 3- شمس الرحمن فاروقی : لفظ و معنی
- 4- وزیر آغا : اردو ادب میں جدیدیت کے رجحانات
- 5- آل احمد سرور : نظری اور عملی تنقید
- 6- ڈاکٹر انور سدید : اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ
- 7- ن۔م۔راشد : کلیات ن۔م۔راشد
- 8- میراجی : کلیات میراجی
- 9- گوپی چند نارنگ : ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات
- 10- گوپی چند نارنگ : جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ۔

سبق نمبر 13۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت: نظریات و مقاصد

13.0 اغراض و مقاصد

13.1 تعارف

13.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا فکری پس منظر

13.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

13.4 عمومی جائزہ

13.5 فرہنگ

13.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

13.7 مشقی سوالات

13.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

13.9 امدادی کتب

13.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بنیادی مفہیم، فکری پس منظر، نظریات اور مقاصد کو سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ جدیدیت نے بدلتے ہوئے عہد، فرد کی داخلی زندگی، نفسیاتی تجربات اور تخلیقی آزادی کو ادب میں کس طرح اہمیت دی اور مابعد جدیدیت نے تنوع، کثرت معنی، مختلف قراءتوں اور ثقافتی حوالوں کو کس طرح ادبی مطالعے کا حصہ بنایا۔ آپ

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نمایاں ادیبوں اور نقادوں، ان کی ادبی خدمات اور اہم تصانیف سے بھی واقف ہوں گے۔

13.1 تعارف

جدیدیت اور مابعد جدیدیت اردو ادب کے اہم فکری و فنی رجحانات ہیں۔ ان دونوں کا تعلق اس وسیع ادبی صورتِ حال سے ہے جس میں بدلتے ہوئے انسانی تجربے، تہذیبی تبدیلیوں اور نئے فکری سوالات نے ادب کے روایتی تصورات کو متاثر کیا۔ جدیدیت نے فرد کے باطن، داخلی تجربے، تنہائی، وجودی احساس اور نئے فنی اظہار کو اہمیت دی، جب کہ مابعد جدیدیت نے کسی ایک حتمی تعبیر کے بجائے متعدد زاویہ نظر، کثرتِ معنی، ثقافتی تنوع اور مختلف قرائتوں کے امکانات کو نمایاں کیا۔ اردو میں جدیدیت کا نمایاں فروغ بیسویں صدی کے وسط، خصوصاً 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں میں ہوا۔ اس ادبی رجحان کے فروغ میں ن۔م۔راشد، میراجی، وزیر آغا، شمس الرحمن فاروقی اور دوسرے اہل قلم نے اہم کردار ادا کیا۔ 1966ء میں شمس الرحمن فاروقی کے رسالے شب خون کے اجرا نے جدید ادبی مباحث کو ایک مؤثر پلیٹ فارم فراہم کیا۔ مابعد جدیدیت کی بحث اردو میں بالخصوص 1980ء کی دہائی کے بعد نمایاں ہوئی۔ اس رجحان کے تحت ادب کو مختلف ثقافتی، لسانی اور فکری حوالوں سے پڑھنے پر زور دیا گیا۔ گوپی چند نارنگ، وہاب اشرفی اور شمیم حنفی نے اردو میں مابعد جدید مباحث کی تفہیم اور تنقیدی توسیع میں اہم خدمات انجام دیں۔

13.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا فکری پس منظر

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو سمجھنے کے لیے اس تاریخی اور فکری ماحول کو سامنے رکھنا ضروری ہے جس میں یہ رجحانات سامنے آئے۔ جدیدیت نے ایسے عہد میں قوت حاصل کی جب انسان جدید شہری زندگی، تیز رفتار سائنسی و صنعتی تبدیلیوں، عالمی جنگوں، تہذیبی تبدیلیوں اور فرد کی بڑھتی ہوئی تنہائی جیسے تجربات سے گزر رہا تھا۔ اس صورتِ حال نے ادب کو انسانی باطن اور نئے تجربات کی طرف متوجہ کیا۔ مابعد جدیدیت نے بعد کے دور میں ان تصورات پر سوال اٹھائے جن میں کسی ایک مرکز، ایک حتمی سچ یا ایک ہی تعبیر کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اس نے مختلف آوازوں، ثقافتوں، تجربات اور تعبیرات کو اہمیت دی۔ اردو ادب میں ان نظریات کا اثر شاعری، افسانے، ناول اور تنقید سمیت متعدد اصناف پر پڑا۔ جدیدیت (Modernism) بیسویں صدی کے وسط (خاص طور پر 1960ء کے بعد) میں پیدا ہونے والی وہ ادبی، فنی اور فکری تحریک ہے جو روایت، قدامت پسندی اور ترقی پسند تحریک کے رد عمل میں وجود میں آئی۔ یہ اپنے عہد کے مسائل، فرد کی داخلی نفسیات، تنہائی، اور تجریدی

اسلوب کو نئے فنی تجربات (علامت نگاری) کے ذریعے پیش کرنے کا نام ہے۔

جدیدیت کی کلیدی خصوصیات اور تفصیلات کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ روایت سے انحراف، پرانے ادبی اصولوں، نظریاتی ادب، اور روایتی طرزِ بیان کو چیلنج کرتی ہے۔ داخلی حسیت، خارجی مسائل کے بجائے فرد کی ذات، داخلی کیفیات، تنہائی اور بے یقینی کو موضوع بنانا۔ سیدھی بات کہنے کے بجائے علامتی، تجریدی اور پیچیدہ اسلوب کو اپناتی ہے۔ شعور کی رو (Stream of Consciousness) اور انسانی نفسیات کی گہرائیوں کا مطالعہ کرتی ہے۔ اردو ادب میں جدیدیت نے "ادب برائے ادب" کے بجائے "ادب برائے ادب" کی حمایت کی۔ اس کے تحت انسانی وجود کے مسائل کو فوقیت دی گئی، جس میں علامتی افسانہ اور نظم نگاری اہم ہیں۔ اردو ادب میں جدیدیت (Modernism) ایک ایسی فکری اور ادبی تحریک ہے جس نے روایتی اسلوب اور ترقی پسند تحریک کے سماجی نظریات سے ہٹ کر انفرادی شعور، داخلی تجربات اور نئے اسالیب کو اہمیت دی۔ اردو میں جدیدیت کا باقاعدہ آغاز 1960ء کے آس پاس ہوا۔ ذیل میں اس تحریک کے اہم پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے:

جدیدیت کے بنیادی محرکات جدیدیت محض ایک ادبی سائل نہیں تھا، بلکہ یہ بدلتے ہوئے عالمی حالات اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا نتیجہ تھا:

داخلیت اور انفرادیت: ترقی پسند تحریک نے "اجتماعیت" پر زور دیا تھا، جبکہ جدیدیت نے انسان کی ذاتی اور داخلی دنیا کو موضوع بنایا۔

وجودیت (Existentialism): عالمی سطح پر سارتر اور کامیو کے فلسفے نے اردو ادیبوں کو متاثر کیا، جس سے بیگانگی، تنہائی اور لایعنیت جیسے موضوعات پیدا ہوئے۔ علامت نگاری اور استعارہ: جدیدیت پسندوں نے سیدھی سپاٹ بات کرنے کے بجائے علامتوں (Symbols) اور استعاروں کا سہارا لیا تاکہ انسانی لاشعور کی گہرائیوں کو بیان کیا جاسکے۔

روایت سے انحراف:

انہوں نے کلاسیکی اصناف اور فرسودہ بیانیے کو توڑ کر نئی ہیئتیں (Forms) تلاش کیں۔ جدیدیت سے وابستہ اہم نقاد اور نظریہ ساز مفکروں نے جدیدیت کو ایک مضبوط فکری بنیاد فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان میں سے درج ذیل شخصیات کا اہم کردار رہا: بشش الرحمن فاروقی: انہیں جدیدیت کا سب سے بڑا علمبردار مانا جاتا ہے۔ ان کے رسالے "شب خون" نے جدیدیت کو ایک باقاعدہ تحریک کی شکل دی۔ گوپی چند نارنگ نے ساختیات اور جدیدیت کے لسانی پہلوؤں پر گراں قدر کام کیا۔ وزیر آغا نے انشائیہ اور نظم کے حوالے سے جدیدیت کی نئی جہتیں متعارف کرائیں۔ ان ادبا کے علاوہ بھی جدیدیت کے ساتھ وابستہ ادباء کی ایک بڑی تعداد ہوئی۔ جنہوں نے جدیدیت کی خصوصیات کو اپنے فنی افکار کے ذریعے سامنے لایا اور بیگانگی کا احساس جدید انسان کی تنہائی اور بھیر میں اکیلے پن کے اظہار کو ادب میں جگہ دی۔ انہوں نے وقت کا

تصور واضح کیا اور ساتھ ہی ساتھ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک تسلسل (شعور کی رو) میں دیکھنا شروع کیا۔

اسلوب کی تبدیلی کو عمل لایا اور ابہام (Ambiguity) کو ایک فنی حسن کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا اس کے علاوہ شہری زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ دیہاتی رو مانیت کے بجائے شہر کی مشینی زندگی اور بے حسی کو موضوع بنانا اور یوں انسان کے اپنے خول میں قید ہونے کے الیے پراظہار خیال کو اپنا موضوع بنایا۔

مابعد جدیدیت (Postmodernism):

بیسویں صدی کے وسط (1960ء کی دہائی) میں جدیدیت (Modernism) کے رد عمل میں پیدا ہونے والا ایک فکری، فلسفیانہ اور ادبی رجحان مابعد جدیدیت ہی ہے جو مطلق حقیقت، مرکزیت، اور عالمگیر اصولوں (Grand Narratives) کو مسترد کرتا ہے۔ اس کا نظریہ کثرتیت، شک، طنز، اور انتشار پر مبنی ہے، جس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ سچائی معروضی نہیں بلکہ ثقافتی ساخت اور تناظر (Context) کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ مابعد جدیدیت (Postmodernism) بیسویں صدی کے وسط اور اواخر میں ابھرنے والا ایک ایسا فکری، فلسفیانہ اور ادبی رجحان ہے جس نے جدیدیت (Modernism) کے طے شدہ اصولوں، عالمگیر سچائیوں اور "بڑے بیانیوں" (Grand Narratives) کو چیلنج کیا۔ یہ محض ایک تحریک نہیں بلکہ ایک مخصوص طرز فکر ہے جو شک پسندی اور تنوع پر مبنی ہے۔

مابعد جدیدیت کا نظریہ (Theory)

مابعد جدیدیت کا بنیادی نظریہ اس بات پر قائم ہے کہ دنیا میں کوئی بھی حقیقت "حتمی" یا "آفاقی" نہیں ہے۔ اس کے اہم نظریاتی نکات درج ذیل ہیں: ۰ بڑے بیانیوں کی تردید: فرانسیسی فلسفی ژاں فرانسوا لیوتار کے مطابق، مابعد جدیدیت کا مطلب ہی ان بڑے نظریات (جیسے مارکسزم، سائنس، یا مذہب) پر بے اعتباری ہے جو پوری انسانیت کے لیے ایک ہی نسخہ یا سچائی پیش کرتے ہیں۔ حقیقت کی کثرت (Plurality): یہاں "سچ" (Truth) کے بجائے "سچائیوں" (Truths) کی بات کی جاتی ہے۔ ہر انسان کی اپنی سماجی، ثقافتی اور لسانی حقیقت ہو سکتی ہے۔ زبان کا گورکھ دھندا: ژاک دریدا جیسے مفکرین کا ماننا ہے کہ زبان کے معنی کبھی بھی مستقل نہیں ہوتے۔ تحریر یا لفظ کے معنی قاری کے ذہن اور سیاق و سباق کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اس سلسلے میں وہ (رد تشکیل یا Deconstruction) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ مرکزیت کا خاتمہ (Decentralization): یہ نظریہ کسی ایک مرکز (مرکز ثقل) کو تسلیم نہیں کرتا۔ چاہے وہ سیاست ہو، ادب ہو یا فلسفہ، یہ حاشیے پر موجود لوگوں اور خیالات کو اہمیت دیتا ہے۔

مابعد جدیدیت کے مقاصد (Objectives)

مابعد جدیدیت کا مقصد کسی نئے نظام کو مسلط کرنا نہیں، بلکہ موجودہ نظاموں کی گرفت کو کمزور کرنا ہے۔ اس کے بڑے مقاصد یہ ہیں:

1. اقتدار کی ساختوں کو بے نقاب کرنا: یہ دکھانا کہ جن چیزوں کو ہم "فطری" یا "لازمی" سمجھتے ہیں، وہ اصل میں طاقتور طبقوں نے اپنے مفاد کے لیے بنائی ہیں۔
2. تنوع اور رنگارنگی کا تحفظ: اقلیتوں، مقامی ثقافتوں اور انفرادی آوازوں کو جگہ دینا جنہیں "عالمی جدیدیت" نے دبا دیا تھا۔
3. سائنسی مطلق العنانیت پر سوال: اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سائنس بھی انسانی تشریح کا ایک طریقہ ہے، نہ کہ واحد سچائی۔
4. کھیل اور طنز (& Irony Playfulness): سنجیدہ اور خشک فلسفوں کے بجائے فن اور زندگی میں مزاح، پیروڈی اور غیر یقینی صورتحال کو قبول کرنا اس طرح ہے۔

مابعد جدیدیت (Postmodernism) جدیدیت کے بعد کا ایک فکری، ادبی اور ثقافتی رویہ ہے جو کسی ایک حتمی سچائی، مرکزیت یا کلیت پسندی (Metanarratives) کو رد کرتا ہے۔ یہ تکثیریت (Pluralism)، تخلیق کی آزادی، مقامیت، اور معنی کے دوسرے پن پر زور دیتا ہے۔ یہ تحریک 19 ویں صدی کے اواخر کے بعد سامنے آئی، جس میں وحدانی نظریات کے بجائے بوقلمونی، رنگارنگی اور مرکز گریز رویوں کو اہمیت حاصل ہے۔ یہ مانتی ہے کہ حقیقت ایک نہیں بلکہ کئی ہو سکتی ہیں اور نہ ہی کوئی ایک نظریہ، تہذیب یا کہانی کے لئے حتمی ہے۔ یہ بین المتونیت (Intertextuality) کے ضمن میں ایک متن یا تحریر میں دوسری تحریروں کے حوالے استعمال کرتی ہے اور قاری کی شرکت پر زور دیتی ہے یعنی مابعد جدیدیت میں معنی متعین کرنے میں قاری (Reader) کا کردار اہم ہے۔ مابعد جدیدیت میں ثقافتی بوقلمونی (Cultural Diversity) مقامی اور ثقافتی تنوع کو سراہا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت (Postmodernism) بیسویں صدی کے وسط اور اواخر میں ابھرنے والا ایک ایسا فکری، فلسفیانہ اور ادبی رجحان ہے جس نے جدیدیت (Modernism) کے طے شدہ اصولوں، عالمگیر سچائیوں اور "بڑے بیانیوں" (Grand Narratives) کو چیلنج کیا۔ یہ محض ایک تحریک نہیں بلکہ ایک مخصوص طرزِ فکر ہے جو شک پسندی اور تنوع پر مبنی ہے۔

مابعد جدیدیت کے مقاصد (Objectives)

مابعد جدیدیت کا مقصد کسی نئے نظام کو مسلط کرنا نہیں، بلکہ موجودہ نظاموں کی گرفت کو کمزور کرنا ہے۔ اس کے بڑے مقاصد یہ ہیں:

1. اقتدار کی ساختوں کو بے نقاب کرنا: یہ دکھانا کہ جن چیزوں کو ہم "فطری" یا "لازمی" سمجھتے ہیں، وہ اصل میں طاقتور طبقوں نے اپنے مفاد کے

لیے بنائی ہیں۔

2. تنوع اور رنگارنگی کا تحفظ: اقلیتوں، مقامی ثقافتوں اور انفرادی آوازوں کو جگہ دینا جنہیں "عالمی جدیدیت" نے دبا دیا تھا۔
3. سائنسی مطلق العنانیت پر سوال: اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سائنس بھی انسانی تشریح کا ایک طریقہ ہے، نہ کہ واحد سچائی۔
4. کھیل اور طنز (& Irony Playfulness): سنجیدہ اور خشک فلسفوں کے بجائے فن اور زندگی میں مزاح، پیروڈی اور غیر یقینی صورتحال کو قبول کرنا۔

مابعد جدیدیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ دنیا "سیاہ اور سفید" نہیں ہے، بلکہ یہ رنگوں اور زاویوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جہاں ہر شخص کا نقطہ نظر اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ ہمیں اندھی تقلید سے نکال کر مسلسل سوال اٹھانے پر اکساتی ہے۔

13.2.1 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے:

1- اردو ادب میں جدیدیت کا نمایاں فروغ کس دور میں ہوا؟

الف - 1850ء کی دہائی ب - 1950ء اور 1960ء کی دہائی

ج - 1880ء کی دہائی د - 1930ء کی دہائی

2- رسالہ شب خون کس نقاد نے 1966ء میں جاری کیا؟

الف - گوپی چند نارنگ ب - شمس الرحمن فاروقی

ج - وزیر آغا د - وہاب اشرفی

3- ماورا کس شاعر کا اہم شعری مجموعہ ہے؟

الف - فیض احمد فیض ب - ن۔م۔راشد

ج - میراجی د - مجاز

4- مابعد جدیدیت میں کس تصور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے؟

الف۔ کثرتِ معنی ب۔ صرف ایک حتمی معنی

ج۔ صرف کلاسیکی روایت د۔ صرف مصنف کی سوانح

5۔ ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات کے مصنف کون ہیں؟

الف۔ شمیم حنفی ب۔ شمس الرحمن فاروقی

ج۔ گوپی چند نارنگ د۔ وزیر آغا

13.4 عمومی جائزہ

جدیدیت اور مابعد جدیدیت اردو ادب کے اہم فکری اور فنی رجحانات ہیں۔ جدیدیت نے فرد کے داخلی تجربے، نفسیاتی کیفیت، وجودی احساس، تخلیقی آزادی اور نئے اسالیب اظہار کو اہمیت دی۔ اس کے زیر اثر اردو شاعری اور نثر میں علامت، استعارہ، تجرید اور داخلی خودکلامی جیسے فنی طریقوں کو فروغ ملا۔ ن۔ م۔ راشد، میراجی اور انتظار حسین جیسے تخلیق کاروں نے اس جدید ادبی شعور کو اپنی تخلیقات میں مختلف انداز سے پیش کیا۔ اردو میں جدیدیت کا آغاز ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوتا ہے، جس میں وجودیت، علامت نگاری، فردیت، منفیت جیسے اہم مغربی تصورات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ اسے ترقی پسند تحریک کا رد عمل بھی تسلیم کیا گیا۔ ترقی پسندوں کے بالمقابل جدیدیت نے تنہائی، تشکیک، کنفیوژن، اجنبیت، مشیت، معاشرہ سے التعلقی اور اقدار سے گریز کو ترجیح دی اور ان کو موضوع بحث بنایا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد تقسیم اور تشکیل پاکستان ہجرت اور اس کے بعد کے سیاسی و سماجی نتائج، جنگ، بدعنوانی، رشتوں کی شکست و ریخت اور نئے معاشرے کی ناچنگی نے معاشرے میں پائی جانے والی محرومیوں، ناآسودگی، بے یقینی منفی فکر، بے چہرگی اور مسئلہ تشخص کو پنپنے کا موقع دیا۔ اس طرح جدیدیت کے آثار اولین تو ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد ہی دکھائی دینے لگے تھے لیکن اس کی توسیع کا عمل ۱۹۶۰ء کے بعد نظر آیا۔ جو تقریباً دو دہائیوں کو محیط ہے۔ اس دوران اردو ادب کی تمام اصناف غزل، نظم، مرثیہ، افسانہ، ناول اور تنقید، خودنوشت وغیرہ نے اس رجحان کو مزید تقویت دی۔ جدیدیت کے رجحان سے وابستہ تمام موضوعات ان اصناف کے ذریعے ضبط تحریر میں لائے گئے اور اس کے گہرے اثرات ان اصناف پر مرتسم ہوئے۔ محض موضوعات تک ہی نہیں زبان و اسلوب، ہیئت و ساخت اور لسانیات کی سطح پر بھی جدیدیت کے تحت مختلف تجربات کیے گئے جو بے حد معنی خیز ثابت ہوئے۔

مابعد جدیدیت نے ادب کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی راہ ہموار کی۔ کثرتِ معنی، تکثیریت، بین التونیت، ثقافتی تنوع اور مختلف

قرأتیں اس کے نمایاں تصورات ہیں۔ اردو میں اس کے مباحث 1980ء کی دہائی کے بعد زیادہ نمایاں ہوئے۔ گوپی چند نارنگ، وہاب اشرفی اور شمیم خفنی نے اس حوالے سے اہم تنقیدی خدمات انجام دیں۔

مختصراً، جدیدیت نے اردو ادب کو داخلی شعور، فنی تجربے اور تخلیقی انفرادیت کی طرف متوجہ کیا، جبکہ مابعد جدیدیت نے ادبی متن، قاری، ثقافت اور معنی کے باہمی تعلق کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی راہ ہموار کی۔ دونوں رجحانات نے اردو ادب کے فکری اور فنی دائرے کو وسیع کیا۔

13.5 فرہنگ

جدیدیت	:	جدید عہد کے فکری اور ادبی شعور سے وابستہ رجحان
مابعد جدیدیت	:	جدیدیت کے بعد پیدا ہونے والا فکری و تنقیدی رویہ
داخلی شعور	:	انسان کی باطنی ذہنی اور جذباتی کیفیت
وجودی احساس	:	انسانی وجود، زندگی اور اس کے مسائل کا شعور
تجربہ	:	بمجرد خیال یا کیفیت کا فنی اظہار
علامت	:	کسی خیال یا کیفیت کی نمائندگی کرنے والا اشارہ
استعارہ	:	کسی شے یا خیال کو دوسری شے کے ذریعے مجازی طور پر بیان کرنا
بین المتنیت	:	مختلف متون کے باہمی تعلق اور اثرات کا مطالعہ
کثرت معنی	:	ایک متن سے متعدد مفاہیم کا اخذ ہونا
تکثیریت	:	متعدد خیالات، آوازوں اور نقطہ ہائے نظر کی گنجائش
قرأت	:	متن کا مطالعہ اور اس سے معنی اخذ کرنے کا عمل
بیانیہ	:	کسی واقعے یا تجربے کو پیش کرنے کا مخصوص طریقہ
تہذیبی شعور	:	اپنی تہذیب، روایت اور ثقافتی شناخت کا احساس
نفسیاتی	:	انسانی ذہن اور باطن سے متعلق

فنی : فن اور اس کے طریقہ اظہار سے متعلق

تخلیقی آزادی : نئے اور ذاتی انداز میں اظہار کی آزادی

اسلوب : اظہار اور تحریر کا مخصوص انداز

تعبیر : کسی متن یا خیال سے مفہوم اخذ کرنا

جدید حسیت : جدید عہد کے احساس اور تجربے کا شعور

13.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر: 1 جدیدیت کے فکری پس منظر اور بنیادی خصوصیات پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
- سوال نمبر: 2 مابعد جدیدیت کے ظہور، بنیادی نظریات اور ادبی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
- سوال نمبر: 3 اردو میں جدیدیت کے فروغ کے اہم مراحل بیان کرتے ہوئے اس کے نمایاں نمائندہ ادیبوں کی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر: 4 مابعد جدیدیت کے بنیادی تصورات، خصوصاً کثرت معنی، تکثیریت اور بین المتونیت کی وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر: 5 ن۔م۔راشد اور میراجی کی جدید اردو شاعری میں خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 6 شمس الرحمن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کی جدید اور مابعد جدید تنقید میں خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

13.7 مشقی سوالات

- 1- جدیدیت سے کیا مراد ہے؟ اس کی بنیادی خصوصیات بیان کیجیے۔
- 2- مابعد جدیدیت کے بنیادی تصورات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
- 3- اردو میں جدیدیت کے فروغ کے اہم مراحل بیان کیجیے۔
- 4- مابعد جدیدیت میں کثرت معنی اور تکثیریت کی اہمیت واضح کیجیے۔
- 5- ن۔م۔راشد کی جدید اردو شاعری میں خدمات بیان کیجیے۔
- 6- میراجی کی شاعری کی نمایاں خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

7- شمس الرحمن فاروقی کی جدید ادبی تنقید میں خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

8- گوپی چند نارنگ کی مابعد جدید تنقید میں خدمات بیان کیجیے۔

13.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی: 1

1-ب 2-ب

3-ب 4-الف

5-ج

مشقی سوالات کے جوابات

جواب: 1 جدیدیت اردو ادب کا اہم فکری اور فنی رجحان ہے جس میں فرد کے داخلی تجربے، نفسیاتی کیفیت، وجودی احساس، تخلیقی آزادی اور نئے

اسالیب اظہار کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کے فروغ سے اردو ادب میں علامت، تجرید، داخلی خود کلامی اور نئے فنی تجربات کو جگہ ملی۔

جواب: 2 مابعد جدیدیت میں کسی ایک حتمی معنی یا واحد نقطہ نظر کے بجائے کثرت معنی، تکثیریت، بین المتونیت، ثقافتی تنوع اور مختلف قرأتوں کو

اہمیت دی جاتی ہے۔ اس نے ادبی متن کو مختلف سیاق و سباق میں پڑھنے کے امکانات پیدا کیے۔

جواب: 3 اردو میں جدیدیت کا نمایاں فروغ 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں میں ہوا۔ ن۔م۔راشد، میراجی، وزیر آغا اور شمس الرحمن فاروقی

نے اس کے ادبی اور تنقیدی شعور کو مضبوط کیا۔ 1966ء میں شب خون کے اجرا نے جدید ادبی مباحث کو اہم پلیٹ فارم فراہم کیا۔

جواب: 4 کثرت معنی سے مراد یہ ہے کہ کسی ادبی متن کا مفہوم ایک ہی تعبیر تک محدود نہیں رہتا۔ تکثیریت مختلف خیالات، آوازوں اور نقطہ ہائے

نظر کو قبول کرنے کا رویہ ہے۔ دونوں تصورات مابعد جدید ادبی فکر میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

جواب: 5 ن۔م۔راشد نے اردو نظم کو نئے فکری اور فنی امکانات سے آشنا کیا۔ ان کا مجموعہ؟ کلام ماوراء 1941ء میں شائع ہوا۔ انہوں نے آزاد نظم

کے ذریعے جدید انسانی تجربے، فکری پیچیدگی اور داخلی احساس کو مؤثر شعری اظہار عطا کیا۔

جواب: 6 میراجی نے اردو شاعری میں داخلی تجربے، نفسیاتی احساس، علامتی اظہار اور اساطیری عناصر کو اہمیت دی۔ ان کی شاعری نے اردو نظم میں

موضوع اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے نئے امکانات پیدا کیے اور جدید شعری حسیت کو تقویت دی۔

جواب: 7: شمس الرحمن فاروقی نے جدید اردو تنقید کو مضبوط علمی بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے 1966ء میں شب خون جاری کیا اور جدید شاعری و نثر کے مباحث کو فروغ دیا۔ ان کی کتاب شعر، غیر شعر اور نثر جدید اردو تنقید کی اہم تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔

جواب: 8: گوپی چند نارنگ نے ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدیدیت کے نظریات کو اردو تنقید میں متعارف کرانے اور ان کی تفہیم میں اہم کردار ادا کیا۔ ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات اور جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ ان کی اہم تصانیف ہیں۔

13.9 امدادی کتب

- 1- شمس الرحمن فاروقی : شعر، غیر شعر اور نثر
- 2- گوپی چند نارنگ : ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات
- 3- گوپی چند نارنگ : جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ
- 4- وہاب اشرفی : مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات
- 5- شمیم حنفی : جدیدیت کی فلسفیانہ اساس
- 6- وزیر آغا : اردو ادب میں جدیدیت کے رجحانات
- 7- جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو
- 8- ڈاکٹر انور سدید : اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ
- 9- ن۔م۔راشد : کلیات ن۔م۔راشد
- 10- میراجی : کلیات میراجی
- 11- آل احمد سرور : نظری اور عملی تنقید
- 12- ڈاکٹر فرمان فتح پوری : اردو تنقید کا ارتقا

سبق نمبر 14 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت و اختلاف

- 14.0 اغراض و مقاصد
- 14.1 تعارف
- 14.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا تقابلی مطالعہ
- 14.2.1 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت
- 14.2.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں بنیادی اختلافات
- 14.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں
- 14.4 عمومی جائزہ
- 14.5 فرہنگ
- 14.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات
- 14.7 مشقی سوالات
- 14.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات
- 14.9 امدادی کتب

14.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے درمیان پائی جانے والی مماثلت اور بنیادی اختلافات

کو سمجھنے کے قابل ہوں گے۔

آپ یہ جان سکیں گے کہ دونوں ادبی رجحانات نے ادب میں نئے فکری اور فنی امکانات کیسے پیدا کیے اور ان کے درمیان فرد، روایت، معنی، متن، قاری اور ادبی اظہار کے حوالے سے کیا فرق پایا جاتا ہے۔ آپ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نمایاں نمائندہ ادیبوں اور نقادوں کی خدمات کو تقابلی انداز میں سمجھ سکیں گے اور یہ بھی جان سکیں گے کہ دونوں رجحانات نے اردو ادب کے ارتقاء پر کس نوعیت کے اثرات مرتب کیے۔

14.1 تعارف

جدیدیت اور مابعد جدیدیت اردو ادب کے اہم فکری اور فنی رجحانات ہیں۔ دونوں ایسے ادوار میں سامنے آئے جب انسانی زندگی، معاشرت، تہذیب اور فکر میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ جدیدیت نے بدلتے ہوئے عہد کے انسانی تجربے کو نئے اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی، جبکہ مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے بعض تصورات کو نئے سوالات کے ساتھ دیکھتے ہوئے معنی، متن، قاری اور ثقافت کے تعلق کو مختلف زاویوں سے سمجھنے کی راہ ہموار کی۔ اردو ادب میں جدیدیت کا نمایاں فروغ 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں میں ہوا۔ ن۔م۔ راشد، میراجی، وزیر آغا اور شمس الرحمن فاروقی نے اس ادبی شعور کو مختلف سطحوں پر آگے بڑھایا۔ 1966ء میں شمس الرحمن فاروقی کے رسالے "شب خون" کا اجرا جدید اردو ادب میں جدیدیت کے مباحث کے لیے ایک اہم واقعہ تھا۔ مابعد جدیدیت کی بحث اردو میں خصوصاً 1980ء کی دہائی کے بعد نمایاں ہوئی۔ گوپی چند نارنگ، وہاب اشرفی اور شمیم حنفی نے اس کے مختلف فکری اور تنقیدی پہلوؤں پر گفتگو کی۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں کے مشترک پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان کے بنیادی اختلافات کو بھی سامنے رکھا جائے۔

14.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا تقابلی مطالعہ

جدیدیت سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں نئے عہد کے ان اساسی عناصر کا جائزہ لینا ہوگا جو اس کے تشکیلی عناصر کہلائے جاسکتے ہیں۔ یاد رہے کہ ادبی حیثیت اپنی مخصوص خصوصیات کی بناء پر ایک واضح انفرادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے، ہر دور میں ادیبوں اور شاعروں نے اپنے عہد کے حالات کے شعور کو اپنی تخلیقات میں ظاہر کیا ہے۔ مثلاً انیسویں صدی میں ہنگامہ غدر کے بعد ہندوستان میں مغربی اقتدار کے مستحکم ہونے کے نتیجے میں نئے حالات کے شعور کا اظہار آزاد، حالی اور سرسید کی تحریروں میں ملتا ہے۔ اس طرح بیسویں صدی کے آغاز میں یورپی اثرات کے زیر اثر پرانی اور نئی قدروں کے کرب انگیز کشکاش کا اظہار اقبال کے یہاں موجود ہے۔ لیکن جب ہم اپنے عہد کے شعور اور

اس کے مختلف خالص تخلیقی اظہارات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی خصوصیات نہ صرف اس کی انفرادیت کو واضح کرتی ہیں بلکہ ماقبل کے ادوار کے شعور سے فرق کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ جدید عہد سائنسی عقلیت کا عہد ہے۔ سائنسی عقلیت زندگی اور کائنات کے بارے میں ایک ایسے رویے کی غماز ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ انسان کے مزاج، رویے اور شعور میں گہری تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ جدید انسان جو نئی نسلوں کا نمائندہ ہے، ذہنی اور جذباتی طور پر اتنا مختلف، غیر روایتی اور جدید ہو گیا ہے کہ پرانی نسلوں کے مختلف ہو گیا ہے۔

سائنسی ترقی نے زمان و مکان کی دیواروں کو ڈھا دیا ہے۔ اور ساری دنیا ایک خطے میں تبدیل ہو چکی ہے آج سائنسی انقلاب نے بین الاقوامی حیثیت حاصل کی ہے اور نئے عہد کے کلچر کا تصور سائنس کے بغیر ناممکن رہ جاتا ہے۔ ہندوستان کی تہذیبی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط ہی سے انگریزوں کے وارد ہونے کے بعد یہاں کے روایتی تہذیبی تصورات مثلاً ذات پات، مشترکہ خاندان، پردہ سسٹم، توہم پرستی اخلاقی نظریے اور روحانیت مغربی علوم و افکار سے متاثر ہونے لگے اور بیسویں صدی کی آمد پر ملک میں سماجی تبدیلیوں کا عمل تیز تر ہو گیا۔ بین الاقوامی سطح پر موجودہ عہد میں سائنس کی برق رفتار ترقی کی بدولت فطرت کی پُر اسرار قوتوں پر قابو پانے کا عمل جاری ہے، زندگی، موت، کائنات خلاء اور چاند ستاروں کے بارے میں ادراک کی سرحدیں وسیع ہو رہی ہیں۔ پرانے توہمات ختم ہو رہے ہیں۔

سائنسی ترقی کے نتیجے میں عقلیت کا رویہ انیسویں صدی کے وسط ہی سے نمایاں ہونے لگا تھا لیکن جدید دور میں یہ سائنسی رویہ گہرائی اور شدت اختیار کر رہا ہے۔ یہ فکر و نظر کا ایک نیا انقلاب ہے۔ جو انسان کے ترقی پذیر شعور کا آزادانہ اظہار ہے۔ یہ ذہنی انقلاب زندگی اور کائنات کی عقلی اور تجزیاتی تشریح پر مبنی ہے۔ خالق کائنات سے انسانی رشتوں کے بارے میں تحقیق کی طرف ایک قدم ہے۔ کاوپرنکس نے کائنات میں زمین کی مرکزی حیثیت اور ساتھ ہی انسان کی بنیادی اہمیت کے تصور کو پاش پاش کیا۔ گلیلیو اور نیوٹن کے نظریات نے اس حقیقت کا انکشاف کر کے کہ تمام ٹھوس اشیاء دراصل حرکت پذیر مادہ ہے۔ انسان کے بعد کی اعتماد پر کاری ضرب لگائی۔ آئن سٹائن کی اضافیت کی تھیوری اور کوانٹم فزکس نے مادی حقیقت کی تشریح کی جانب ایک انقلابی قدم اٹھایا۔ اب یہ بات مسلم ہے کہ مادی قوت جامد ہونے کے باوجود برقی ارتعاشات سے عبارت ہے۔

۱۹۵۹ء میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے انسان سے اشرف المخلوقات کا منصب ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ اور اسے حیوانی قبیلے کا فرد بنایا، حالیہ برسوں میں سائنس کی نئی دریافتوں مثلاً نیوکلیئر قوت، خلاء کی دریافت، تسخیر قمر اور کھرا نا کے جینز کے کارنامے نے علم و تحقیق کی مزید توسیع کی ہے ان سائنسی علوم اور ایجادات نے تجسس اور تشکیک کے جذبے کو تیز کیا ہے۔ پہلی بار انسان انفرادی طور پر اخلاقی اور معاشرتی تصورات کے بارے میں غور و فکر سے کام لینے لگا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے مفکروں اور فن کاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ فکری سطح پر بھی انسان

اخلاق اور تہذیب کی قدروں سے بیزار ہو گیا۔ انسان کو روایتی اخلاق کے اصول، بناوٹی مکارانہ اور حقیر نظر آنے لگے۔

سائنس کی ترقی کی ایک شکل ٹیکنالوجی کی وسعت ہے۔ اس نے نت نئے مسائل کو جنم دیا ہے۔ مثلاً قومی معیشت خارجی پالیسی، ماحول کی کثافت، اعصابی تناؤ، بین الاقوامی کھینچاؤ۔ کثرت کا راور عدیم الفرستی کے مسائل انسان کے ذہنی انتشار کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ سائنس کے مہلک ہتھیاروں نے نہ صرف پوری تہذیبی زندگی کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ بلکہ بڑی طاقتیں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے پر تلی ہیں۔ اس ضمن میں اشتہار بازی، پروپیگنڈا، سرد جنگ، ماس میڈیا جیسے ہتھیار استعمال کئے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں نیا فرد بے بسی، محرومی اور انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔ بنیادی طور پر نئے انسان کی شناخت یہ ہے کہ وہ خود آگہی کے نقطہ عروج پر پہنچ چکا ہے۔ اس کی نگاہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ انسان کیا ہے۔ انسان اور کائنات کا باہمی رشتہ کیا ہے۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ مانا کہ یہ اور اس نوع کے دیگر سوالات جتنے جدید ہیں اتنے ہی قدیم ہیں اور انسانی ذہن کو کرب و درد میں مبتلا کرتے رہے ہیں اور انسان ان کا جواب نہ پا کر ”نقش فریادی“ بن کے رہ گیا ہے۔ فلسفیانہ سطح پر انسان حیات و کائنات کے اسرار کو مذہبی عقیدوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن موجودہ صدی کی انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات نے فلسفیانہ تصورات کے کھوکھلے پن کو بے نقاب کیا ہے۔ آج کا فنکار آگہی کی ایک ایسی منزل پر آچکا ہے جہاں کائنات کی پُر اسراریت اس کے لیے ایک کھلا چیلنج بن چکی ہے۔ وہ تنہا فرد ہے۔ جو زندگی کا کرب جھیل رہا ہے۔

اور کائنات کی بے معنویت کا کرب جھیل رہا ہے۔ ادھر فلکیات نے زمینی سیارے کو حقیر اور بے مایہ ثابت کیا ہے۔ نفسیاتی سطح پر انسانی شعور کا تجربہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اپنی جبلی خواہشوں کے حوالے سے قدیم وحشی انسان یا جنگلی جانور سے الگ نہیں۔ تہذیبی موانعات سے انسان انفرادی سطح پر عداوت، عیب جوئی، ڈکیتی اور قتل کا ارتکاب کرتا ہے اور اجتماعی سطح پر تباہ کن جنگیں یا قتل عام کرتا ہے۔ ان حالات میں جدیدیت کے تصور کی تشکیل ہوتی ہے۔ جدیدیت کی رو سے انسان حیات و کائنات، معاشرتی رشتوں اور موت کے مسائل کے بارے میں غیر روایتی انداز سے سوچتا ہے۔ وحید اختر نے جدیدیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے

”جدیدیت کی مختصر تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے عہد کی زندگی کا سامنا کرنے اور اسے تمام خطرات و امکانات کے

ساتھ برتنے کا نام ہے۔ ہر عہد میں جدیدیت ہم عصر زندگی کو سمجھنے اور برتنے کے مسلسل عمل سے عبارت ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے جدیدیت ایک ایسا مسلسل عمل ہے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔“

وحید اختر نے اپنے مقالے ”جدیدیت کے بنیادی تصورات“ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ہر عہد میں فن کار اپنے عہد کے حقائق کا

سامنا کرتا ہے اس لحاظ سے غالب کی جدیدیت اور معاصر شعراء کی جدیدیت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر ایک فقید المثال ہے۔ اس دور میں سائنس اور علم کی سرحدیں اتنی وسیع ہو چکی ہیں۔ کہ انفرادی، اجتماعی، معاشرتی اور مابعد الطبیعیاتی سبھی پہلو اس کے پھیلاؤ میں آگئے ہیں۔ اور پہلی بار ان کے بارے میں ایک جدید رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ جدید عہد کا فن کار تمام قدیم اور روایتی تصورات سے قریب شکستہ ہو گیا ہے۔ اس کا تخلیقی شعور بحرانی اور کمپلیکس (Complex) ہو گیا ہے۔ یہ شعور صرف ہمارے عہد سے مختص ہے۔ اس شعور نے نہ صرف فنکار کو قدیم فن کاروں کے رویوں سے مختلف بنایا ہے۔ بلکہ ماقبل کے ادوار کی نظریاتی وابستگیاں بھی بے معنی ہو گئی ہیں۔ وہ اپنی فطرت کی اصلیت کا سامنا کر رہا ہے اور اس کے مسلمہ عقائد ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں۔ نیا فن کار عہد ماضی کی سیدھی سادی زندگی نہیں، جی رہا ہے۔ وہ اپنے عہد کی تمام تر پیچیدگیوں پر محیط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جدیدیت نہ صرف اپنے عہد کا گہرا شعور رکھتی ہے۔ بلکہ اس کی رو سے فن کار اپنے عہد سے برگشتہ ہو کر اپنی ذات میں سمٹ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فن کار شدید طور پر داخلیت پسند ہو گیا ہے۔ وہ اپنی ذات کی جانب مراجعت کرتا ہے اور اپنے تحفظ کا سامان کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی وہ عدم تحفظیت کا شکار ہوتا ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ فن کار معاشرتی اور کائناتی سطحوں پر پُر اسرار حقائق کا سامنا کر رہا ہے۔ اور اپنے ادراک کی نارسائیوں کے نتیجے میں ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ چنانچہ نیا فن کار اعصابی تناؤ، جنسی انتشار، خواہش مرگ، تنہائی، وجودیت اور عدم معنویت کا اظہار کرتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستانی زندگی کے سیاسی، معاشی اور فکری زندگی میں اہم تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ ادیبوں کے سامنے نئے حالات و واقعات آئے۔ نئے دور کی سنگین حقیقتوں نے ان کے خوابوں کے آئینے خانے چکنا چور کر دیئے۔ اور وہ مایوسی کے شکار ہوئے۔ موجودہ صدی کے آغاز سے سائنس کی برق رفتار ترقی نے ملکوں کے درمیان وقت اور فاصلے کی دیواروں کو گرانا شروع کیا اور اس صدی کے نصف تک پہنچتے پہنچتے دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ یورپی ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیش قدمی نے ایشیا کے ممالک کو تیزی سے متاثر کرنا شروع کیا۔ ہندوستان بھی اسی تبدیلی کی زد میں آ گیا۔ یہاں کے لوگوں کے صدیوں کے تہذیبی تصورات پر کاری ضرب پڑی۔ فن کار اجتماعی تصورات سے مایوس ہو کر اپنی ذات کی طرف دیکھنے لگا۔ اور یہاں بھی اسے محرومی اور کرب و انتشار کے سوا کچھ نہ ملا۔ توکل، تہذیب، شرافت اور انسان دوستی کے تصورات پارہ پارہ ہونے لگے۔ سائنسی نقطہ نظر عام ہونے لگا۔ زندگی، موت اور کائنات کے تصورات بدل رہے ہیں۔ سیاسی عدم استحکام، لاقانونیت، لوٹ کھسوٹ، اقربا پروری اور اقتدار پرستی کی لعنتوں نے انسان کو متاثر کیا۔ نیا فن کار شدت کے ساتھ بے چارگی اور بے بسی کا سامنا کرنے لگا۔ وہ ہجوم میں تنہائی محسوس کرنے لگا۔ تنہائی کا احساس نئے ادب کا بنیادی احساس ہے۔

نئے شاعر کو تنہائی کے احساس کا بنیادی طور پر اس لیے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ اس نے مقررہ نظریوں، فارمولوں اور نعروں سے اپنا دامن جھاڑ لیا ہے۔ وہ کسی وقتی یا ہنگامی مسلک سے وابستگی کے لیے اپنے ذہن کو آمادہ نہیں کر پاتا۔ وہ اپنی فہم اور آگہی سے باہر کائنات کی اصل کی دریافت کرنے کی جستجو میں کھو گیا ہے۔ اس تلاش کے سامنے اجتماعی ادارے، سیاسی اور سماجی تصورات اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں۔ اس لیے نیا شاعر اجتماعی تصورات سے بیزار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فرار پسند ہے۔ جے ملز نے عصری شاعر کے رویے کے بارے میں لکھا ہے

”اس کی بنیادی خواہش یہ ہے کہ وہ معاشرے سے بھاگ نہ جائے بلکہ اس کا ایک خود مختار اور زندہ ضمیر بن جائے۔“

کیونکہ اگر معاصر شاعر عام آدمی سے زیادہ خواب میں ہے۔ وہ اس سے کہیں کم فرار پسند ہے۔“

اس لیے موجودہ صدی میں جدیدیت کے تحت شعور کی کر بنا کی کا احساس ایک بنیادی تخلیقی محرک کا کام دے رہا ہے۔ اس کا اظہار وجودیت کی شکل میں بھی ہو رہا ہے۔ ذہنی آگہی کے ساتھ وجود کے ویرانوں میں سفر کرنے کا عمل وجودیت سے موسوم ہے۔ وجودیت دراصل گزشتہ دور کے مابعد الطبیعیاتی فلسفوں کے خلاف ایک رد عمل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فرد کو اپنے وجود، معاشرے اور کائنات میں سب سے پہلے اپنے وجود سے متصادم ہونا پڑتا ہے۔ اور اپنے وجود کی آگہی کا کرب جھیلنا پڑتا ہے۔ معاشرت اور کائنات سے اس کے رشتے شخصی رویے کے تابع ہوتے ہیں۔ جدید دور میں وجودیت کے فلسفے کی تشہیر سارتر کی تحریروں سے ہوئی۔ سارتر سے پہلے وجود تصورات عیسائیت سے متعلق تھے۔ چنانچہ کر کے گارڈ، جسپرس اور پاسکل اپنے وجودی تصورات کا اظہار عیسائیت کی حدود میں کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وجودی فکر کو بیسویں صدی کے حالات نے گہری تقویت اور مقبولیت عطا کی۔

دو عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں زندگی کو جو اذیت سہنا پڑی ہے۔ اور پھر ٹیکنالوجی کی ہوشربا ترقی نے انسانی وجود کو ایک معمولی پرزہ بنا کر اسے بھیانک مسئلوں سے متصادم کرا کے اس کی معنویت اور عظمت مشکوک کر دی۔ نتیجے میں وجودیت کو پنپنے کا موقع ملا۔ وجودیت کے علمبرداروں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ فرد اجتماعی تصورات سے منحرف ہو کر اپنی ذات کی آگہی کے کرب کو جھیل رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا ملک بھی موجودہ دور میں اقتصادی تہذیبی اور معاشرتی طور پر ایک بحرانی حالت سے گزر رہا ہے۔ اور یہ خوش فہمی اب ختم ہو رہی ہے کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ اس لیے میکا کی تہذیب کے اثرات سے محفوظ ہے یہ ایک انتہائی غیر حقیقت پسندانہ رویہ تھا۔ ہر عہد کے دانشوروں اور فن کاروں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے خطرات کا سامنا کریں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ یورپی ممالک کے مقابلے میں ہندوستان اپنے مخصوص حالات اور پیچیدگیوں کی بناء پر زیادہ گھمبیر اور حیات شکن مرحلوں سے گزر رہا ہے۔ اس لیے فن

کارسطھی رجائیت اور طفلانہ امید آفرینی سے انحراف کر کے اپنے عہد کی سنگین سچائیوں کا ادراک کر رہا ہے۔ نئی شاعری جس کی نمائندگی وزیر آغا، بلراج کول، کمار پاشی، محمد علوی، شہریار، احمد ہمیش، فاروقی، مخمور سعیدی وغیرہ کر رہے ہیں۔ جدیدیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ افسانہ نگاری میں انتظار حسین، منشا یاد، انور سجاد، سریندر پرکاش، بلراج میزا، غیاث احمد گدی وغیرہ نے نئی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔ جدیدیت کے تحت سامنے آنے والے نقادوں میں فاروقی، وزیر آغا، نارنگ، مغنی تبسم، وارث علوی، باقر مہدی اور محمود ہاشمی قابل ذکر ہیں۔ نیا ادب ملکی اور بین الاقوامی سطحوں پر فکر و احساس کی متشدد کیفیات کی مصوری کا کام کر رہا ہے۔ اور شعر و ادب کی سرحدیں وسیع تر ہو رہی ہیں۔

جدیدیت اور مابعد جدیدیت دونوں نے اردو ادب کو روایتی ادبی تصورات سے آگے بڑھنے کے نئے امکانات فراہم کیے۔ دونوں میں نئے تجربے، فکری آزادی اور ادبی اظہار کی نئی صورتوں کی تلاش مشترک ہے، لیکن ان کے فکری زاویے یکساں نہیں۔ جدیدیت میں فرد اور اس کے داخلی تجربے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جبکہ مابعد جدیدیت میں فرد کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتی، سماجی اور لسانی آوازوں کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جدیدیت میں ادبی تخلیق کو ایک سنجیدہ فکری اور فنی تجربے کے طور پر دیکھا گیا۔ اس کے نتیجے میں علامت، تجرید، داخلی خودکلامی اور نئے اسالیب کو فروغ ملا۔ مابعد جدیدیت نے اس کے مقابلے میں متن کی متعدد تعبیرات، کثرت معنی، بین المتونیت اور ثقافتی تنوع پر زیادہ زور دیا۔ دونوں رجحانات نے اردو تنقید کو بھی متاثر کیا۔ جدیدیت کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی اور وزیر آغا کی خدمات نمایاں ہیں، جبکہ مابعد جدیدیت مباحث میں گوپی چند نارنگ اور وہاب اشرفی کی تصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

14.2.1 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے درمیان پہلی اہم مماثلت یہ ہے کہ دونوں نے نئے ادبی امکانات کی تلاش کو اہمیت دی۔ دونوں رجحانات نے ادب کو محض روایتی موضوعات اور مروجہ اسالیب تک محدود رکھنے کے بجائے نئے تجربات اور نئے طریقے؟ اظہار کی حوصلہ افزائی کی۔ دونوں میں روایتی تصورات پر سوال اٹھانے کا رجحان بھی مشترک ہے۔ جدیدیت نے بدلتے ہوئے عہد کے تقاضوں کے مطابق ادب کے موضوع اور اسلوب میں تبدیلی پیدا کی، جبکہ مابعد جدیدیت نے خود جدیدیت کے بعض بنیادی تصورات کو نئے سوالات کی روشنی میں دیکھا۔ دونوں نے ادبی زبان اور اسلوب کے نئے امکانات پیدا کیے۔ جدیدیت میں علامت، استعارہ، تجرید اور داخلی اظہار کو اہمیت ملی، جبکہ مابعد جدیدیت میں مختلف اسالیب، متون اور ثقافتی حوالوں کے امتزاج کو قبول کیا گیا۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت ادبی اور فکری تحریکیں ہیں،

جن میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جدیدیت عقل، سچائی اور ترقی پر یقین رکھتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت ان گلی تصورات کو رد کرتے ہوئے کثرتیت، شک اور تناظر (Context) پر زور دیتی ہے۔ مابعد جدیدیت بنیادی طور پر جدیدیت کے رد عمل میں پیدا ہوئی، مگر دونوں ہی روایتی اقدار کو چیلنج کرتی ہیں۔ اردو ادب اور فلسفے میں جدیدیت (Modernism) اور مابعد جدیدیت (Postmodernism) دو اہم ترین تحریکیں ہیں۔ اگرچہ مابعد جدیدیت، جدیدیت ہی کے لٹن سے نکلی ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان نظریاتی خلیج کافی گہری ہے۔ ذیل میں ان دونوں کے درمیان مماثلت اور اختلافات کا مختصر اور جامع جائزہ پیش ہے:

1. جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت (Similarities)

دونوں تحریکیں بعض بنیادی نکات پر ایک دوسرے سے قریب نظر آتی ہیں: روایت سے انحراف: دونوں تحریکیں قدیم اور فرسودہ روایات کو مسترد کرتی ہیں اور زندگی کو نئے زاویوں سے دیکھنے پر زور دیتی ہیں۔ انفرادیت: دونوں میں "فرد" کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ روایتی سماجی ڈھانچوں کے مقابلے میں فرد کے احساسات اور تجربات کو فوقیت دی جاتی ہے۔ دونوں تبدیلی کا عصر پایا جاتا ہے یعنی دونوں ہی وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے رجحانات اور نئے فکری اسالیب کی حمایت کرتی ہیں۔ دونوں میں تکنیکی تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں دونوں تحریکوں نے اظہار کے نئے اسلوب، علامات اور استعاروں کا استعمال کیا اور بیانیہ (Narrative) کے روایتی طریقوں کو بدلا۔ دونوں میں وجودیت کا نمایاں اثر دیکھنے کو ملتا ہے اور وجودی کرب، تنہائی اور بے معنویت کا احساس دونوں رجحانات میں پایا جاتا ہے۔ دونوں رجحانات نے تنقیدی شعور کو بھی فروغ دیا۔ ادبی متن کو صرف روایتی اصولوں کے مطابق پرکھنے کے بجائے اس کے فنی، فکری اور لسانی پہلوؤں پر غور کیا گیا۔ اس طرح اردو تنقید میں نئے سوالات اور نئے مطالعاتی طریقے سامنے آئے۔ اردو ادب میں دونوں رجحانات کے نمائندہ اہل قلم نے اپنے اپنے انداز میں تخلیقی اور تنقیدی روایت کو وسعت دی۔ ن۔ م۔ راشد، میراجی اور شمس الرحمن فاروقی جدید ادبی شعور کے اہم نام ہیں، جبکہ گوپی چند نارنگ اور وہاب اشرفی نے مابعد جدید مباحث کو اردو تنقید میں نمایاں مقام دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

14.2.2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں بنیادی اختلافات (Differences)

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا سب سے نمایاں اختلاف معنی کے تصور میں دکھائی دیتا ہے۔ جدیدیت میں ادیب کے ذاتی اور داخلی تجربے کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت کسی ایک قطعی مفہوم کے بجائے متن کے متعدد ممکنہ مفاہیم کو تسلیم کرتی ہے۔ جدیدیت

میں فرد مرکوز توجہ بن جاتا ہے۔ اس میں فرد کی تنہائی، داخلی کشمکش، نفسیاتی کیفیت اور وجودی مسائل نمایاں ہوتے ہیں۔ مابعد جدیدیت میں فرد کے ساتھ معاشرتی، ثقافتی، لسانی اور تاریخی تنوع کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔ حقیقت کا تصور کی اگر بات کی جائے تو جدیدیت ایک مطلق یا حتمی سچائی (Objective Truth) پر یقین رکھتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت ہر قسم کی کٹی سچائی (Grand Narratives) کو مسترد کرتی ہے۔ منطق اور عقل کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ جدیدیت عقل اور منطق پر بھروسہ کرتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت شک، تضاد اور بے یقینی (Uncertainty) کو ترجیح دیتی ہے۔ ساخت اور تشکیل کے حوالے سے اگر دیکھائے جائے تو جدیدیت نے نئی ساخت بنائی، جبکہ مابعد جدیدیت (جیسے دریدا کا نظریہ) نے ساختیات کو توڑا اور ردِ تشکیل (Deconstruction) پر زور دیا۔

معنی کی اہمیت کے حوالے سے جب ہم دیکھتے ہیں تو جدیدیت میں معنی کی تلاش اہم ہے، جبکہ مابعد جدیدیت کے مطابق معنی متعین نہیں بلکہ ہر قاری کے لیے بدل سکتے ہیں۔ مختصراً، جدیدیت اگر نظم و ضبط اور معنی کی تلاش ہے، تو مابعد جدیدیت لامرکزیت اور لامعنویت کا جشن ہے۔ جدیدیت کہتی ہے کہ دنیا بکھر گئی ہے اور ہمیں اسے دوبارہ جوڑنے یا اس کا کوئی حل نکالنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک طرح کے "نوسٹالجیا" (پرانی اقدار کی کمی کا احساس) کا شکار رہتی ہے۔ جبکہ مابعد جدیدیت کہتی ہے کہ دنیا بکھری ہوئی ہے تو کیا ہوا؟ اسے جوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ انتشار کا جشن مناتی ہے اور کہتی ہے کہ ہر انسان کی اپنی ایک الگ سچائی ہو سکتی ہے۔ جدیدیت "معنی" کی تلاش کا نام ہے، جبکہ مابعد جدیدیت "معنی" کے بکھراؤ کو قبول کر لینے کا نام ہے۔ روایت کے حوالے سے بھی دونوں میں فرق ہے۔ جدیدیت روایت سے فاصلے کے باوجود اس کے ساتھ مکالمہ قائم کرتی ہے اور اسے نئے عہد کے شعور کے مطابق دیکھتی ہے۔ مابعد جدیدیت روایت، تاریخ اور مختلف ثقافتی متون کو نئے تناظر میں استعمال کرتی ہے اور ان کے باہمی تعلق کو نمایاں کرتی ہے۔

جدیدیت میں ادبی تخلیق کے اندر فنی وحدت، انفرادی اسلوب اور تخلیقی تجربے کو اہمیت حاصل ہے، جبکہ مابعد جدیدیت میں متن کی ساخت کے ساتھ اس کے مختلف حوالوں، سابقہ متون اور ثقافتی سیاق کو بھی اہم سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے مابعد جدیدیت تنقید میں بین المتونیت، کثرتِ معنی اور تکثیریت جیسے تصورات نمایاں ہوئے۔ قاری کے کردار میں بھی دونوں کے درمیان فرق ہے۔ جدیدیت میں مصنف اور اس کے تخلیقی تجربے کی حیثیت نمایاں رہتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت قاری کو بھی معنی کی تشکیل کے عمل میں فعال حیثیت دیتی ہے۔ یوں ایک ہی متن مختلف قارئین کے لیے مختلف مفاہیم پیدا کر سکتا ہے۔

14.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے:

- 1- جدیدیت میں کس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے؟
الف۔ فرد اور داخلی شعور ب۔ صرف اجتماعی روایت
ج۔ صرف تاریخی واقعات د۔ صرف کلاسیکی اصناف
- 2- مابعد جدیدیت میں کس تصور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے؟
الف۔ ایک حتمی معنی ب۔ کثرت معنی
ج۔ صرف مصنف کی نیت د۔ صرف کلاسیکی روایت
- 3- جدیدیت میں نمایاں فنی طریق؟ اظہار کون سا ہے؟
الف۔ علامت اور تجرید ب۔ صرف قصیدہ
ج۔ صرف مرثیہ د۔ صرف داستان
- 4- مابعد جدیدیت میں مختلف متون کے باہمی تعلق کو کیا کہا جاتا ہے؟
الف۔ وجودیت ب۔ بین المتونیت
ج۔ حقیقت نگاری د۔ رومانویت
- 5- شب خون کے مدیر اور جدید ادبی مباحث کے اہم نقاد کون تھے؟
الف۔ گوپی چند نارنگ ب۔ شمس الرحمن فاروقی
ج۔ وہاب اشرفی د۔ آل احمد سرور

14.4 عمومی جائزہ

جدیدیت اور مابعد جدیدیت دونوں نے اردو ادب میں نئے فکری اور فنی امکانات پیدا کیے۔ دونوں میں تخلیقی آزادی، نئے ادبی

تجربات، روایتی تصورات پر سوال اور تنقیدی شعور کی ترقی مشترک ہے۔ تاہم دونوں کے نظریاتی زاویوں میں واضح فرق بھی موجود ہے۔ جدیدیت نے فرد کے داخلی تجربے، نفسیاتی کیفیت، وجودی احساس اور انفرادی تخلیقی شعور کو بنیادی اہمیت دی۔ اس کے زیر اثر اردو شاعری اور نثر میں علامت، تجرید، داخلی اظہار اور نئے اسالیب کو فروغ ملا۔ ن۔م۔راشد اور میراجی کی شاعری اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ مابعد جدیدیت نے کثرت معنی، تکثیریت، بین المتونیت، ثقافتی تنوع اور قاری کی فعال حیثیت کو اہمیت دی۔ اس نے متن کو مختلف سیاق و سباق میں پڑھنے اور اس کے متعدد مفاہیم دریافت کرنے کی راہ ہموار کی۔ اردو میں گوپی چند نارنگ اور وہاب اشرفی نے مابعد جدید تنقیدی مباحث کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ جدیدیت ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں فلسفہ، آرٹ، فکر، فنون لطیفہ، نفسیات، تہذیب اور انسانی ذات کے مسائل، زبان غرض سب رقص کننا ہیں۔ ہم اسے ایک تغیر پذیر عمل یا حرکت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے دو لفظ Modernity اور Modernism مروج رہے ہیں، جن کو جدیدیت کے معنی کے طور پر اردو ناقدوں نے تسلیم کیا ہے۔ ہم اگر صرف جدیدیت کے لفظ پر غور کریں تو اس کے معنی نئے پن یا تازہ ہونے کے ہیں یعنی پہلے سے موجود چیز کا رد یا یکسر انکار۔ یعنی ماقبل کی تمام تر روایات اور لوازمات کا رد۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ روایتی طور پر قائم یا طے شدہ نظریہ، تصور، اصول اور ضابطہ، ڈھانچہ مسلمہ مفروضہ ناقابل قبول قرار پائیں گے اور ان سے ہٹ کر جو بھی ہوگا وہ نیا یا جدید ہوگا۔ عمومی طور پر اگر یہ فارمولہ ملحوظ رکھیں تو غالب، اقبال، حالی، حسرت، جگر، فراق، اصغر، فانی جیسے شاعر اور غالب اور سرسید جیسے نثر نگار علی گڑھ تحریک کے تحت ادبی کاوشوں کو بھی جدید ادب قرار دیا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھا جانے والا ادب بھی جدید ہے جس نے زبان و ادب کو نئے مسائل اور مذاق سے آشنا کرایا۔ ہم ان تمام کو جدید تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے جدیدیت کا حصہ اس اعتبار سے نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ جدیدیت ایک خاص رجحان یا میلان کا نام ہے جس کا اپنا مخصوص تصور اور فکر ہے جو ترقی پسندی کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ اور یہ دائرہ مختلف فکری تصورات اور سلسلوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ ہیں فلسفہ وجودیت، مغربی علامت نگاری پر ریلیزم، دادا ازم وغیرہ۔

یورپ میں جدیدیت کا رجحان پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ دنیا کی ہولناک تباہی تھی، جس سے بڑے پیمانے پر عوام الناس دوچار ہوئے۔ زندگی سے بے یقینی، وجود کی معنویت، انتشار اور اضطراب، خونی اور دہشت، جذبہ و احساس کی شکست اور پڑمردگی، اداسی، محرومی اور تنہائی، اخلاقی اقدار کی پامالی جیسے رویوں نے جنم لیا اور یورپ معاشی، تہذیبی و ثقافتی، سماجی بحران کا شکار ہو گیا۔ جس کے سبب انسانی فکر اور نفسیات میں غیر معمولی پیچیدگیاں در آئیں۔ لہذا اظہار کے نئے طریقے سامنے آئے، نئے افکار و تصورات نے ادب اور فنون لطیفہ میں جگہ بنائی اور نئے تجربات کی تشکیل ہوئی۔ دادا ازم، سر ریلیزم، علامت نگاری، وجودیت، فرائیڈین فلسفہ لاشعور جیسے تصورات کو ادب اور

فنون لطیفہ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ ان تمام میلانات، رجحانات اور تحریکوں نے عالمی پیمانے پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ ۱۹۱۶ء میں دادا ازم Dadaism کی تحریک کا آغاز زیورپ سے ہوا، اس کا آغاز ٹرسٹان نے کیا۔ جلد ہی یہ تحریک سرریلیزم میں جمہ ہو گئی تھی جس کو آندرے بریتان Ander Breton نے فروغ بخشا۔ ۲۲۹۱ء میں بریتان نے خود کو دادا ازم سے الگ کر لیا۔ تیزیک فرانس میں پروان چڑھی اور انگلینڈ میں شہرت حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ میں وجودیت کی تحریک پیدا ہوئی۔ کر کے گارد نے اس فلسفہ کو اثباتی اور با معنی انداز میں اور انسانی وجود کو رجائیت اور خدا سے قریب کیا۔ اس کے علاوہ ژاں پال، سارتر، نطشے، البیر کامیو وغیرہ اس فلسفے کے علمبردار تھے جن کی تخلیقات اور افکار نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ تنہائی، لایعنیت، بے چینی، خوف، موت کا احساس، بے چہرگی، تشخص کا مسئلہ اس تحریک کے اہم موضوع تھے۔ اور اس طرح شاعری ہو یا فکشن بالواسطہ اظہار نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی۔ بودیہ علامت نگاری کا اور علمبردار تھا۔ اس کے علاوہ پال والیری اور رامبو نے علامت نگاری کو نقطہ عروج تک پہنچا دیا۔ اردو میں ابھرنے والے ان خدو خال کو عمومی طور پر چار شقوں میں سمجھا جاسکتا ہے:

اول یہ کہ جدیدیت فنکار کی مکمل آزادی اظہار کا نام ہے۔ ایک تخلیق کار کبھی کسی نظریے میں بندھ کر یا کسی خاص منشور کے تحت یا کسی مکٹمنٹ اور سیاسی ایجنڈے کے تحت اپنا تخلیقی اظہار نہیں کر سکتا۔ دوم یہ کہ ادب ذات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ خارجی اور اجتماعی مسائل کی پیشکش کا وسیلہ نہیں بن سکتا یعنی جدیدیت باطن میں داخل ہونے اور داخلیت کی طرف سفر کرنے کا نام ہے۔ سوم یہ کہ ہر فن پارہ خود کفیل اور خود مختار ہوتا ہے لہذا اس کی تفہیم تعبیر کے لیے خارج کے بجائے متن کے اندر تلاش کرنا چاہیے۔ اور چہارم یہ کہ ادب کسی مخصوص نظریے اور سماجی ضابطے سے وابستہ نہیں ہوتا لہذا ادب اس لیے اہم ہے کہ وہ ادب ہے اور وہ اشتہار نہیں ہے۔ یعنی جب تک ادب کے فنی تقاضے پورے نہیں ہوں گے ادب کی حیثیت متعین نہیں ہوگی۔ جدیدیت کا اختصاص یہ ہے کہ اس نے روحانیت کے بجائے مادیت کو اہمیت دی، مذہب کو رد کرتے ہوئے عقلیت کو اپنایا۔ لہذا مابعد الطبیعات کے بجائے سائنس اور اس کی عصری ترقیوں کو تسلیم کیا۔ اجتماعیت کی نفی کرتے ہوئے فردیت اور انفرادیت پر اصرار کیا۔ بعض ایسے ترقی پسند شعراء بھی ہیں جن کے یہاں علامتی اور اشارتی رنگ موجود ہے یا ان کے بعض فن پاروں میں یہ عنصر دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ ان میں فیض، احمد ندیم قاسمی، سردار جعفری، مخدوم کی الدین کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ایسے شعراء بھی ہیں جن کے یہاں ترقی پسندی اور جدیدیت دونوں میلانات موجود ہیں۔ ایسے شعراء میں محمد علی عمیق حنفی، منیب الرحمن، خلیل الرحمن اعظمی، اختر الایمان، ظہور نظر اور باقر مہدی کے نام قابل ذکر ہیں۔ حلقہ ارباب کے بعض نمائندہ شعراء ظفر اقبال، ناصر کاظمی کے نام سرفہرست ہیں، جن کے یہاں داخلیت، انفرادیت، تنہائی، اداسی کے اپنے اپنے رخ اور اظہار کا اپنا سلیقہ ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ شہزاد احمد، منجد ہ بانی، شکیب جلالی، ساقی فاروقی، افتخار

جالب، احمد ہمیش، بلراج کول، وزیر آغا، قاضی سلیم عمیق حنفی، و باب دانش، عبدالرحیم نشتر، شہریار، احمد مشتاق، زیب غوری، کمار پاشی، عشرت ظفر، غلام مرتضیٰ راہی، اسعد بدایونی، آشفتمہ چنگیزی محمد علوی، شمس الرحمن فاروقی، نداف ضلی، عادل منصوری، سلیم منظور اور شجاع خاور کو اس میلان کا شاعر سمجھا جاسکتا ہے، جنہوں نے اپنے ماقبل کے طرز سے انحراف کرتے ہوئے اپنی منفرد شناخت متعین کی۔ نئے لب و لہجہ، دوہرے علامتی اور پیچیدہ نظام، تجریدی آرٹ کے ذریعے احساس کی ایک نئی دنیا خلق کر دی۔ تجریدیت اور علامت کے اثرات جدیدیت سے قبل بھی اردو افسانے میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ جن میں تجریدیت یا علامت کا ایک انداز ہے مگر باقاعدہ طور پر اس نوع کا فکشن جو جدیدیت کے موضوعات اور فکر کو سمیٹے ہوئے ہے اور فنی انحرافات پر اصرار کرتا ہے ۱۹۴۷ء کے بعد نظر آتا ہے اور ۱۹۶۰ء کے بعد اس میں منظم کوششیں ملنے لگتی ہیں اور ۱۹۷۰ء کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ ان افسانہ نگاروں یا ناول نگاروں میں انتظار حسین، قرۃ العین حیدر، انور سجاد، بلراج مین را، سریندر پرکاش، نیر مسعود قمر احسن، احمد ہمیش، اقبال مجید، سلام بن رزاق، شوکت حیات، حمید سہروردی، غیاث احمد گدی، دیویندر اسر، انور عظیم، اقبال متین، بلراج کول، خالدہ حسین، صلاح الدین پرویز، بانو قدسیہ، جوگندر پال، رتن سنگھ وغیرہ کے نام بے حد اہم ہیں۔ مختصراً، جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں بنیادی فرق کے باوجود دونوں نے اردو ادب کو نئے فکری اور فنی امکانات عطا کیے اور اس کے دائرے؟ مطالعہ کو وسیع کیا۔

14.5 فرہنگ

مماثلت	:	ایک جیسی خصوصیت یا قدر مشترک
اختلاف	:	دو چیزوں کے درمیان فرق
تقابل	:	دو چیزوں کا باہمی موازنہ
جدیدیت	:	جدید عہد کے فکری اور ادبی شعور سے وابستہ رجحان
مابعد جدیدیت	:	جدیدیت کے بعد پیدا ہونے والا فکری و تنقیدی رویہ
داخلی شعور	:	انسان کی باطنی ذہنی اور جذباتی کیفیت
وجودی احساس	:	انسانی وجود اور اس کے مسائل کا شعور
کثرت معنی	:	ایک متن سے متعدد مفاہیم کا اخذ ہونا
تکثیریت	:	متعدد خیالات اور نقطہ ہائے نظر کی گنجائش

بین المتونیت	:	مختلف متون کے باہمی تعلق کا مطالعہ
علامت	:	کسی خیال یا کیفیت کی نمائندگی کرنے والا اشارہ
تجربہ	:	مجروح خیال یا کیفیت کا فنی اظہار
روایت	:	نسل در نسل منتقل ہونے والا فکری یا ثقافتی سلسلہ
تخلیقی آزادی	:	آزادانہ ادبی اظہار
تنقیدی شعور	:	ادبی متن کو غور و فکر اور تجربے کے ساتھ سمجھنے کی صلاحیت
اسلوب	:	اظہار کا مخصوص انداز
قرأت	:	متن کا مطالعہ اور اس سے معنی اخذ کرنے کا عمل
سیاق	:	کسی متن یا خیال کا متعلقہ پس منظر

14.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر: 1 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں مماثلت کے اہم پہلو بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 2 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بنیادی اختلافات کی وضاحت کیجیے۔
- سوال نمبر: 3 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا تقابلی مطالعہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر: 4 جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں معنی کے تصور کا تقابلی جائزہ لیجیے۔
- سوال نمبر: 5 جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کی خدمات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 6 جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے اردو ادب کے فکری اور فنی منظر نامے کو کس طرح متاثر کیا؟

14.7 مشقی سوالات

- 1- جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں پائی جانے والی اہم مماثلتیں بیان کیجیے۔
- 2- جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں بنیادی اختلافات واضح کیجیے۔

- 3- جدیدیت میں فرد اور داخلی شعور کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
- 4- مابعد جدیدیت میں کثرت معنی اور بین المتونیت کی اہمیت بیان کیجیے۔
- 5- جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے ادبی اسلوب کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔
- 6- شمس الرحمن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کی خدمات کا تقابلی جائزہ لیجیے۔
- 7- جدیدیت اور مابعد جدیدیت میں روایت کے تصور کو واضح کیجیے۔
- 8- اردو ادب میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی مجموعی اہمیت بیان کیجیے۔

14.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی: 1

- | | |
|--------|------|
| 1- الف | 2- ب |
| 3- الف | 4- ب |
| | 5- ب |

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب: 1 جدیدیت اور مابعد جدیدیت دونوں نے نئے ادبی امکانات، تخلیقی آزادی، فکری تجربے، نئے اسالیب اور تنقیدی شعور کو فروغ دیا۔ دونوں نے ادب کو محض روایتی سانچوں تک محدود رکھنے کے بجائے نئے تجربات کے لیے گنجائش پیدا کی۔
- جواب: 2 جدیدیت میں فرد، داخلی شعور، ذاتی تجربے اور وجودی مسائل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، جبکہ مابعد جدیدیت کثرت معنی، تکثیریت، بین المتونیت اور ثقافتی تنوع کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ دونوں کے معنی اور متن کے تصور میں بھی نمایاں فرق ہے۔
- جواب: 3 جدیدیت میں فرد کی داخلی دنیا، تنہائی، نفسیاتی کیفیت اور وجودی احساس کو اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے جدید ادب میں داخلی خودکلامی، علامت، تجرید اور نفسیاتی اظہار نمایاں ہوئے۔
- جواب: 4 مابعد جدیدیت کے نزدیک کسی متن کا مفہوم ایک ہی معنی تک محدود نہیں رہتا۔ مختلف قارئین اور مختلف سیاق و سباق میں ایک ہی متن کے متعدد مفاہیم سامنے آ سکتے ہیں۔ بین المتونیت مختلف متون کے باہمی تعلق اور اثرات کو نمایاں کرتی ہے۔

- جواب: 5: جدیدیت میں علامت، تجرید، داخلی اظہار اور انفرادی اسلوب کو نمایاں مقام حاصل ہوا، جبکہ مابعد جدیدیت میں مختلف اسالیب، ثقافتی حوالوں، بین المتونیت اور متعدد بیانیوں کو قبول کیا گیا۔ یوں دونوں نے اردو ادب کے اسلوب کو وسعت دی۔
- جواب: 6: شمس الرحمن فاروقی نے جدید اردو ادب اور تنقید کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور 1966ء میں شب خون جاری کیا۔ گوپی چند نارنگ نے ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدیدیت کے مباحث کو اردو تنقید میں فروغ دیا۔ دونوں نے اردو تنقید کو نئے فکری مباحث سے جوڑا۔
- جواب: 7: جدیدیت روایت سے تعلق رکھتے ہوئے اسے نئے عہد کے شعور کے مطابق دیکھتی ہے، جبکہ مابعد جدیدیت تاریخ، روایت اور مختلف ثقافتی متون کو نئے سیاق میں پڑھنے اور ان کے باہمی تعلق کو نمایاں کرنے پر زور دیتی ہے۔
- جواب: 8: جدیدیت اور مابعد جدیدیت دونوں نے اردو ادب کے فکری اور فنی دائرے کو وسیع کیا۔ جدیدیت نے داخلی شعور اور فنی تجربے کو فروغ دیا، جبکہ مابعد جدیدیت نے کثرت معنی، ثقافتی تنوع اور متن کی نئی قرأت کے امکانات پیدا کیے۔

14.9 امدادی کتب

- 1- شمس الرحمن فاروقی : شعر، غیر شعر اور نثر
- 2- شمس الرحمن فاروقی : لفظ و معنی
- 3- گوپی چند نارنگ : ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات
- 4- گوپی چند نارنگ : جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ
- 5- وہاب اشرفی : مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات
- 6- وزیر آغا : اردو ادب میں جدیدیت کے رجحانات
- 7- شمیم حنفی : جدیدیت کی فلسفیانہ اساس
- 8- جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو
- 9- ڈاکٹر انور سدید : اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ
- 10- ڈاکٹر فرمان فتح پوری : اردو تنقید کا ارتقا۔

سبق نمبر 15 اردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات

15.0 اغراض و مقاصد

15.1 تعارف

15.2 اردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات

15.2.1 اردو شاعری اور نثر پر جدیدیت کے اثرات

15.2.2 اردو ادب کی مختلف اصناف پر مابعد جدیدیت کے اثرات

15.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

15.4 عمومی جائزہ

15.5 فرہنگ

15.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

15.7 مشقی سوالات

15.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

15.9 امدادی کتب

15.0 اغراض و مقاصد

عزیز متعلم! اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اردو ادب میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فکری

تبدیلیوں، موضوعاتی وسعت اور فنی تنوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ ان رجحانات نے ادیب کے اپنے عہد، سماج، تہذیب اور انسانی تجربے کو دیکھنے کے انداز میں کس طرح تبدیلی پیدا کی۔ آپ جدیدیت کے زیر اثر اردو ادب میں پیدا ہونے والے نئے موضوعاتی رجحانات، علامتی طرزِ اظہار، تجریدی اسلوب، نفسیاتی مطالعے اور ہیئتی تجربات کی شناخت کر سکیں گے۔ اسی طرح آپ مابعد جدید ادبی رویے میں تاریخ، تہذیب، اساطیر، لوک روایت، مختلف ثقافتی حوالوں اور متعدد بیانیوں کے استعمال کو سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات صرف چند مخصوص ادیبوں تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے اردو ادب کے مطالعے، تنقید، تخلیقی رویوں اور ادبی ذوق کو بھی متاثر کیا۔ اس کے ساتھ آپ مختلف اصناف میں ان اثرات کی نوعیت کا تقابلی مطالعہ کرنے اور کسی ادبی تخلیق میں جدید یا مابعد جدید رجحانات کی نشان دہی کرنے کے قابل ہوں گے۔

15.1 تعارف

اردو ادب کی تاریخ میں بیسویں صدی کا دوسرا نصف ایک اہم فکری اور فنی تبدیلی کا زمانہ ہے۔ اس دور میں ہندوستانی معاشرہ سیاسی آزادی، تقسیمِ ہند، ہجرت، نئی ریاستی تشکیل، شہری زندگی کی توسیع اور تیزی سے بدلتے ہوئے سماجی حالات سے گزر رہا تھا۔ ان تبدیلیوں نے ادیب کے سامنے انسانی زندگی اور معاشرے کے بارے میں نئے سوالات پیدا کیے۔ ادب بھی ان سوالات سے الگ نہیں رہ سکتا تھا؛ چنانچہ اردو تخلیق میں فرد کی داخلی کیفیت، شناخت، تنہائی، تہذیبی اضطراب اور بدلتی ہوئی اقدار جیسے موضوعات زیادہ نمایاں ہونے لگے۔ جدیدیت کے اثرات کو صرف کسی ایک ادبی تحریک یا کسی ایک سال سے وابستہ کرنا درست نہیں۔ اس کے ابتدائی آثار ن۔م۔ راشد، میراجی اور بعض دوسرے شعرا کی تخلیقات میں 1940ء کی دہائی ہی سے محسوس ہونے لگے تھے، لیکن 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں میں یہ رجحان زیادہ واضح ادبی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس دور میں ادیب نے اجتماعی نعروں کے بجائے فرد کے پیچیدہ تجربے اور اس کے باطن کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ن۔م۔ راشد کا "ماورا" (1941ء) اور میراجی کی جدید شعری کاوشیں اس تبدیلی کے ابتدائی نمایاں نمونے ہیں۔ بعد میں جدید ادبی فکر کو تنقیدی اور ادبی سطح پر منظم کرنے میں مختلف رسائل اور ادبی حلقوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 1966ء میں شمس الرحمن فاروقی کے رسالے "شب خون" کا اجرا اسی سلسلے میں ایک اہم واقعہ تھا۔ شب خون نے نئے شاعروں، افسانہ نگاروں اور نقادوں کو جگہ دی اور جدید ادب کے فنی مسائل پر بحث کو فروغ دیا۔

جدیدیت کے زیر اثر اردو شاعری میں روایتی شعری ہیئتوں کے ساتھ نئے تجربات ہوئے۔ آزاد نظم کو زیادہ وسیع قبولیت ملی، علامت اور تجرید کا استعمال بڑھا اور شاعر کے ذاتی تجربے کو اظہار کا اہم وسیلہ بنایا گیا۔ افسانے میں بھی محض واقعہ بیان کرنے کے بجائے انسانی ذہن، داخلی

کشش اور نفسیاتی پیچیدگی پر توجہ بڑھی۔ اس طرح اردو ادب میں واقعے سے تجربے اور خارجی زندگی سے داخلی شعور کی طرف ایک اہم فنی منتقلی دیکھنے میں آئی۔ مابعد جدیدیت کا منظر نامہ اس سے مختلف مگر اسی ادبی سفر کی اگلی کڑی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ عالمی سطح پر 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں میں ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدید فکر کے مباحث نے ادب اور علوم انسانی کو متاثر کیا۔ اردو میں ان مباحث کی پذیرائی بالخصوص 1980ء کی دہائی کے بعد نمایاں ہوئی۔ اس مرحلے پر ادبی متن کو صرف مصنف کے تجربے یا ارادے کے ذریعے سمجھنے کے بجائے زبان، ثقافت، تاریخ، قاری اور دوسرے متون کے حوالے سے پڑھنے کا رجحان بڑھا۔ مابعد جدید تنقید نے اردو ادب کے مطالعے میں کثرت معنی، بین المتونیت، تکثیریت اور مختلف بیانیوں کو اہمیت دی۔ اس کے نتیجے میں تاریخ، اساطیر، مذہبی روایت، لوک ثقافت اور تہذیبی حافظے کو بھی نئے تنقیدی زاویوں سے پڑھا جانے لگا۔ گوپی چند نارنگ نے ساختیات اور پس ساختیات کے مباحث کو اردو تنقید میں متعارف کرانے اور انہیں مشرقی شعری روایت کے ساتھ جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کتاب ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات اس حوالے سے قابل ذکر ہے۔

اسی طرح وہاب اشرفی نے مابعد جدیدیت کے نظری مباحث کو اردو میں منظم انداز سے پیش کیا۔ "مابعد جدیدیت: مضمرات و امکانات" اس سلسلے میں اہم کتاب ہے۔ شمیم حنفی نے بھی جدید اردو ادب کے فکری اور تہذیبی پس منظر کو سمجھنے میں اہم تنقیدی خدمات انجام دیں۔ اردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات کا مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ ان دونوں رجحانات نے صرف نئے موضوعات یا اسالیب متعارف نہیں کرائے بلکہ ادب کو پڑھنے اور سمجھنے کے طریقے بھی تبدیل کیے۔ جدیدیت نے تخلیق کار کے داخلی تجربے اور فنی انفرادیت کو نمایاں کیا، جبکہ مابعد جدیدیت نے متن کے مختلف امکانات، قاری کی شرکت اور متعدد ثقافتی حوالوں کو سامنے لایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں رجحانات کے اثرات کو اردو ادب کی مختلف اصناف اور تنقیدی روایت میں الگ الگ سطحوں پر دیکھا جاسکتا ہے۔

15.2 اردو ادب پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات

اردو ادب میں جدیدیت (Modernism) اور مابعد جدیدیت (Post-modernism) دو ایسی اہم تحریکیں ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کے وسط سے اب تک فکرو فن کے دھارے کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ یہ محض ادبی اصطلاحات نہیں بلکہ بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

ان دونوں تحریکوں کے اثرات کا جائزہ ذیل میں دیا گیا ہے:

۱. جدیدیت کے اثرات (Modernism)

اردو ادب میں جدیدیت کا آغاز بنیادی طور پر ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوا۔ یہ تحریک ترقی پسند تحریک کے "اجتماعی مقصدیت" کے ردِ عمل کے طور پر ابھری جدیدیت میں انفرادیت اور ذات کا کرب عیاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ جدیدیت نے انسان کو بھیڑ کا حصہ سمجھنے کے بجائے اسے ایک "اکائی" کے طور پر دیکھا۔ ادیبوں نے انسان کی اندرونی تنہائی، بیگانگی اور وجودی کرب کو موضوع بنایا۔ جدیدیت میں علامت نگاری اور تجرید نگاری اہمیت کی حامل ہے۔ جدیدیت نے براہِ راست بیانے کے بجائے علامت (Symbolism) اور تجرید (Abstraction) کو رواج دیا۔ اب افسانہ صرف کہانی نہیں رہا بلکہ انسانی نفسیات کی گہرائیوں کا عکس بن گیا۔ اسی طرح شعور کی رو (Stream of Consciousness) سے ناول اور افسانے میں وقت کی لکیری ترتیب کو ختم کر کے یادوں اور لاشعور کی لہروں کے ذریعے کہانی بیان کی جانے لگی۔ یہی نہیں بلکہ نئی شعری زبان کو بھی استعمال میں لایا گیا شاعری میں روایتی گل و بلبل کے بجائے شہری زندگی کے مسائل، مشینوں کا شور اور انسان کی بے بسی جیسے استعارے استعمال ہوئے جدیدیت سے وابستہ ادباء میں سے اہم نام اس طرح ہیں۔ ن۔م راشد، میراجی، انتظار حسین، ناصر کاظمی، بلراج میزرا، اور انور سجاد۔

۲. مابعد جدیدیت کے اثرات (Post-modernism)

اردو میں مابعد جدیدیت کا چرچا ۱۹۸۰ء کے بعد شروع ہوا۔ یہ جدیدیت کے "تکبر" اور "مخصوص نظریات" کے خلاف ایک زیادہ چکدار اور ہمہ گیر رویہ ہے۔ اس میں مرکزی بیانیوں کی تردید کی گنجائش صاف نظر آتی ہے کیونکہ مابعد جدیدیت کسی ایک سچائی یا نظریے کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ "عظیم بیانیوں" (Grand Narratives) کے بجائے مقامی اور چھوٹے سچوں کو اہمیت دیتی ہے۔ اس میں تکثیریت (Pluralism) کو اہمیت دی گئی اور اس تحریک نے اردو ادب کو بتایا کہ ایک ہی متن (Text) کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔ قاری اب محض ایک تماشائی نہیں بلکہ معنی کی تخلیق میں برابر کا شریک ہے۔

مابعد جدیدیت نوآبادیاتی نظام کا ردِ عمل ہے مابعد جدیدیت نے مغربی تفقید کے اثرات کو رد کرتے ہوئے اپنی جڑوں اور مقامی تہذیب (Local Culture) کی طرف واپسی پر زور دیا۔ یہ وسعت کا مطالبہ صنف کی حدود کا خاتمہ کر کے کرتی ہے یعنی مابعد جدیدیت میں نظم اور نثر، یا حقیقت اور فنتاسی کے درمیان لکیریں دھندلا گئیں۔ "جادوئی حقیقت نگاری" (Magical Realism) اسی عہد کا خاصہ ہے۔ اہم نقاد و تخلیق کاروں میں سے چند ایک یہ ہیں: گوپی چند نارنگ، شمیم حنفی، مستنصر حسین تارڑ (بعد کی تحریریں)، اور شمس الرحمن فاروقی (بعض پہلوؤں سے)۔

الغرض جدیدیت نے اردو ادب کو گہرائی اور انفرادیت عطا کی، جبکہ مابعد جدیدیت نے اسے وسعت اور تنوع بخشا۔ آج کا اردو ادب ان دونوں تحریکوں کے اثرات سے لیس ہو کر عالمی ادب کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے اور ترقی یافتہ ادب بن کر دنیا میں اپنا مقام بنا چکا ہے۔ اردو میں جدیدیت کا میلان مغربی فلسفہ وجودیت، علامت نگاری اور کسی حد تک فرائیڈین تصور کی دین ہے۔ اردو میں اس کا آغاز باقاعدہ اور منظم شکل میں ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوتا ہے اور اردو شاعری اور فکشن میں وجودیت، فردیت، علامتیت، منفیت جیسے تصورات کو جگہ ملتی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کی صورت حال اور اس سے پیدا شدہ مسائل سے ادب بھی متاثر ہوا اور زمانے کے سیاسی و سماجی نتائج نے اس رجحان کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا اور اس طرح اردو میں تشکیک، تنہائی، داخلیت جنسی آزادی، جمعی آزادی، بے اطمینانی، خوف، دہشت، مایوسی اور اداس، لایعنیت، فرد کی لامعنویت، ارضی و معروضی تصور، انسانی محرومیاں، بے خوابی موت کی حقیقت جیسے اہم رویے سامنے آئے۔ فنی انحرافات کی سطح پر لسانی تشکیلات، علامت نگاری، تجریدیت، تمثیل نگاری لفظ کی نئی معنویت، نئے الفاظ و تراکیب کا استعمال اور مختلف نے سیتی تجربات کو اہمیت ملی۔ جدیدیت کسی متعینہ ضابطہ، یا نظریہ یا مینی فیسٹو کی تابع نہیں تھی لہذا یہ ہر طرح کے اظہار کا وسیلہ قرار پائی اور اس کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی۔ جدیدیت کے زیر اثر شاعری کرنے والوں میں ناصر کاظمی، بانی، شیب، جلالی خلیل الرحمن العظمیٰ منیب الرحمن، شہریار، منیر نیازی، عمیق حنفی سلیم شہزادہ مظہر امام، زیب غوری، شمس الرحمن فاروقی، ساقی فاروقی، ندا فاضلی، عادل منصوری، بلراج کول، باقر مہدی، رشید امجد، کمار پاشی عشرت ظفر، اسعد بدایونی، ظفر اقبال، زبیر رضوی محمود یاز، پروین شاکر، احمد فراز، غلام مرتضیٰ راہی، ممتاز راشد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں تو فکشن تخلیق کرنے والوں میں قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، احمد ہمیش، سریندر پرکاش، بلراج مین را، نیر مسعود، جوگندر پال، اقبال مجید، انور سجاد، خالد حسین غیاث احمد گدی، بانو قدسیہ، رشید امجد، صلاح الدین پرویز مشفق، اقبال متین، دیویندر اسر قمر احسن وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

جدیدیت نے اردو ادب کے موضوعات اور فنی اظہار دونوں میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ روایتی ادب میں جہاں خارجی واقعات اور اجتماعی زندگی کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، وہاں جدید ادب میں فرد کی داخلی دنیا بھی ادبی تجربے کا اہم موضوع بن گئی۔ تنہائی، بے یقینی، اضطراب، شناخت، انسانی باطن اور نفسیاتی کیفیت جیسے موضوعات اردو ادب میں زیادہ نمایاں ہوئے۔ جدیدیت کے زیر اثر ادیبوں نے اظہار کے نئے طریقے اختیار کیے۔ علامت، استعارہ، تجرید، داخلی خود کلامی اور نئے اسلوب نے اردو شاعری اور افسانے کو ایک مختلف فنی مزاج عطا کیا۔ اس تبدیلی کا ایک نمایاں اظہار جدید نظم میں ہوا۔ ن۔ م۔ راشد نے آزاد نظم کو فکری گہرائی اور فنی استحکام دیا، جبکہ میراجی نے انسانی باطن، نفسیاتی تجربے اور علامتی اظہار کو اپنی شاعری میں اہمیت دی۔ مابعد جدیدیت نے اردو ادب میں اس سے آگے بڑھ کر کثرت معنی اور تکثیریت کے

تصویرات کو فروغ دیا۔ ادبی متن کو کسی ایک قطعی معنی تک محدود رکھنے کے بجائے مختلف قراءتوں اور تعبیرات کے امکانات کو تسلیم کیا گیا۔ تاریخ، اساطیر، مذہبی روایت، مقامی ثقافت اور مختلف ادبی متون کو نئے سیاق میں پڑھنے کا رجحان بڑھا۔ اردو تنقید میں اس تبدیلی کا اظہار خاص طور پر نمایاں ہے۔ گوپی چند نارنگ کی کتاب "ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات" نے اردو قارئین کو جدید تنقیدی نظریات سے روشناس کرایا، جبکہ "جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ" میں جدید اور مابعد جدید ادبی تصورات پر تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔ وہاب اشرفی کی "مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات" بھی اس حوالے سے اہم تصنیف ہے۔

15.3 سرگرمی: 1 آؤ اپنی معلومات جانچیں

درست جواب منتخب کیجیے:

1۔ ن۔م۔راشد کا شعری مجموعہ "ماورا" کس سال شائع ہوا؟

الف۔ 1936ء ب۔ 1941ء

ج۔ 1955ء د۔ 1966ء

2۔ "شب خون" کا اجرا کس سال ہوا؟

الف۔ 1950ء ب۔ 1956ء

ج۔ 1966ء د۔ 1975ء

3۔ "بستی" کس کا ناول ہے؟

الف۔ قرۃ العین حیدر ب۔ عبداللہ حسین

ج۔ انتظار حسین د۔ انور سجاد

4۔ "ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات" کے مصنف کون ہیں؟

الف۔ شمس الرحمن فاروقی ب۔ گوپی چند نارنگ

ج۔ وہاب اشرفی د۔ وزیر آغا

5۔ مابعد جدیدیت میں کس تصور کو اہمیت حاصل ہے؟

الف۔ کثرتِ معنی ب۔ صرف ایک حتمی تعبیر

ج۔ صرف روایتی اسلوب د۔ صرف مصنف کی سوانح

15.4 عمومی جائزہ

جدیدیت اردو ادب کی ایک اہم فکری، ادبی اور فنی تحریک ہے جس نے بیسویں صدی کے وسط میں اردو ادب کے مزاج، موضوعات، اسلوب اور اظہار کے طریقوں کو نمایاں طور پر متاثر کیا۔ اردو ادب میں جدیدیت کے رجحانات کو سمجھنے کے لیے اس عہد کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ جدیدیت کسی ایک محدود نظریے کا نام نہیں بلکہ ایسے مختلف فکری اور ادبی رویوں کا مجموعہ ہے جن میں فرد کی داخلی زندگی، اس کے ذہنی انتشار، تنہائی، بے معنویت، وجودی مسائل اور بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ اردو ادب میں جدیدیت کی بحث خاص طور پر بیسویں صدی کے وسط میں نمایاں ہوئی۔ 1957ء کے بعد جدیدیت کی اصطلاح اور اس کے مباحث نے اردو ادب میں زیادہ واضح صورت اختیار کی اور 1960ء کے آس پاس جدیدیت کا رجحان ایک مضبوط ادبی رویے کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس دور کے ادیبوں اور نقادوں نے ادب کو محض خارجی زندگی، سماجی اصلاح یا کسی مخصوص نظریے کی ترجمانی تک محدود رکھنے کے بجائے انسان کے باطن، اس کے ذہنی تجربات اور داخلی کشش کو ادبی اظہار کا اہم موضوع بنایا۔

جدیدیت کا بنیادی مرکز فرد ہے۔ جدیدیت پسند ادیب کے نزدیک انسان محض معاشرے کا ایک رکن نہیں بلکہ ایک ایسا فرد ہے جو اپنی ذات، اپنے وجود، اپنے ماحول اور اپنے مستقبل کے بارے میں مسلسل سوالات سے دوچار رہتا ہے۔ اسی لیے جدید ادب میں فرد کی تنہائی، بے چینی، اضطراب، خوف، بے معنویت، اجنبیت اور داخلی کشش کے موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں۔ جدیدیت نے انسان کے خارجی حالات کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی دنیا کو بھی ادبی اظہار کا حصہ بنایا۔ جدیدیت کے فکری پس منظر میں وجودیت کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ وجودی فکر انسان کے وجود، آزادی، انتخاب، ذمہ داری اور زندگی کے معنی جیسے سوالات کو موضوع بناتی ہے۔ جدید ادب میں انسان کو ایک ایسے وجود کے طور پر پیش کیا گیا جو اپنے فیصلوں اور انتخاب کے لیے خود ذمہ دار ہے۔ اس فکر کے اثر سے اردو ادب میں فرد کی تنہائی، بے یقینی، اضطراب اور زندگی کے مقصد سے متعلق سوالات کو نئی اہمیت حاصل ہوئی۔ تاہم جدیدیت کو صرف وجودیت تک محدود نہیں کیا جاسکتا؛ اس کے دائرے میں نفسیاتی،

سماجی، تہذیبی اور جمالیاتی مباحث بھی شامل ہیں۔

جدیدیت نے ادب کے موضوع اور اسلوب دونوں میں تبدیلی پیدا کی۔ روایتی ادب میں واقعات، کردار اور خارجی زندگی کی مسلسل پیش کش کو اہمیت حاصل تھی، جب کہ جدید ادب میں داخلی کیفیت، شعور کی پیچیدگی اور انسانی ذہن کے مختلف تجربات کو زیادہ اہم سمجھا گیا۔ اس کے نتیجے میں افسانے اور ناول کے روایتی بیانیے میں تبدیلی آئی اور شاعری میں بھی اظہار کے نئے طریقے اختیار کیے گئے۔ علامت، استعارہ، ابہام، اشاریت اور داخلی خودکلامی جیسے فنی وسائل کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ جدیدیت پسند شاعری میں روایتی شعری موضوعات اور اسالیب سے ہٹ کر نئے تجربات کیے گئے۔ شاعر نے اپنے عہد کے پیچیدہ انسانی تجربات کو براہ راست بیان کرنے کے بجائے علامتوں، استعاروں اور نئی شعری زبان کے ذریعے پیش کیا۔ جدید شاعری میں آزادی اظہار، داخلی تجربہ، ذات کی تلاش، تنہائی، خوف، بے یقینی، موت، وقت، شہر اور بدلتی ہوئی تہذیبی زندگی جیسے موضوعات نمایاں ہوئے۔ اس سلسلے میں ن۔م۔راشد، میراجی، مجید امجد، اختر الایمان اور ناصر کاظمی جیسے شعرا کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا نے اردو شاعری کو نئے موضوعات، نئی علامتوں اور نئے فنی امکانات سے آشنا کیا۔

جدیدیت کے زیر اثر اردو افسانے میں بھی نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ جدید افسانہ نگاروں نے روایتی قصہ پن اور واقعاتی تسلسل کے بجائے انسانی ذہن اور داخلی تجربے کو مرکز بنایا۔ افسانے میں کردار کے باطن، اس کی نفسیاتی کیفیت، تنہائی، بے معنویت اور اپنے ماحول سے اجنبیت کو پیش کیا گیا۔ جدید افسانہ نگاروں نے زبان اور بیانیہ کے نئے تجربات کیے اور علامتی و تجریدی انداز کو بھی اختیار کیا۔ اس طرح افسانہ محض واقعہ بیان کرنے کے بجائے انسانی تجربے کی پیچیدہ صورتوں کو پیش کرنے کا وسیلہ بن گیا۔ جدیدیت کے حوالے سے اردو تنقید میں بھی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جدید ادبی تنقید نے ادب کو صرف سماجی، اخلاقی یا تاریخی معیار پر پرکھنے کے بجائے متن، اسلوب، فنی ساخت، زبان، علامت اور جمالیاتی تجربے کو بھی بنیادی اہمیت دی۔ جدیدیت پسند ناقدین نے ادبی تخلیق کی داخلی ساخت اور اس کے فنی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی۔ اس سلسلے میں شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، مسعود حسین خان، جمیل جالبی، وحید اختر اور دیگر کے نام اہم ہیں۔ ان نقادوں نے جدید اردو ادب کے فکری اور فنی مباحث کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جدیدیت نے اردو ادب کو ترقی پسند تحریک کی نظریاتی وابستگی سے بھی مختلف راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ ترقی پسند ادب میں سماجی حقیقت، طبقاتی کشمکش، معاشرتی ناہمواری اور اجتماعی مسائل کو خاص اہمیت حاصل تھی، جب کہ جدیدیت پسند ادیب نے فرد کی داخلی دنیا، جمالیاتی تجربے اور انسانی وجود کے پیچیدہ مسائل پر زیادہ توجہ دی۔ اس اختلاف کے باوجود جدیدیت کو ترقی پسند ادب کی مکمل نفی کے طور پر دیکھنا درست

نہیں؛ دونوں رجحانات نے اپنے اپنے عہد کے مسائل کو مختلف فکری اور فنی زاویوں سے پیش کیا۔ جدیدیت میں روایت کے ساتھ تعلق بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ جدیدیت کا مطلب محض روایت سے انکار نہیں بلکہ روایت کو نئے شعور کے ساتھ دیکھنا بھی ہے۔ جدید شاعر اور افسانہ نگار نے قدیم ادبی سرمائے، اساطیر، تہذیبی علامتوں اور شعری روایت سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں نئے معنوی تناظر میں استعمال کیا۔ اس طرح روایت اور جدید تجربے کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہوا۔ جدید ادیب نے ماضی کو صرف نقل نہیں کیا بلکہ اسے اپنے عہد کے تجربے سے جوڑنے کی کوشش کی۔ جدیدیت کے ادبی رویے میں زبان اور اسلوب کی تبدیلی بھی نمایاں ہے۔ جدید شاعر اور افسانہ نگار نے روایتی اور مانوس اظہار کے ساتھ ساتھ نئی لفظیات، علامتی زبان، اشاریت اور تہہ دار اسلوب اختیار کیا۔ بعض اوقات جدید متن میں ابہام اور پیچیدگی پیدا ہوئی، لیکن اس کا مقصد محض مشکل پیدا کرنا نہیں بلکہ انسانی تجربے کی پیچیدگی کو اس کی پوری معنوی سطح کے ساتھ پیش کرنا تھا۔ جدید ادب میں قاری سے فعال شرکت اور متن کی گہری تفہیم کی توقع کی گئی۔

جدیدیت نے شعری اصناف اور اظہار کے امکانات کو بھی وسعت دی۔ نظم میں نئی ہیئتیں اور نئے موضوعات سامنے آئے، جب کہ غزل میں بھی جدید حسیت کے اظہار کی کوشش ہوئی۔ جدید شاعروں نے فرد، شہر، تنہائی، وقت، موت، محبت، خوف، یادداشت اور انسانی وجود جیسے موضوعات کو نئے انداز میں پیش کیا۔ اس طرح روایتی شعری علامتوں اور جدید زندگی کے تجربات کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہوا۔ جدید افسانے میں بھی فنی تجربات اور ساختی تبدیلیاں اہم ہیں۔ جدید افسانہ نگاروں نے واقعاتی تسلسل کے بجائے ذہنی اور نفسیاتی تسلسل کو اہمیت دی۔ بعض افسانوں میں کردار کے شعور، یادداشت اور داخلی گفتگو کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ اس طرح افسانہ خارجی واقعے کے بجائے انسانی ذہن کے اندر رونما ہونے والے تجربے کی عکاسی کرنے لگا۔ جدید افسانے کی یہ خصوصیت اسے روایتی افسانے سے ممتاز کرتی ہے۔ جدیدیت کے اہم نقادوں اور ادیبوں نے اس بات پر زور دیا کہ ادب کو کسی ایک سیاسی یا سماجی مقصد کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔ ادب کی اپنی جمالیاتی اور فنی قدر بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے جدیدیت میں ادبی تخلیق کی خود مختاری، فنی معیار اور تخلیقی آزادی کو اہمیت دی گئی۔ اس رویے نے اردو تنقید میں ادب کی جمالیات، اسلوب اور متن کی داخلی ساخت کے بارے میں نئی بحثوں کو فروغ دیا۔

اردو ادب میں جدیدیت کا اثر صرف شاعری اور افسانے تک محدود نہیں رہا بلکہ ناول، تنقید اور دیگر ادبی اصناف بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ جدید ادیبوں نے بدلتی ہوئی شہری زندگی، تہذیبی تبدیلی، فرد کی شناخت، معاشرتی اجنبیت اور انسانی رشتوں کی پیچیدگی کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا۔ جدیدیت کے زیر اثر پیدا ہونے والے یہ ادبی تجربات بعد میں آنے والے مابعد جدید مباحث کے لیے بھی ایک اہم فکری اور فنی پس

منظر ثابت ہوئے۔

مختصراً، جدیدیت اردو ادب میں ایک ایسے فکری اور فنی رجحان کے طور پر سامنے آئی جس نے فرد، ذات، داخلی تجربے، وجودی مسائل، تنہائی، اضطراب، علامت، ابہام، جمالیات اور فنی خود مختاری کو اہمیت دی۔ جدیدیت نے اردو شاعری کو ن۔م۔راشد، میراجی، مجید امجد، اختر الایمان اور ناصر کاظمی جیسے شعرا کے ذریعے نئے شعری امکانات عطا کیے، جب کہ افسانے اور تنقید میں بھی نئے موضوعات اور اسالیب کو فروغ ملا۔ شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، مسعود حسین خان، جمیل جالبی اور وحید اختر جیسے نقادوں نے جدید ادبی مباحث کو نظریاتی اور تنقیدی بنیاد فراہم کی۔ اس طرح جدیدیت نے اردو ادب کو روایت کے دائرے میں رہتے ہوئے نئے فکری سوالات، نئے فنی تجربات اور انسانی ذات کے پیچیدہ مسائل سے روشناس کرایا اور اردو ادب کی جدید تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ جبکہ مابعد جدیدیت بیسویں صدی کی آخر میں سامنے آنے والا ایک اہم فکری، ادبی اور ثقافتی رجحان ہے۔ اس کا ظہور جدیدیت کے بعض بنیادی تصورات کے ردِ عمل کے طور پر ہوا۔ جدیدیت نے عقل، ترقی، مرکزیت، آفاقی اصولوں اور ایک منظم فکری نظام پر اعتماد کیا تھا، جب کہ مابعد جدیدیت نے کسی ایک مرکز، ایک نظریے، ایک حقیقت یا ایک حتمی اصول کو قطعی اور ناقابلِ تغیر تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی اور تجربہ اتنا متنوع اور پیچیدہ ہے کہ اسے کسی ایک نظریے یا ایک نقطہ نظر کے ذریعے مکمل طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مابعد جدید فکر میں کثرت، تنوع، اختلاف، عدم مرکزیت اور متعدد نقطہ ہائے نظر کو بنیادی اہمیت حاصل ہوئی۔

مابعد جدیدیت کے فکری پس منظر میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد پیدا ہونے والی سماجی، سیاسی، تہذیبی اور فکری صورتِ حال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید ترقی کے باوجود جنگوں، تشدد، تباہی، سیاسی کشمکش اور معاشرتی انتشار نے انسان کو ترقی اور عقل پر مبنی ان تصورات کے بارے میں دوبارہ سوچنے پر مجبور کیا جنہیں جدیدیت انسانی زندگی کی بہتری کی ضمانت سمجھتی تھی۔ اس صورتِ حال کے نتیجے میں ایسی فکر سامنے آئی جس نے حتمی سچائی اور جامع نظریاتی نظام کے بجائے مختلف تجربات اور نقطہ ہائے نظریہ کو تسلیم کیا۔ مابعد جدیدیت کی سب سے نمایاں خصوصیت عدم مرکزیت ہے۔ اس تصور کے مطابق کسی ایک فکر، تہذیب، طبقے، زبان یا نظریے کو انسانی تجربے کا واحد مرکز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے بجائے مختلف ثقافتوں، زبانوں، طبقات اور معاشرتی گروہوں کی آوازوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد جدید ادب میں حاشیے پر موجود طبقات، متبادل آوازیں، مقامی ثقافتیں اور مختلف تہذیبی تجربات بھی ادبی اظہار کا حصہ بنتے ہیں۔ اس رویے نے ادب کو ایک مقررہ اور واحد سانچے سے آزاد کر کے اظہار کے متعدد امکانات فراہم کیے۔

مابعد جدیدیت میں کثرت اور تنوع بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کسی ایک ادبی اسلوب، فنی طریقے یا فکری معیار کو حتمی نہیں سمجھتی۔ سنجیدگی اور مزاج، حقیقت اور تخیل، روایت اور جدیدیت، اعلیٰ ادب اور عوامی ثقافت جیسے بظاہر متضاد عناصر بھی ایک ہی ادبی متن میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اس طرح مابعد جدید ادب میں مختلف اسالیب اور ثقافتی عناصر کے امتزاج سے ایک ایسی فنی فضا پیدا ہوتی ہے جس میں معنی کی متعدد سطحیں وجود میں آتی ہیں۔ مابعد جدیدیت نے حقیقت کے تصور کو بھی نئے سرے سے موضوع بنایا۔ اس فکر کے مطابق حقیقت کوئی ایسی واحد اور حتمی شے نہیں جسے ہر شخص ایک ہی انداز میں محسوس کرے۔ مختلف افراد، طبقات، معاشروں اور تہذیبوں کے تجربات کے مطابق حقیقت کی صورتیں بدل سکتی ہیں۔ چنانچہ مابعد جدید ادب میں تاریخ، یادداشت، تخیل اور حقیقت ایک دوسرے میں مدغم ہو سکتے ہیں۔ افسانہ اور ناول کسی ایک قطعی حقیقت کی ترجمانی کے بجائے حقیقت کے مختلف امکانات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح مابعد جدیدیت میں متن، مصنف اور قاری کے تعلق کو بھی نئے زاویے سے دیکھا گیا۔ متن کو محض مصنف کے ارادے کا سیدھا اظہار نہیں سمجھا گیا بلکہ اس میں موجود مختلف معنوی امکانات اور قاری کی تعبیر کو بھی اہمیت دی گئی۔ ایک ہی متن مختلف قارئین کے لیے مختلف معنی پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح قاری محض متن کو قبول کرنے والا نہیں رہتا بلکہ معنی کی تشکیل کے عمل میں فعال کردار ادا کرتا ہے۔

مابعد جدید ادب کی ایک اہم خصوصیت بین المتونیت ہے۔ اس میں سابقہ ادبی متون، تاریخی واقعات، اساطیر، مذہبی و تہذیبی روایات اور مختلف ادبی اصناف کے حوالے نئے متن میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مابعد جدید تخلیق کار روایت کو محض رد نہیں کرتا بلکہ اسے نئے تناظر میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک متن اپنے سے پہلے موجود متعدد متون اور ثقافتی حوالوں کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے۔ پیروڈی، طنز، اقتباس، بازیافت اور مختلف اسالیب کا امتزاج بھی اسی فنی رویے کا حصہ ہیں۔ مابعد جدید افسانے میں میٹافکشنل بھی ایک اہم فنی تکنیک کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس میں افسانہ اپنی افسانوی حیثیت کو خود ظاہر کرتا ہے اور قاری کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ وہ ایک تخلیق کردہ متن پڑھ رہا ہے۔ کہانی کے اندر کہانی، مصنف اور متن کا تعلق، اور خود تخلیقی عمل پر گفتگو اس کی نمایاں صورتیں ہیں۔ اس طرح افسانہ صرف کسی واقعے کو بیان نہیں کرتا بلکہ اپنے فنی وجود اور تخلیقی عمل پر بھی غور کرتا ہے۔ مابعد جدیدیت نے روایت اور جدید تجربے کے درمیان بھی ایک نیا تعلق قائم کیا۔ اس نے روایت کو مکمل طور پر مسترد کرنے کے بجائے اسے نئے معنوی اور تہذیبی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی۔ قدیم اساطیر، تاریخی واقعات، مذہبی و تہذیبی علامتیں اور کلاسیکی ادبی حوالے جدید تخلیق میں نئے معنی پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح مابعد جدید ادب میں ماضی اور حال، مقامی اور عالمی، مشرقی اور مغربی اور قدیم و جدید عناصر باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

اردو ادب میں مابعد جدیدیت کے اثرات خاص طور پر افسانے، ناول، شاعری اور تنقید میں نمایاں ہوئے۔ اردو کے تخلیق کاروں نے مابعد جدید حسیّت سے متاثر ہو کر روایتی بیانیے، خطی زمانی ترتیب اور واحد معنی سے ہٹ کر نئے فنی تجربات کیے۔ افسانے میں فرد کی شناخت، بدلتی ہوئی سماجی صورتِ حال، تہذیبی بحران، انسانی تنہائی، یادداشت اور مختلف حقیقتوں کو نئے اسلوب میں پیش کیا گیا۔ ناول میں بھی تاریخ، تخیل، روایت، تہذیب اور فرد کے باہمی تعلق کو نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش ہوئی۔ مابعد جدید اردو افسانے کے حوالے سے غیاث احمد گدی، خالدہ جاوید، انور خان، ساجد رشید، سلیم شہزاد، سلام بن رزاق، طارق چغتاری، سید محمد اشرف، ابن کنول اور رام طلاق جیسے افسانہ نگاروں کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے یہاں بدلتے ہوئے معاشرتی حالات، فرد کی داخلی کیفیت، تہذیبی تجربات، شناخت، روایت اور جدید زندگی کے پیچیدہ مسائل مختلف فنی طریقوں سے سامنے آتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے روایتی قصہ پن کے ساتھ ساتھ علامت، اشاریت، مختلف بیانیوں اور نئے فنی تجربات کو بھی اپنے اظہار کا حصہ بنایا۔

مابعد جدید اردو ناول کے حوالے سے الماس احمد گوندی، عبداللہ، حسین الحق، مشرف عالم ذوقی، سید محمد اشرف، صلاح الدین پرویز، علی امام نقوی، سلیم شہزاد، شمول احمد، عشرت ظفر، جیندر ببلو، ارشد اود، الطاف نیار اور اوریس رائے وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ان ناول نگاروں کے یہاں روایت اور جدید زندگی کے تجربات کے ساتھ تاریخ، تہذیب، شناخت اور انسانی وجود کے مختلف مسائل کو نئے فنی اور فکری زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔ مابعد جدیدیت کے فروغ میں اردو تنقید کا کردار بھی نمایاں ہے۔ گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، حامدی کاشمیری، قمر جمیل، آصف فرخی، شمس الرحمن فاروقی، نظام صدیقی، ضمیر بدایونی، قاضی افضال حسین، امتیاز احمد، ابوالکلام قاسمی اور خورشید احمد جیسے ناقدین نے جدید اور مابعد جدید ادبی مباحث کو اردو تنقید میں متعارف کرانے، ان کی وضاحت کرنے اور نئے فکری و فنی رجحانات کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے مباحث کے ذریعے متن، قاری، معنی، روایت، تاریخ، ثقافت اور شناخت جیسے موضوعات اردو تنقید میں زیادہ نمایاں ہوئے۔ مابعد جدیدیت کے زیر اثر اردو شاعری میں بھی موضوع اور اسلوب کی سطح پر نئے تجربات ہوئے۔ شاعری میں فرد کی شناخت، تہذیبی صورتِ حال، تاریخ، یادداشت، شہری زندگی اور بدلتے ہوئے انسانی رشتوں کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتی علامتوں اور روایتی حوالوں کو نئے معنی دیے گئے۔ شاعر نے ایک ہی اسلوب یا شعری رویے تک محدود رہنے کے بجائے مختلف فنی طریقوں سے اظہار کی کوشش کی۔ اس طرح مابعد جدید حسیّت نے شاعری میں بھی کثرتِ معنی، تہذیبی شعور اور روایت کے نئے مطالعے کے امکانات پیدا کیے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ اردو میں مابعد جدیدیت کو محض مغربی نظریے کی نقل کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اردو کا اپنا وسیع ادبی، تہذیبی اور

فکری سرمایہ موجود ہے جس میں مختلف روایتیں، اسالیب اور فکری رویے پہلے سے شامل ہیں۔ مابعد جدید رجحان نے ان روایتوں کو نئے تناظر میں پڑھنے اور ان کے نئے معنی دریافت کرنے کے امکانات پیدا کیے۔ اسی لیے اردو مابعد جدیدیت کی اپنی مخصوص صورت ہے جو مقامی ادبی و تہذیبی تجربے سے بھی تشکیل پاتی ہے۔ مابعد جدیدیت کو کسی ایک جامد نظریے میں محدود کرنا بھی درست نہیں۔ اس کے مختلف مفکرین اور نقادوں کے یہاں اس کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں، تاہم اس کے بنیادی عناصر میں مرکزیت کے بجائے عدم مرکزیت، یکسانیت کے بجائے تنوع، قطعیت کے بجائے امکان، واحد حقیقت کے بجائے متعدد حقیقتیں اور ایک معنی کے بجائے کثرت معنی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہی عناصر اسے جدیدیت کے روایتی تصورات سے ممتاز کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مابعد جدیدیت نے اردو ادب کو کسی ایک نظریے، ایک حقیقت، ایک اسلوب یا ایک معنی کا پابند رکھنے کے بجائے اظہار کے متعدد امکانات فراہم کیے۔ اس نے ادب میں فرد، متن، قاری، روایت، تاریخ، ثقافت اور حقیقت کے مروجہ تصورات پر نئے سوالات قائم کیے۔ افسانے میں نئے بیانیے اور فنی تکنیکیں، ناول میں تاریخ و تخیل کے نئے امتزاج، شاعری میں نئے موضوعاتی اور اسلوبی امکانات اور تنقید میں متن و معنی کے نئے مباحث اسی کے اثرات ہیں۔ غیاث احمد گدی، خالدہ جاوید، ساجد رشید، سلام بن رزاق، سید محمد اشرف اور دیگر افسانہ نگاروں؛ الماس احمد گوندی، حسین الحق، مشرف عالم ذوقی اور دیگر ناول نگاروں؛ اور گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، شمس الرحمن فاروقی، قاضی افضل حسین، ابوالکلام قاسمی اور دیگر ناقدین کی کاوشوں نے اردو میں اس رجحان کے فکری و فنی مباحث کو وسعت دی۔ اس اعتبار سے مابعد جدیدیت اردو ادب میں محض ایک ادبی رجحان نہیں بلکہ ادب، حقیقت، تہذیب، تاریخ اور انسانی تجربے کو متعدد زاویوں سے دیکھنے کا ایک وسیع فکری رویہ ہے۔

15.5 فرہنگ

جدیدیت	:	جدید عہد کے فکری اور ادبی شعور سے وابستہ رجحان
مابعد جدیدیت	:	جدیدیت کے بعد کا فکری اور تنقیدی رویہ
داخلی شعور	:	انسان کی باطنی ذہنی اور جذباتی کیفیت
وجودی احساس	:	انسانی وجود اور اس کے مسائل کا شعور
علامت	:	کسی خیال یا کیفیت کی نمائندگی کرنے والا اشارہ

تجربہ	:	مجرد خیال یا کیفیت کا فنی اظہار
بین المتونیت	:	مختلف متون کے باہمی تعلق کا مطالعہ
کثرت معنی	:	ایک متن سے متعدد مفاہیم کا اخذ ہونا
تکثیریت	:	مختلف خیالات اور نقطہ ہائے نظر کی گنجائش
بیانیہ	:	واقعی یا تجربے کو پیش کرنے کا مخصوص طریقہ
تہذیبی شعور	:	تہذیب اور ثقافتی شناخت کا احساس
اساطیر	:	قدیم روایتی داستانیں اور تصورات
نفسیاتی	:	انسانی ذہن اور باطن سے متعلق
فنی	:	فن اور اس کے طریقہ اظہار سے متعلق
قرأت	:	متن کا مطالعہ اور اس سے معنی اخذ کرنے کا عمل

15.6 نمونہ برائے امتحانی سوالات

- سوال نمبر: 1 اردو ادب پر جدیدیت کے نمایاں اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر: 2 اردو شاعری اور افسانے پر جدیدیت کے اثرات مثالوں کے ساتھ بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 3 اردو ادب کی مختلف اصناف پر مابعد جدیدیت کے اثرات کا جائزہ پیش کیجیے۔
- سوال نمبر: 4 اردو تنقید پر جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثرات بیان کیجیے۔
- سوال نمبر: 5 ن۔م۔راشد، میراجی اور انتظار حسین کی ادبی خدمات کے حوالے سے جدیدیت کے اثرات واضح کیجیے۔
- سوال نمبر: 6 گوپی چند نارنگ اور وہاب اشرفی کی مابعد جدیدیت تنقیدی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

15.7 مشقی سوالات

- 1۔ اردو ادب پر جدیدیت کے بنیادی اثرات بیان کیجیے۔

- 2- جدیدیت نے اردو شاعری کو کس طرح متاثر کیا؟
- 3- جدیدیت کے زیر اثر اردو افسانے میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں؟
- 4- مابعد جدیدیت نے اردو ناول اور افسانے کو کس طرح متاثر کیا؟
- 5- اردو تنقید پر مابعد جدیدیت کے اثرات بیان کیجیے۔
- 6- ن۔م۔راشد اور میراجی کی جدید اردو شاعری میں خدمات بیان کیجیے۔
- 7- انتظار حسین کے فکشن میں تہذیبی شعور کی اہمیت واضح کیجیے۔
- 8- جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے اردو ادب کے مجموعی ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟

15.8 جوابات سرگرمی، مشقی سوالات کے جوابات

جوابات سرگرمی: 1

1- ب 2- ج

3- ج 4- ب

5- الف

مشقی سوالات کے جوابات

- جواب: 1 جدیدیت نے اردو ادب میں فرد کے داخلی شعور، نفسیاتی تجربے، وجودی احساس، علامتی اظہار، تجرید اور نئے فنی اسالیب کو فروغ دیا۔ اس کے اثرات شاعری، افسانہ، ناول اور تنقید میں نمایاں ہوئے۔
- جواب: 2 جدیدیت نے اردو شاعری میں آزاد نظم، علامت، تجرید، داخلی اظہار اور جدید انسانی تجربے کو اہمیت دی۔ ن۔م۔راشد، میراجی اور اختر الایمان نے جدید شاعری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔
- جواب: 3 جدیدیت کے زیر اثر افسانہ نگاروں نے خارجی واقعات کے ساتھ انسانی باطن، نفسیاتی کیفیت، تنہائی اور داخلی تجربے کو موضوع بنایا۔ انتظار حسین، انور سجاد، خالدہ حسین اور سریندر پرکاش اس حوالے سے اہم نام ہیں۔

- جواب:4 مابعد جدیدیت نے اردو ناول اور افسانے میں تاریخ، اساطیر، ثقافت، مختلف بیانیوں، بین المتونیت اور کثرتِ معنی کے امکانات کو نمایاں کیا۔ انتظار حسین اور قرۃ العین حیدر کی بعض تخلیقات کو ان زاویوں سے مطالعے کے لیے اہم مثالوں کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔
- جواب:5 مابعد جدیدیت نے اردو تنقید میں متن، قاری، معنی، ثقافت، بین المتونیت اور مختلف قرأتوں کے مباحث کو فروغ دیا۔ گوپی چند نارنگ اور وہاب اشرفی نے ان نظریات کی اردو میں تفہیم اور تشریح میں اہم کردار ادا کیا۔
- جواب:6 ن۔م۔م۔راشد نے آزاد نظم کو فکری اور فنی استحکام دیا، جبکہ میراجی نے داخلی، نفسیاتی، علامتی اور اساطیری تجربات کو اردو شاعری میں نئی قوت عطا کی۔ دونوں نے جدید اردو نظم کے فنی امکانات کو وسیع کیا۔
- جواب:7 انتظار حسین کے فکشن میں ماضی، تہذیبی یادداشت، ہجرت، اساطیر اور انسانی تجربے کا گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ "بستی" اور "آگے سمندر ہے" میں تاریخ اور تہذیب کے حوالے نمایاں ہیں۔
- جواب:8 جدیدیت نے اردو ادب کو داخلی شعور، نئے موضوعات اور فنی تجربات عطا کیے، جبکہ مابعد جدیدیت نے کثرتِ معنی، ثقافتی تنوع، بین المتونیت اور مختلف قرأتوں کے امکانات پیدا کیے۔ دونوں نے اردو ادب کے فکری اور فنی دائرے کو وسیع کیا۔

15.9 امدادی کتب

- 1۔ شمس الرحمن فاروقی : شعر، غیر شعر اور نثر
- 2۔ گوپی چند نارنگ : ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات
- 3۔ گوپی چند نارنگ : جدیدیت اور مابعد جدیدیت: ایک مکالمہ
- 4۔ وہاب اشرفی : مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات
- 5۔ وزیر آغا : اردو ادب میں جدیدیت کے رجحانات
- 6۔ شمیم حنفی : جدیدیت کی فلسفیانہ اساس
- 7۔ جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو
- 8۔ ڈاکٹر انور سدید : اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ

- 9۔ ن۔م۔راشد : کلیاتِ ن۔م۔راشد
- 10۔ میراجی : کلیاتِ میراجی
- 11۔ انتظار حسین : بستی
- 12۔ انتظار حسین : آگے سمندر ہے
- 13۔ قرۃ العین حیدر : آگ کا دریا
- 14۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری : اردو تنقید کا ارتقا۔

MODEL QUESTION PAPER

FOR

M.A.URDU

Semester :- II

COURSE- NO. URD 204

(Literary Movements and Trends)

Time Allowed:- 2½ hours

Maximum Marks:-70

ماڈل سوالیہ پرچہ

کورس نمبر 204: ادبی کی تحریکات و رجحانات

کل نمبر: 70

وقت: ڈھائی گھنٹے

نوٹ: تمام سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ نمبروں کی تفصیل سامنے درج ہے۔

سوال نمبر 1 - اردو ادب میں اصلاحِ زبان کی تحریک کے اسباب اور اہم اثرات پر روشنی ڈالیے۔

یا

7 نمبر - اردو ادب میں رومانوی رجحان کے بنیادی خدوخال اور اس کے ادبی اثرات بیان کیجیے۔

سوال نمبر 2 - الف ترقی پسند تحریک کے بنیادی مقاصد اور اردو ادب پر اس کے اثرات بیان کیجیے۔

یا

7 نمبر - جدیدیت کے بنیادی تصورات اور اردو شاعری و افسانے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔

سوال نمبر 3 - الف اردو ادب میں اصلاحِ زبان کی تحریک کے آغاز، اہم نمائندوں اور زبان و ادب پر اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

یا

اردو ادب میں رومانوی تحریک کے فکری و فنی اثرات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اسکے اہم شعرا اور ادیبوں کا ذکر کیجیے۔ 14 نمبر

سوال نمبر 4 - ترقی پسند تحریک کے فکری پس منظر، بنیادی نظریات اور اردو شاعری و افسانے پر اس کے اثرات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

یا

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بنیادی تصورات کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اردو ادب پر انکے اثرات بیان کیجیے۔ 14 نمبر

سوال نمبر 5۔ اصلاحِ زبان کی تحریک میں شاہ حاتم اور ناسخ کے کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔

یا

رومانوی رجحان کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔ 7 نمبر

سوال نمبر 6۔ ترقی پسند تحریک کے اہم ادیبوں اور شاعروں کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

یا

مابعد جدیدیت کی نمایاں خصوصیات، مثلاً عدم مرکزیت، کثرتِ معنی اور بین المتونیت، پر مختصر نوٹ لکھیے۔ 7 نمبر

سوال نمبر 7۔ معروضی سوالات 14 نمبر

1۔ ایہام گوئی کے خلاف شروع ہونے والی تحریک کو کیا کہا جاتا ہے؟

الف ترقی پسند تحریک ب اصلاحِ زبان کی تحریک

ج رومانوی تحریک د جدیدیت

2۔ اصلاحِ زبان کی تحریک میں اولیت کس کو حاصل ہے؟

الف میر تقی میر ب سودا

ج مرزا مظہر جان جاناں د ناسخ

3۔ اصلاحِ زبان کے حوالے سے قواعد و ضوابط مرتب کرنے والے اہم شاعر کون تھے؟

الف شاہ حاتم ب میر حسن

ج حالی د آزاد

4۔ اصلاحِ زبان کے حوالے سے سب سے بڑا کام کس نے کیا؟

الف سودا ب میر

ج ناسخ د ذوق

5- رومانوی ادب میں بنیادی اہمیت کس کو حاصل ہوتی ہے؟

- الف جذبات اور تخیل ب سیاسی نظریے
ج سائنسی حقائق د صحافتی اسلوب

6- ترقی پسند تحریک کا بنیادی تعلق کس سے تھا؟

- الف محض تفریح ب سماجی اور معاشرتی مسائل
ج صرف لسانی اصلاح د صرف کلاسیکی روایت

7- ترقی پسند تحریک نے ادب میں کس پہلو کو نمایاں اہمیت دی؟

- الف سماجی حقیقت ب محض ابہام
ج صرف اساطیر د صرف جمالیاتی تجربہ

8- جدیدیت میں کس کو خاص اہمیت حاصل ہوئی؟

- الف فرد اور اس کی داخلی زندگی ب صرف اجتماعی زندگی
ج صرف مذہبی موضوعات د صرف تاریخی واقعات

9- جدیدیت کے نمایاں شعرا میں کون شامل ہیں؟

- الف ن۔م۔راشد ب میر حسن
ج ولی دکنی د شاہ حاتم

10- جدیدیت کے فکری مباحث میں وجودیت کا تعلق کس مسئلے سے ہے؟

- الف انسانی وجود ب صرف زبان
ج صرف عروض د صرف تاریخ

11- مابعد جدیدیت کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

الف	مرکزیت	ب	عدم مرکزیت
ج	یکسانیت	د	قطعییت

12- بین المتنیت سے کیا مراد ہے؟

الف	مختلف متون کے باہمی تعلق سے	ب	صرف ایک متن کے مطالعے سے
ج	صرف شعری اصناف سے	د	صرف تاریخی تحقیق سے

13- میٹا فلشن کس صنف سے خصوصی طور پر متعلق فنی تکنیک ہے؟

الف	افسانہ	ب	مرثیہ
ج	قصیدہ	د	مثنوی

14- مابعد جدیدیت میں معنی کے بارے میں کیا تصور پایا جاتا ہے؟

الف	صرف ایک حتمی معنی	ب	کثرتِ معنی
ج	معنی کی نفی	د	صرف لغوی معنی

Course Contributors and Content Editing:

Dr. Shehnaz Qadri

Assistant professor,
M A M Govt.PG College Jammu.

Dr. Parshotam Paul Singh

Assistant professor,
Department of Urdu. CDOE.
University of Jammu

Content Editing/ Proofreading

Dr. Parshotam Paul Singh

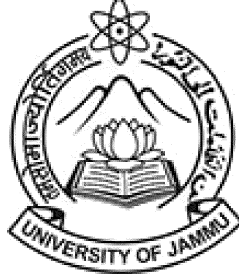
Assistant professor,
Department of Urdu. CDOE.
University Of Jammu, Jammu.

© Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

- * All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the CDOE, University of Jammu.
- * The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : Classic Printers/ 2026/50

**CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU**



**SELF LEARNING MATERIAL
FOR
M.A. URDU
SEMESTER - II
SESSION - 2025 ON WARDS**

SUBJECT: Literary Movements and Trends

UNIT I-IV

COURSE CODE URD - 204

LESSONS: 1-15

PROF. (DR.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

DR. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE Urdu

<http://www.distanceeducationju.in>

*Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu
by the Director, CDOE, University of Jammu.*